شرع لکم من الدین ما وصّی بہ ابراہیم

قائم کیا تمھارے لیے دین سے اُس چیز کو جسکی وصیت کی تھی ابراہیم کو۔

ع شرع او ناسخ شرعہا است۔

الحمد للہ والمنۃ

کہ کتاب نایاب

مسمے بہ

پرسنل لا آف دی محمڈنس یعنی مسلمانون کا قانون شخصی جسمین مسائل واحکام شرع محمدی متعلقہ میراث ونکاح وطلاق مع انکے تمام اقسام وشقوق کے اور مع ان اختلافات کے جو فریقین مین یا اہل سنت کے چارون فرقون مین ہوے ہین نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیے ہین۔

ملقب بہ

جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

جلد اول

جسکو عالم العی فاضل لوذعی جامع الفضائل والکمالات الخفی والجلی آنریبل مولوی سید امیر علی ایم اے بارسٹر ایٹ لا ممبر کونسل واضع آئین وقوانین نے سنی اور شیعہ کی نہایت معتبر ومستند کتب فقہ سے بہ کمال تحقیق وتفتیش اور بغایت دقت نظر زبان انگریزی مین تالیف کیا اور مولوی سید ابو الحسن صاحب مترجم انجمن ہند اودھ نے واسطے فائدہ خاص وعام کے علی الخصوص بنظر افادہ شائقان علوم اسلامیہ ووکلاء عدالت العالیہ زبان اردو مین ترجمہ کیا

مطبع نامی منشی نول کشور واقع لکھنؤ مین چھپی

ماہ ستمبر ۱۸۸۶ع

شَرَعَ لَکُم مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ اِبْرٰھِیْمَ

قائم کیا تمھارے لیے دین سے اُس چیز کو جسکی وصیت کی تھی ابراہیم کو۔

ع شرع او ناسخ شرعہا است۔

الحمد للہ والمنۃ

کہ کتاب نایاب

مسمے بہ

پرسنل لا آف دی محمدنس یعنی مسلمانون کا قانون شخصی جسمین مسائل واحکام شرع محمدی متعلقہ میراث
ونکاح وطلاق مع انکے تمام اقسام وشقوق کے اور مع ان اختلافات جزئی کے جو فریقین مین یا اہل سنت
کے چارون فرقون مین ہوے ہین نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیے ہین۔

ملقب بہ

جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

جلد اول

جسکو عالم المعی فاضل لوذعی جامع الفضائل والکمالات الخفی والجلی آنریبل مولوی سید امیر علی ایم اے
بارسٹر آیٹ لا و ممبر کونسل واضع آئین وقوانین نے سنی اور شیعہ کی نہایت معتبر ومستند کتب
فقہ سے بہ کمال تحقیق وتفتیش اور بنہایت دقت نظر زبان انگریزی مین تالیف کیا اور مولوی سید ابو الحسن
صاحب مترجم انجمن ہند اودھ نے واسطے فائدہ خاص وعام کے علی الخصوص بنظر افادہ شائقان
علوم اسلامیہ ووکلاء عدالت العالیہ زبان اردو مین ترجمہ کیا

مطبع نامی منشی نول کشور واقع لکھنؤ مین چھپی

ماہ ستمبر سنہ ۱۸۸۷ع

نقل کیا ہے کہ شاید بلکہ یقیناً کوئی کتاب مسائل و احکام شرع محمدی مین زبان انگریزی مین کوئی
ایسی جامع و حاوی ابتک نہین تالیف ہوئی پھر اردو بیچاری کس قطار و شمار مین ہے ۔
چند ہی روز ہوے ہین کہ مترجم حقیر مصنف تحریر کی لائف آف محمد یعنی سوانح عمری حضرت
خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثنا کا ترجمہ اردو مین کرکے تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام
کے نام سے اسکو چھپوا کر مشتہر کر چکا ہے اور بحمد اللہ وہ ترجمہ مقبول خاص و عام و مطبوع
طبع شائقان حالات اسلام و بانی اسلام ہوا ہے ۔ اب حسب فرمائش قدردان
اہل کمال و ذوالمعنی والافضال رئیس باذل امیر مدیا دل شائق علوم ناقد فنون و رسوم
کنور ہرنام سنگھ صاحب بہادر اہلو الیہ دام اقبالہ منیجر ریاست کپورتھلہ و سکرٹری انجمن پنجاب
اودھ اور باجازت جناب مصنف علامہ اس کتاب کا ترجمہ کرکے ہدیۂ ناظرین با تمکین
کرتا ہون اور انشاء اللہ تعالی اسکی جلد ثانی جسمین مسائل و احکام وقف و وصیت وغیرہ کے
بھی زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہین اسکا بھی ترجمہ کرکے عنقریب ہدیہ
ناظرین کرونگا ۔ امید کہ یہ کتاب حضرات وکلاء و قانون دانون کو بہت [illegible]
اور مفید [illegible] ہوگی [illegible] کو بکلمۂ خیر یاد فرمائینگے

الملتمس
[illegible] احسن مترجم انجمن [illegible] ۲۰ - ۱ - [illegible]

فہرست مضامین

جلد اول جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

" جو لوگ دائرۂ اسلام کے اندر نہین پیدا ہوے ہین اور جنہون نے اُس دائرہ کے اندر نہین
پرورش پائی ہے اُنکو شرع شریف یعنی قانونِ اسلام کے سمجھنے مین بڑی بڑی دقتین پیش
آتی ہین — بالفعل جو کتابین شرع محمدی کی زبانِ انگریزی مین موجود ہین اُنکی تعداد قلیل ہے — البتہ
فرانسیسی زبان مین اس قسم کی کتابین بہت ہین — مگر اکثر عمدہ عمدہ کتابین متقدمین فقہاے
اسلام کی علم فقہ اور مسائل و احکام شرع مین اُس زبان (عربی) کی پیچیدگیون مین پیچیدہ پڑی
ہوئی ہین جسکا حاصل کرنا اُتنا ہی مشکل ہے جتنی وہ زبان وسیع و دقیق ہے —

ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانون مین بھی علم فقہ اگر متروک نہین ہو گیا ہے تو شاذ و نادر
تو ضرور ہے — بہت کم لوگ اُسکو علم سمجھکر حاصل کرتے ہین یا اُسکو قانون عام کا ایک شعبہ جانکر
اُسکی تحقیق و تفتیش کرتے ہین — جو لوگ علم فقہ کی تحصیل مین مصروف ہوتے ہین وہ چند احکام
میراث کے علم پر اکتفا کرتے ہین جس سے کچھ فائدہ نہین ہوتا — یہ نتیجہ اُس حکمت عملی کا ہے جو لارڈ
ولیم بنٹنک صاحب گورنر جنرل ہندوستان نے اختیار کی تھی — اُنکے عہد گورنری کے پیشتر
ہندوستان کے اہل اسلام رعایا کے سب فرقون پر شرف رکھتے تھے اور اُنکے علم فقہ اور علم ادب

کی ترغیب متواتر گورنران ہند دیتے رہے اور اُنکی روایات کا احترام کیا اور خود اُنسے ویسی رعایت کرتے تھے جیسی اُس قوم سے کرنی چاہیے جو پہلے ہندوستان کے حاکم و فرمان روا تھی مگر لارڈ ولیم بنٹنک صاحب کے عہد گورنری مین وہ سارا رنگ بدل گیا اور مسلمانانِ ہند طاقِ نسیان پر رکھدیے گئے — اور اُنکے آئین و قوانین رفتہ رفتہ زائل ہوگئے اور قدیم قاضیون اور مفتیون کے خاندان جو مارکوس آف ولزلی اور مارکوس آف ہیسٹنگس کے عہد گورنری کی رونق و افتخار کا باعث تھے فنا و برباد ہوگئے — ایک طرف تو اہل فرانس الجیریا[۱] مین کوشش بلیغ اسلامی علم فقہ و فن ادب کی ترقی مین کر رہے تھے اور گورنمنٹ فرانس کی اعانت و امداد سے تازہ ترغیب علوم اسلامیہ کی تحصیل کی دے رہے تھے — اور ویسی قوانین کو رعایا کی اصلاح حال کی غرض سے کام مین لا رہے تھے — دوسری طرف انگریز ہندوستان مین علوم اسلامیہ کے ہر ایک شعبہ کو ضایع کیے دیتے تھے — جو خرابیان اِس غلط حکمت عملی سے پیدا ہوئی ہین اُنکے اظہار مین جسقدر مبالغہ کیا جاے وہ کم ہے — اسلامی علم فقہ اور مسلمانون کے اطوار و عادات اور رسوم و قوانین سے واقفیت تامہ نہ رکھنے کا نتیجہ اب بھی یہ ہوتا ہے کہ بعض مقدمات کا فیصلہ سب سے اعلیٰ درجہ کی عدالتین ہر ایک اصول شرع شریف کے خلاف کرتی ہین — پس کچھ تعجب کا مقام نہین ہے کہ جب کسی مقدمہ کے فیصلہ مین عدم واقفیت احکام شرع کی وجہ سے ناانصافی ہوتی ہے تو وہ ناانصافی اُس طولانی فہرست الزامات مین شامل ہو جاتی ہے جو الزامات لوگون نے گورنمنٹ انگلشیہ پر قائم کیے ہین — اب چند مدت سے بعض لوکل گورنمنٹون نے علی الخصوص گورنمنٹ بنگالہ اور گورنمنٹ مندراس نے اُن خرابیون کی اصلاح کی خواہش ظاہر کی ہے جو پچاس برس کی غفلت سے پیدا ہوئی ہین — مگر اسوقت تک کوئی قرار واقعی تدارک اِسکا

[۱] الجیریا یا الجیرس ایک صوبہ ممالک بربر مین ہے افریقہ کے شمال مین ہے جہان مدت سے فرانسیس کی عملداری ہے اور جہانکے لوگ عرب ہین اور مالکی مذہب ہین اِس ملک مین شرع محمدی امام مالک کے طریقہ کے موافق اب تک جاری ہے اور وہان قاضیون کے فتوے اور فیصلے اس کتاب مین اکثر مقامات پر بطور تائید کے یا تمثیلاً نقل کیے گئے ہین — ۱۲ مترجم

کی ترغیب متواتر گورنران ہند دیتے رہے اور اُنکی روایات کا احترام کیا اور خود اُنسے ویسی رعایت کرتے تھے جیسی اُس قوم سے کرنی چاہیے جو پہلے ہندوستان کے حاکم و فرمان روا تھی۔ مگر لارڈ ولیم بنٹنک صاحب کے عہد گورنری مین وہ سارا رنگ بدل گیا اور مسلمانانِ ہند طاقِ نسیان پر رکھدیے گئے۔ اور اُنکے آئین و قوانین رفتہ رفتہ زائل ہو گئے اور قدیم قاضیون اور مفتیون کے خاندان جو مارکوس آف ولزلی اور مارکوس آف ہیسٹنگس کے عہد گورنری کی رونق و افتخار کا باعث تھے فنا و برباد ہو گئے۔ ایک طرف تو اہل فرانس الجیریا[1] مین کوشش بلیغ اسلامی علم فقہ و فن ادب کی ترقی مین کر رہے تھے اور گورنمنٹ فرانس کی اعانت و امداد سے تازہ ترغیب علومِ اسلامیہ کی تحصیل کی دے رہے تھے۔ اور دیسی قوانین کو رعایا کی اصلاح حال کی غرض سے کام مین لا رہے تھے۔ دوسری طرف انگریز ہندوستان مین علوم اسلامیہ کے ہر ایک شعبہ کو ضائع کیے دیتے تھے۔ جو خرابیان اِس غلط حکمتِ عملی سے پیدا ہوئی ہین اُنکے اظہار مین جسقدر مبالغہ کیا جاے وہ کم ہے۔ اسلامی علم فقہ اور مسلمانون کے اطوار و عادات اور رسوم و قوانین سے واقفیت تامہ نہ رکھنے کا نتیجہ اب بھی یہ ہوتا ہے کہ بعض مقدمات کا فیصلہ سب سے اعلیٰ درجہ کی عدالتین ہر ایک اصول شرع شریف کے خلاف کرتے ہین۔ پس کچھ تعجب کا مقام نہین ہے کہ جب کسی مقدمہ کے فیصلہ مین عدم واقفیت احکام شرع کی وجہ سے ناانصافی ہوتی ہے تو وہ ناانصافی اُس طولانی فہرست الزامات مین شامل ہو جاتی ہے جو الزامات لوگون نے گورنمنٹ انگلشیہ پر قائم کیے ہین۔ اب چند مدت سے بعض لوکل گورنمنٹون نے علی الخصوص گورنمنٹ بنگالہ اور گورنمنٹ مندراس نے اُن خرابیون کی اصلاح کی خواہش ظاہر کی ہے جو پچاس برس کی غفلت سے پیدا ہوئی ہین۔ مگر اسوقت تک کوئی قرار واقعی تدارک اسکا

[1] الجیریا یا الجیرس ایک صوبہ ممالک بربر مین سے افریقہ کے شمال مین ہے جہان مدت سے فرانسیس کی عملداری ہے اور جہاں کے لوگ عرب ہین اور مالکی مذہب ہین اُس ملک مین شرع محمدی امام مالک کے طریقہ کے موافق اب تک جاری ہے اور وہان کے قاضیون کے فتوے اور فیصلے اس کتاب مین اکثر مقامات پر بطور تائید کے یا تمثیلاً نقل کیے گئے ہین۔ ۱۲ مترجم

شرع محمدی مین سب کتابون سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی تھی مگر اب اس کتاب کی وقعت قانون دانون
اور ججون کی نظر مین کم ہوگئی ہے — میکناٹن صاحب کی شرح حنفیہ اور شرع شیعہ اثنا عشریہ
مین اگرچہ بہت سے عیوب اور جا بجا غلطیان ہین مگر میرے نزدیک اس کتاب کو ایک
نہایت مفید ابتدائی رسالہ اُن طلبہ کے لیے سمجھنا چاہیئے جو سرکاری امتحانات پاس
کرنے کی کوشش کرتے ہین — ہیملٹن صاحب کا ترجمۂ ہدایہ اُن لوگون کو بہت مفید ہے جو
مختلف فرقہاے اہل سنت کے مسائل مین فرق و امتیاز کر سکتے ہین — مگر جو دقت قانون
دانون کو ہیملٹن صاحب کے ترجمۂ ہدایہ سے اُن اصول کے دریافت کرنے مین پیش آتی ہے
جو فی الواقع حنفیہ مین جاری اور معمول بہ ہین اُسکی وجہ سے اس کتاب کا فائدہ بہت کم ہوگیا ہے
بیلی صاحب کی شرع محمدی مین فتاوای عالمگیری اور شرائع الاسلام کے مضامین
بے تکلف نقل کر دیے ہین — یہ کتاب مولف کی لیاقت پر دال ہے اور شائقان علم فقہ کو
اِس سے بڑی مدد ملتی ہے — بیلی صاحب کے عالم متبحر ہونے مین کچھ کلام نہین تاہم اُنکی
کتاب مین غلطیان موجود ہین جنمین سے ایک فاحش غلطی مسمات اشلو کے مقدمہ مین
دریافت ہوئی — اگر بیلی صاحب کچھ زیادہ توجہ فرماکر ہر مسئلہ مین اُن کتب فقہیہ کا حوالہ
لکھ دیتے جنسے اُنھون نے مضامین یا عبارات ترجمہ کیے ہین جیسا اُنھون نے بعض مسائل مین
کیا ہے کہ اسناد نقل کر دیے ہین تو اُنکی کتاب بہت زیادہ فائدہ مند ہو جاتی —
اِس نقص کو بابو شاما چرن سرکار نے کسیقدر رفع کر دیا ہے جنکے لکچر بعض اعتبارات سے
بیلی صاحب کی شرع محمدی کے تقول ہین — بابو صاحب موصوف نے جو تمہیدین اپنے
لکچرون مین لکھی ہین وہ اُن شائقان قانون کو نہایت درجہ مفید ہین جو فقہ اسلام کو بدقت
نظر حاصل کرتے ہین — رمزی صاحب کا رسالہ ایک نہایت مفید اور حاوی مجموعہ مسائل
و احکام میراث حنفی کا ہے — فرانسیسی کتابین علم فقہ و درشرع شریف مین ایسی عمدہ ہین جنکے
سامنے انگریزی کتابین بھی گرد ہین — ڈی اوہسن صاحب کی کتاب مسمّٰی بہ ٹیبلو جنرل

ڈی لا امپاپرا وٹمان جو شاہ سویڈن کی دستگیری سے ۱۸۰۰ء مین مشتہر ہوئی تھی محققین یورپ کی
ذہانت وطباعی اور شفقت و جانکاہی کی دلیل تین ابد الآباد تک رہیگی — اِس کتاب مین نہایت
تکمل و صحیح خلاصہ شرع حنفی کا لکھا ہے جو ممالک عثمانیہ مین جاری ہے یعنی احکام دیوانی و فوجداری
و ملکی و اخلاقی موافق مسلک حنفی مجملاً و صحیح طور سے بیان کیے ہین — علاوہ ڈی اوہسن صاحب کے
پیروں — سا ٹرا — کوپری — ساٹیسی — لا ٹیل — ڈمی منزول — ڈی کاٹرای — وینسنٹ
اور اور علمای فرانسیس نے شرع محمدی پر فرانسیسی زبان مین عمدہ عمدہ کتابین تصنیف کرکے
اُس زبان کی وقعت کو بڑھا دیا ہے — اِن سب کی تصنیفات سے اِس رسالہ کی تالیف مین مجھکو
بڑی مدد ملی ہے — اِس کتاب کے مقدمات تاریخی کا حصہ ابن الاثیر کی کتاب موسوم بہ الکامل پر مبنی ہے
اور اسکا جو دلیل حصہ (یعنی وہ حصہ جسمین قضا اور فصل خصومات سے بحث کی ہے) امام فخر الدین
رازی کے المحصول اور مقدمات ابن خلدون اور شہرستانی کے ملل النحل اور ڈی اوہسن صاحب کے
ٹیبلو جنرل سے ماخوذ ہے — اصول شیعہ اثنا عشریہ شرائع الاسلام اور مفاتیح اور ارشاد علامہ اور
جامع الشتات سے لیے گئے ہین — جامع الشتات ایک عمدہ رسالہ مسائل شیعہ مین ہے جسمین وہ
مسائل لکھے ہین جو شیعون مین اُسی قدر معتبر و مستند ہین جسقدر حنفیہ مین فتاوای عالمگیری کے
مسائل ہین — علاوہ ان کتب شیعہ کے مین نے نیل المرام اور جامع عباسی اور مبسوط اور
تحریر الاحکام سے بھی استصواب کیا ہے اور احادیث شیعہ کو بحار الانوار سے نقل کیا ہے —
شرع حنفی مین مین نے فتاوای عالمگیری اور فتاوای قاضی خان اور کنز الدقائق (ترجمہ
فارسی) اور ہدایہ (ترجمہ انگریزی و فارسی) اور عنایہ اور کفایہ اور در المختار اور رد المختار ابراہیم
حلبی وغیرہ دیکھی ہین — شرع شافعی و مالکی مین کتاب الانوار — اور المحرر اور اختلافات الائمہ اور
پیرون صاحب کا ترجمہ سیدی خلیل وغیرہ دیکھے ہین — علاوہ کتب مذکورہ بالا کے مین نے
اور بہت سی کتابین بھی مطالعہ کی ہین اور اُنکے اسما کی تصریح حواشی مین کر دی ہے — مین
اُن علما کا شکریہ ادا کرتا ہون جنھون نے اس رسالہ کی تالیف مین میری اعانت کی ہے علی الخصوص

ڈاکٹر رُوسٹ صاحب اور مسٹر ای جی میکفرسن صاحب شیخ قانونی سکرٹری آف اسٹیٹ کا شکر
گذار ہون کہ انھون نے انڈیا آفس کے مشرقی اور قانونی کتب خانون کو بلا قید میرے استعمال مین
آنے دیا ۔ اِس زمانہ مین مسلمانون کے شخصی قوانین کی تکمیل کی ضرورت جسقدر مبالغہ سے ساتھ بیان
کیجائے وہ کم ہے ۔ مین خود اُس گمنام فرقہ معتزلہ سے ہون جو فلسفیت اور تشریح و تدقیق کے
اعتبار سے کسی فرقہ سے کم نہین ہے لہذا مجھکو ایک عمدہ موقع اُس ترقی خیالات کے مشاہدہ کرنیکا
حاصل ہے جو مسلمانان ہند کے اور فرقون مین ہو رہی ہے اور مین صرف دیکھ رہا ہون کہ چند برسون سے
مسلمانان ہند مین ترقی کی تحریک ہو رہی ہے ۔ تہذیب و شائستگی کی ترقی اور تازہ خیالات کے پیدا
ہونے سے وہی تاثیر مسلمانان ہند پر ہوئی ہے جو اور قومون اور فرقون پر ہوئی ہے ۔ اور نوجوان
و نوخیز اہل اسلام معتزلہ کے اعتقادات کی طرف بے اختیار مائل ہوتے جاتے ہین اور کمسن سال
مسلمان اگر شیعہ ہین تو اخباری ہوتے جاتے ہین اور اگر سنی ہین تو اُن مین وہابیت آتی جاتی ہے
مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ترقی کی تحریک اسوجہ سے ہو رہی ہے کہ دین اسلام ضعیف ہو گیا ہے بلکہ
اِسکا باعث یہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمان چاہتے ہین کہ اسلام کی طہارت و نظافت اصلی کی طرف عود
کرین اور اُن زوائد کو دور کر دین جنسے اسلام کی عظمت و جلالت مین فرق آگیا ہے ۔ مسلمانون مین
ترقی خیالات کی دلیل قطعی یہ ہے کہ اب اکثر اہل اسلام کی رای تعدد ازدواج اور غلامی و
بندہ گری اور طلاق بلا اجازت قاضی کی نسبت بدل گئی ہے اور یہ مسلم ہوتا جاتا ہے کہ
سوسائیٹی یعنے تمدن کے ابتدائے زمانہ مین چاہیے کیسی ہی ضرورت شدیدہ تعدد ازدواج کی
لاحق رہی ہو لیکن اس زمانہ مین اِس رسم کو نہایت قبیح و مذموم سمجھنا چاہیے ۔ ایسے خیالات
کی ترقی کی وجہ سے اور احکام قرآنی کے مصالح و معانی پر نظر کرنے سے مسلمانان ہند
عموماً تعدد ازدواج کو خلاف شرع سمجھتے ہین ۔ مجھکو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان
ہند کے رسوم و آئین اور شخصی قوانین مین بڑے بڑے تغیرات ہونے والے ہین ۔ مگر یہ نہین
کہہ سکتا کہ یہ تغیرات کیونکر اور کسکے ذریعہ سے وقوع مین آئینگے ۔ آیا علما و فقہاے اسلام کی

انہیں اصولِ عام کے ذریعہ سے یا وہ ان قوانین کی کارروائی کے ذریعہ سے وقوع میں آئینگے

آخر میں مسلمانانِ ہند میں ایک عجیب و غریب خیالات کا جاری ہے جو شاید غیروں کو نہیں محسوس ہوتا ہے مگر اُن لوگوں کو خوب محسوس ہو رہا ہے جو اسلام کے دائرہ کے اندر رہتے ہیں۔ لہذا ضرور ہے کہ جو لوگ بالفعل ہندوستان کے حاکم و فرمان روا ہیں وہ مسلمانوں کے قوانین پر توجہ تام فرمائیں کہ صرف یہی قوم اقوامِ ہندوستان میں من جمیع الوجوہ ہمجنس ہے — اگر یہ رسالہ مسلمانوں کے شخصی قانون کا علم شایع کرنے میں کامیاب ہو تو میں سمجھونگا کہ میری محنت سوارت ہوئی اور جسقدر زمانہ تعطیل میں نے اسکی تالیف میں صرف کیا ہے بجا صرف کیا —

بمقام رفا عام کلب ۲۰ دسمبر ۱۸۹۸ء

مقدمہ

مختلف علوم فقہ مختلف زمانوں میں مختلف قوموں میں جاری رہے ہیں اُن سب میں اسلامی علم فقہ ہمیشہ معزز و ممتاز رہا ہے۔ جب اُن حالات کا لحاظ کیا جاتا ہے جن حالات میں اسلامی علم فقہ پیدا ہوا اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کیسی کیسی دقتیں ابتدا میں اسکو پیش آئیں اور جس قوم میں اسکی تکمیل ہوئی وہ قوم کیسی تنزل و انحطاط کی حالت میں تھی تو اس علم کو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ایک نہایت عظیم الشان اختراع عقل انسانی کا ہے۔ لہذا وہ سلسلہ قوانین جسکے بانی پیغمبر اسلام ہوے ایک خاص حیثیت اُن ارباب بصیرت و اہل خبرت کی نظر میں رکھتا ہے جنکو انسان کی ترقی میں جو قوانین تمدن سے ثابت ہوتی ہے فکر و غور کرنے کا ذوق و شوق ہے —— قوانین اسلامیہ بعض وجوہ و اعتبارات ضروری سے اُن رسوم و قوانین سے مشابہت رکھتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل شیوع اسلام عرب میں جاری تھی اُس مشابہت کو غور و تامل سے دیکھنا چاہیئے کیونکہ اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم حالات تمدن میں جنکو اہل اسلام طعن کی راہ سے ایام جاہلیت کہتے ہیں اور اُس اصلاح یافتہ نظام تمدن میں جو اسلام سے پیدا ہوا کن کن باتوں میں الحاق و

اتصال رہا۔ اسی مشابہت نے بعض نکتہ چینان شرع شریف کو اسپر آمادہ کر دیا ہے کہ انھون نے شارع اسلام کو (العیاذ باللہ) سرقہ سے متہم کیا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ تہمت اُس غلط خیال پر مبنی ہے جو عرب کے نظام تمدن کی نسبت جس حیثیت سے وہ اُس زمانہ مین موجود تھا ان مخالفین اسلام کے دل مین سمایا ہوا ہے۔ جس زمانہ مین قوانین اسلامیہ شایع ہوے اُس زمانہ مین منجملہ اُن قومون کے جو جزیرہ نمائے عرب مین بود و باش رکھتی تھین صرف ایک قوم یہود معین و منضبط آئین و قوانین رکھتی تھی اور یہود کے قومی اور منضبط گروہ بت پرستان عرب کے بیچ مین رہتے تھے مگر اپنے خاص قوانین کی پابند تھے۔ خدا معلوم کتنے عرصہ سے عرب اور یہود مین تعلق تام چلا آتا تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ یہ دونون قومین ایک ہی نسل سے تھین اور ایک ہی جد اعلیٰ[1] کی ذریات تھین اسی وجہ سے اکثر یہود کے خیالات عرب کے رسوم و عادات مین شامل ہو گئے تھے۔ علی الخصوص خانگی تعلقات مین یہود کے خیالات کا نہایت قوی اثر عرب پر پڑا تھا۔ پیغمبر اسلام نے مدت العمر یہی کوشش کی کہ ایک پاک و پاکیزہ دین اور ایک صالح و لطیف نظام تمدن اپنی امت مین جاری کرین مگر تمدنی ضرورتون اور ترقی انسان کے لوازم سے ایسی چشم پوشی نہین کی کہ اُس زمانہ مین جو آئین و قوانین موجود تھے اُن سب کو باطل کر دیتے کیونکہ اگر شارع اسلام ایسا کرتے یعنی تمام رسوم و دستورات جاہلیت کو کُلّاً و قاطبۃً حرام کر دیتے تو سخت پریشانی اور بدانتظامی اور ابتری ہو جاتی شارع اسلام نے اُن رسوم و قوانین قدیم کو اصلاح پذیر سمجھکر اپنی شریعت مین جاری رکھا مگر اُن مین ایسی اصلاحین کر دین کہ ایک ترقی پذیر نظام تمدن کے موافق و مناسب اُنکو کر دیا۔ لیکن اسمین شک نہین کہ جو آثار و علامات رسوم و عادات قدیم کے اسلامی علم فقہ مین پائے جاتے ہین وہ کم و بیش چند روزہ مین جو شباہت مسلمانون کے قوانین شخصی کو عبرانیون کے قوانین ذاتی سے بعض امور مین رکھتے ہین اُسکی وجہ تو ظاہر ہے کہ یہود عرب کے ساتھ مدتون رہے ہین۔ مگر بعض امور مین جو قوانین اسلامیہ رومیون کے قوانین سے مشابہت رکھتے ہین اُسکی علت دریافت کرنا آسان نہین ہے۔ ابن خلدون نے اُسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ اثر رومیون کے علوم کا عرب کے

---

[1] یعنے حضرت ابراہیمؑ ۱۲ مترجم

خیالات پر ہوا۔ اسمین شک نہین کہ خلفاے عباسیہ کو اُن لوگون سے ہمیشہ صحبت رہی جو علوم و فنون
روم و یونان سے واقف تھے۔ پس یہ بات خلاف قیاس نہین ہے کہ ان علما و حکما کا فیض قاضیون
اور مفتیون تک پہونچا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ علوم و فنون یونان جسقدر مصر اور شام مین باقی رہ گئے
تھے انکا اثر اُن لوگون کے فقہی خیالات پر پڑا جنھون نے دوسری اور تیسری صدی ہجری مین
سینون کا علم فقہ قائم کیا۔ قانون شفعہ کے اصول اور جو باریک باریک فرق مختلف اقسام
عبدیت اور مشارکت فی الارث وغیرہ مین نکالے ہین اُنسے یہ گمان ہوتا ہے کہ اگرچہ شرع محمدی
کی بنا ملک حجاز مین قائم ہوئی مگر اسمین باریکیان اُن مقامات مین نکالی گئین جہان غیر ملکون کے
خیالات عرب کے خیالات پر حاوی ہو گئے تھے۔ تاہم از روی تاریخ یہ کہنا مشکل ہے کہ اسلامی
علم فقہ پر کچھ بھی اثر رومیون کے قوانین کا ہوا تھا۔ بلکہ سلسلۂ قوانین اسلامیہ کی کیفیت یہ
معلوم ہوتی ہے کہ اکثر احکام جو رسوم خانگی سے متعلق ہین عبرانیون کے قوانین سے مشابہت تامہ
رکھتے ہین مگر جو اصول انتظام ملکیت سے متعلق ہین اُنکو عبرانی قوانین سے بہت کم تعلق ہے اور
بعض وجوہ سے جو انکو رومیون کے اصول قوانین سے مشابہت ہو گئی ہے اسکو اتفاقی سمجھنا
چاہیے۔ قانون اسلام کا دار و مدار قرآن مجید پر ہے۔ اس کتاب مقدس مین وہ اصول
ضروریہ موجود ہین جنپر مختلف تعلقات بشری کا انتظام موقوف ہے۔ یعنی احکام دین اور
قوانین دیوانی و فوجداری جنپر مجموع اسلام کا وجود و بقا موقوف ہے سب اس کتاب مین موجود
ہین بلکہ علم سیاست مدن اور اصول تمدن کا مادہ بھی اسمین موجود ہے۔ مخالفین اسلام نے
بہت بڑا اتہام اس کتاب مین یہ نکالا ہے کہ اسکی ترتیب درست نہین ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ کتاب پیغمبر اسلام کی
حیات مین تدریجاً اور وقتاً فوقتاً نازل ہوئی یعنی وہ اصول اخلاق اور وہ احکام حلال و حرام جو اس کتاب مین بیان
کیے ہین ایک ہی وقت مین ہیئت مجموعی نہین نازل ہوے بلکہ بمقتضای حوائج وقت اور بلحاظ خاص خاص ضرورتون کے
نازل ہوئی۔ اکثر مسائل اعتقادی و شرعی جنکی تصریح قرآن مجید مین نہین ہے اُنکا استنباط احادیث
نبوی اور سیرت مصطفوی سے کیا گیا ہے۔ احادیث سے مراد وہ اقوال پیغمبر ہین جو وقتاً فوقتاً آپ نے فرمائے تھے اور

سیرت سے مراد افعال پیغمبرؐ ہین جنکی خبر ہمکو روات ثقات کے ذریعہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہونچی
چنانچہ وہ کمبخت اختلاف مذہبی جس سے مسلمانون کے دو بڑے فرقے پیدا ہوے ہین یعنی سنی اور شیعہ
اُسکا خاص باعث یہی ہوا ہے کہ مختلف احادیث کو روات کی استناد و عدم استناد کے لحاظ سے
طرح کیا ہے یا قبول کر لیا ہے۔ شارع اسلامؐ کی وفات کے عرصۂ قلیل کے بعد بعض اصحابنے
جو انکی حیات مین انکی دوستی کا دم بھرتے تھے مگر دل مین انکی اہل بیتؑ سے عداوت رکھتے تھے
یہ قاعدہ مقرر کر لیا تھا کہ جو احادیث پیغمبرؐ اُس دعوی برحق کے مُصدّق و موئیّد تھے جو اُنکے
داماد انکی خلافت و وصایت کی نسبت رکھتے تھے انکو ردّ کر دیتے تھے۔ چنانچہ جو احادیث ابوہریرہؓ
اور (حضرت) عایشہ رضؓ وغیرہ سے مروی ہین اُنسے صاف ظاہر ہے کہ اہل بیت پیغمبرؐ سے رشک و حسد
رکھتے تھے۔ لہذا پیروان اہل بیتؑ نے ایسی احادیث کو ردّ کر دیا ہے۔

جب حضرت ابوبکرؓ بعد وفات پیغمبرؐ خلیفہ منتخب ہوے تو اُنھون حکم کیا کہ آیات قرانی جمع کر کے
ایک کتاب کر لیجاے تا کہ لوگ اُنکو بھول نہ جائین مگر انکی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کام ناتمام رہا
اور خلیفۂ ثالث کے عہد خلافت مین قرآن مجید کے آیات کو مرتب کر کے ایک کتاب کر لیا۔

سُنّی اور شیعہ مین اصل امر متنازع فیہ امامت ہے اور امامت سے مراد گروہ اہل اسلام کی پیشوائی
امور دینی مین ہے۔ اِس اختلاف کا اثر بین فریقین کے مسائل فقہ مین موجود ہے۔ شیعہ حجیت
اجماع کے منکر ہین یعنی اُنکا یہ قول ہے کہ اجماع سے ایسا امام یا خلیفۂ رسولؐ نہین منتخب ہو سکتا
جو اُن حضرات کے برحق دعوے خلافت کو باطل کر دے جنکو خود پیغمبرؐ اپنا خلیفہ نامزد کر چکے تھے
مگر سنی مسئلہ خلافت مین بھی اجماع کو حجت قطعی سمجھتے ہین خواہ وہ اجماع کسی طور سے منعقد ہوا ہو
جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا اُس وقت اس مسئلہ پر صحابہ رضؓ مین بحث ہونے لگی کیونکہ کسی شخص کو
خلیفہ رسول اور پیشواے امت مقرر کرنا ضرور تھا۔ اُسوقت بنی ہاشم یعنی اقرباے پیغمبرؐ نے حجت کی
کہ منصب خلافت کے حقدار علیؑ ہین کہ خود پیغمبرؐ انکو اپنا خلیفہ علان کر چکے ہین۔ مگر دیگر قریش نے
جو ہمیشہ سے بنی ہاشم کے عدو چلے آتے تھے کہا کہ خلیفہ بذریعہ انتخاب مقرر کیا جاے۔ ادھر تو بنی ہاشم

آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین مین مصروف تھے اُدھر قریش نے ووٹ سے یعنی غلبہ آرا سے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کر لیا۔ تین سال خلافت کر کے حضرت ابوبکرؓ نے انتقال کیا اور اُنکے بعد حضرت عمر ابن الخطابؓ خلیفہ ہوے۔ اِس جلیل الشان خلیفہ کے عہد خلافت مین مسلمانون نے شام اور مصر اور فارس کو فتح کیا۔ اُنکی وفات کے بعد حضرت علیؓ کو خلافت اس شرط سے دیگئی کہ خلیفہ اوّل اور خلیفہ ثانی نے جو اصول قائم کر دیے تھے اُنکے موافق حکومت کرین۔ حضرت علیؑ نے اِس شرط پر خلافت نہین قبول کی اور فرمایا کہ جن مقدمات مین کوئی قانون یا کوئی فیصلہ پیغمبرؐ کا نہوگا جسکی پابندی فرض ہو اُنکا فیصلہ مین اپنی راے سے کرونگا۔ حضرت علیؑ کا یہ فرمانا دوسرا امر متنازع فیہ درمیان سُنّی اور شیعہ کے ہے۔ تب خلافت حضرت عثمان ابن عفانؓ کو دیگئی جنھون نے انتخاب کنندہ جماعت کی شرائط کو منظور کر لیا۔ مسائل شرعیہ مین جو اختلاف سُنّی اور شیعہ مین ہے وہ اِسی زمانہ سے ہوا ہے۔ خلیفہ ثالث کے اس بات پر راضی ہوجانے سے کہ خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کی پیروی جملہ امور مین بلا حجت و تکرار کرینگے خواہ اُن دونون صاحبون کے احکام مصالح وقت اور حوائج بشری کے مناسب و موافق ہون خواہ نہون اہل سنت کے مسائل کی ایک خاص صورت پیدا ہوگئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اِن دونون صاحبون نے اپنے اپنے عہد خلافت مین مسائل شرعیہ کی تشریح جو حضرت علیؓ نے فرمائی اسی کا لحاظ رکھا اور ہمیشہ فصل خصومات اُن معانی کے موافق کیا جو حضرت علیؓ نے احادیث کی بیان کیے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے دوسری روش اختیار کی۔ یہ خلیفہ نیک نیت مگر ضعیف العقل تھے۔ اور اپنے عزیز قریب اور سکرٹری مروان ابن الحکم کے بالکل تابع تھے۔ تھوڑی مدت خلافت کر کے اُس جماعہ غدار کے ہاتھ سے قتل ہوے جسکے سردار محمد ابن ابی بکر تھے۔ اُنکی وفات کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوے۔ اُنکے خلیفہ ہوتے کے ساتھی فریق مخالف نے دو شدید بغاوتین کین۔ ایک بغاوت جسمین سرگروہ حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ تھین بلا دقت فرو ہوگئی۔ مگر دوسری بغاوت کامیاب ہوئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی حین حیات اپنے عزیز قریب معاویہ ابن ابی سفیان کو حاکم

شام مقرر کیا تھا۔ اِس طامع شخص نے قتل عثمانؓ کو اپنے دنیاوی عظمت و ثروت کا ذریعہ قرار
دیکر خلیفۂ وقت سے بغاوت[1] کی اور یہی بغاوت اسلام مین بڑی بڑی خرابیون کا باعث ہوئی
معاویہ نے کئی متواتر لڑائیون مین شکست کھا کر پنچایت کا پیام بھیجا اور حضرت علیؓ نے اِس خیال سے
کہ مسلمانون کی اور زیادہ خونریزی نہو پنچایت قبول کرلی۔ اہل بیت پیغمبر کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری
اور معاویہ کی جانب سے عمرو ابن العاص حکم مقرر ہوے۔ عمرو ابن العاص نے ابوموسیٰ اشعری سے کہا
کہ اِن دونون خلیفون کو معزول کرکے ایک تیسرا خلیفہ منتخب کرلو تاکہ جو صدمہ عظیم مسلمانون کو
اِن دونون کے باہمی تنازعات سے پہونچا ہے وہ دفع ہوجائے۔ ابوموسیٰ نے اس راے کو
منظور کرلیا اور جب اِن دونون حکمون کی رای سننے کو لوگ جمع ہوے تو اُنہون نے علانیہ کہدیا کہ علیؓ
اور معاویہ دونون معزول کیے گئے۔ اُسکے بعد عمرو ابن العاص نے کہا کہ علیؓ کو معزول کرنے مین
اتفاق راے کرتا ہون مگر معاویہ کو خلافت پر قائم رکھتا ہون۔ اِس مکاری اور
حیلہ جوئی اور بیحیائی سے اُن لوگون کو یاس ہوگئی جو سمجھے تھے کہ اس پنچایت سے اسلام مین زیادہ
خونریزی نہونے پائیگی۔ اور عمرو ابن العاص کی اس حرکت سے بنی فاطمہ منغص ہوکر اُٹھ کھڑے ہوے
اور فریقین نے حلف کرلیا کہ قیامت تک ایک دوسرے کے عدوے جان رہینگے۔ اسکے تھوڑے
عرصہ کے بعد حضرت علیؓ اثناے نماز مین مسجد کوفہ مین شہید ہوے۔ اور اُنکے شہید ہونے سے
معاویہ کو شام اور حجاز مین اپنی حکومت کو مستحکم کرلینے کا موقع ملا۔

جبتک اِس شخص نے مسند خلافت پر قدم نہین رکھا جسکو خلفاے راشدینؓ کے زہد و تقوی نے
مقدس و متبرک بنادیا تھا اُسوقت تک فریقین نے کوئی خاص لقب نہین اختیار کیا۔ بلکہ
حضرت علیؓ کے طرفدار صرف بنی ہاشم کے لقب سے مشہور تھے۔ مگر معاویہ کے عہد خلافت مین
پیروان اہل بیتؑ کو شیعہ کہنے لگے اور جس فریق نے اصول انتخاب یعنی اجماع کو خلافت موروثی پر ترجیح
دیکر قائم رکھا تھا اُسنے اپنا نام اہل السنت والجماعت رکھ لیا۔ بنی فاطمہؑ نے اپنی علامت عمامۂ سبز رکھا

[1] بغاوت معاویہ یعنی جنگ صفین کی تاریخ ۱۱ صفر ۳۷ ہجری مطابق ۲۸ جولائی سنہ ۶۵۷ع ہے ۱۲ منہ

جو رنگ انکے جد امجد کو مرغوب تھا اور بنی امیہ نے اپنا علم لشکر سفید رکھا۔ اسوقت تک تو ان دونون
فریقون مین تنازعات خاندانی و ملکی ہی تھی کہ اب انمین اختلافات مذہبی و شرعی ایسے عظیم و شدید
پیدا ہوئے جو آجتک موجود ہین۔ شیعہ صرف اجماع ہی کو امر خلافت مین حجت نہین جانتے بلکہ جتنی
احادیث حضرت علیؑ اور انکی اولاد امجاد سے منقول نہین ہین جنھون نے پیغمبر صلعم کو دیکھا تھا اور
انکے ساتھ معاشرت کی تھی انکو باطل سمجھتے ہین۔ شیعون کا اعتقاد یہ ہے کہ اقوال نبیؐ یعنے
احادیث فی نفسہ احکام قرآنی کے تابع ہین اور احادیث کی پابندی انکی اسقدر فرض ہے جسقدر
وہ احکام قرآنی کے موافق ہین۔ لہذا جو روایات نصوص قرآنی کے خلاف ہین وہ مصنوعی
سمجھی جاتی ہین۔ اور طرح روایات چند اصول مسلمہ کے موافق کیا جاتا ہے جو قواعد منطقی اور
امور واقعی پر مبنی ہین۔ ان قواعد نے معتزلہ مین ایک خاص صورت حاصل کرلی ہے اور معتزلہ
نے ان احادیث کو حدیث صحیح کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے جو ان احکام نبیؐ کے منافی و مخالف
ہین جنکو علماء و فقہاے خاندان رسالتؐ نے بیان کیا ہے۔ برخلاف اسکے سُنی کہتے ہین کہ ہمارے
اعتقادات مسلم و مجموع احادیث پر مبنی ہین اور جن مسائل مین خلفای راشدینؓ نے اتفاق را
کیا ہے یا جنمین اجماع امت قائم ہوگیا ہے انکو احکام قرآنی اور اوامر و نواہی ربانی کا متمم اور تقریبًا
اُسی قدر معتبر و مستند سمجھتے ہین۔ اہل سنت کے اعتقاد مین احکام شرع کے ماخذ یا اصول مین من
حیث الترتیب بہت کم اختلاف ہے گو احکام شرع کی تاویل و تفسیر مین بہت اختلاف ہے
سُنیون کے فقہ کے ماخذ و مبانی یہ ہین۔ (۱) قرآن مجید۔ (۲) سنت یعنی وہ احادیث جو
پیغمبر خدا صلعم سے منقول ہین۔ (۳) اجماع امت۔ (۴) قیاس۔ حدیث (جمع احادیث) مین (الف)
تمام اقوال و ارشادات اور احکام زبانی پیغمبر صلعم کے (ب) انکے افعال و اعمال (ج) انکا سکوت جو
ضمنًا اسپر دال ہے کہ انھون نے اصحابؓ کے کسی خاص فعل کو پسند فرمایا۔ داخل ہین۔ جو قواعد
ان اصول سے مستنبط کیئے گیے ہین باعتبار مدارج اعتبار و استناد کے انمین اختلاف عظیم ہے۔
اگر وہ احادیث متواترہ ہین یعنی خوب مشہور و شایع ہوگئی ہین تو قطعی العقد اور صحیح السند سمجھی جاتی ہین۔

اگر احادیث اکثر لوگون مین مشہور ہین مگر تواتر کی حد تک نہین پہونچی ہین تو وہ احادیث مشہورہ کہلاتی ہین اور اُنکا درجہ احادیث متواترہ کے بعد ہے — اور اخبار آحاد جو خاص خاص اشخاص سے منقول ہین بہت کم وقعت و اعتبار رکھتے ہین - پس ہر ایک حدیث جو پیغمبر خدا کے معاصرین و اصحاب سے منقول ہے خواہ وہ آنحضرت سے قرابت رکھتے ہون خواہ نہ رکھتے ہون صحیح و موثق سمجھی جاتی ہے بشرطیکہ چند قیاسی شرائط جو شہادت شخصی کو جانچنے کے لیے بنائے گئے ہین پورے ہو جائین — (۳) اجماع امت سے عموماً مسلمانون کا اتفاق مراد ہے — اس لفظ مین تمام احکام اور بیانات اور تقریرات اور فیصلجات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علی الخصوص خلفای راشدین رضی کے جو انھون نے مقدمات دینی اور دیوانی و فوجداری مین فرمائے تھے داخل ہین — (۴) قیاس کے باب مین اہل سنت کے چارون فرقون مین بڑا اختلاف ہے — شیعہ کسی حدیث کو معتبر نہین سمجھتے جو اہل بیت سے نہین منقول ہے اور اہل بیت سے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین [illegible] اجماع اور اُن تمام فیصلجات کے جو اُنکے منکر ہین جو اُنکے ائمہ ہدی نے نہین کیے ہین — استنباط کے باب مین بھی انھون نے سنیون سے اختلاف عظیم کیا ہے — قبل اسکے کہ اہل سنت کے فرقون کا حال لکھا جائے کہ کیونکر پیدا ہوئے اور کیونکر ترقی کی کچھ مختصر کیفیت اُن انقلابات کی بیان کرنا ضرور ہے جو حضرت علی کے خاندان مین ہوئے کیونکہ پیروان اہل بیت کے اعتقادات اکثر اعتبارات سے اہل بیت یعنی فاطمیہ کی دنیاوی حالت سے پیدا ہوئے ہین — حضرت علی کی شہادت کے بعد اُنکے بڑے بیٹے حسن ابن علی عراق کے خلیفہ کیے گئے — وہ آرام طلب اور خاموشی پسند تھے اور مسلمانون کے مختلف فرقون کے خاندانی فسادات اور مذہبی عداوتون کو دیکھکر اُنکا دل خلافت سے سیر ہو گیا تھا پس اس منصب رفیع کو جلد ترک کر کے انھون نے گوشہ نشینی اختیار کی — مگر اُس زاویہ نشینی اور عزلت گزینی کے عالم مین بھی بنی امیہ کی عداوت نے اُس جناب کو چین نہ لینے دیا اور یزید ابن معاویہ کی تحریک سے حضرت امام حسن کو زہر دیکر شہید کیا — اُس شقی (یزید) نے جسکو خاندان امیہ کا ڈاریشین[1]

[1] یہ ایک بت پرست قیصر روم تھا جسکا ظلم و جور اور فسق و فجور تاریخ مین ضرب المثل ہے — ۱۲ مترجم

کہنا بجا ہے حضرت امام حسینؑ کو بلطائف الحیل بلاکر اپنے قابو مین کرلیا اور مع اہل بیت واصحاب
میدان کربلا مین شہید کیا - اہل بیتؑ مین سے صرف ایک نوجوان بیمار رائی قتل عام سے بچا -
اُن بزرگوار کا نام علی ابن الحسینؑ ہے اور صبر وشکیبائی اور زہد وتقوے کی وجہ سے انکا لقب
زین العابدین ہوگیا - اُنکے والد ماجد حسینؑ ابن علیؑ تھے اور مادر گرامی شہربانوؑ بنت یزدجرد
پادشاہ عجم تھین جو آخری بادشاہ خاندان ساسانی سے تھا - اِنھین بزرگوار سے نسل پیغمبر قائم رہی
اور ہمیشہ قائم رہیگی - اور ماں کی جانب سے یہ پادشاہان ساسانی کے عقد اور سلطنت ایران کے
دعویدار تھے ــــ اِس زمانہ سے بنی امیہ نے ظلم شدید اولاد پیغمبرؐ پر کرنا شروع کیا اور اولاد
ابوسفیان کے حسد اور عداوت قلبی سے انکو کہین مفر نہ ملتا تھا - عمر ابن عبدالعزیز کی خلافت مین
جو ساتوان خلیفہ بنی امیہ کا تھا بنی فاطمہؑ پر ظلم وستم مین کچھ تخفیف ہوئی مگر اُسکے مرتے کے ساتھ پھر
وہی بیداد شروع ہونے لگی - ۷۵۰ع مطابق ۱۳۲ ہجری مین ابوالعباس سفاح نے بنی امیہ کو غارت
کرکے بنی عباس کی خلافت قائم کی ــ بنی فاطمہؑ کا احترام لوگ اِسقدر کرتے تھے اور اُنسے ایسی
محبت رکھتے تھے کہ بنی عباس کو ناگوار گذرتا تھا اور اِس حیلہ سے وہ بنی فاطمہ کو ستاتے رہتے تھے اور انواع
واقسام کے ظلم اُنپر کرتے تھے - چنانچہ عبداللہ المامون کے عہد خلافت تک یہی سلسلہ ظلم وجور کا
اولاد پیغمبرؐ پر جاری رہا - یہ خلیفہ خاندان عباسیہ مین گل سرسبد تھا اور جب یہ تخت خلافت پر
متمکن ہوا تو اِسنے چاہا کہ بنی فاطمہؑ کو مسند خلافت پر بٹھائے - لہذا اسنے حضرت امام علیؑ ابن
موسی الرضا کو جو بنی فاطمہؑ مین آٹھوین امام تھے اپنا جانشین نامزد کیا اور اپنی بہن امّ الفضل کو
اُنکے حبالۂ عقد مین دیا - اِس خلیفہ نے سیاہ رنگ کو جو عباسیہ کا تمغہ تھا ترک کرکے سبز رنگ اختیار
کیا جو بنی فاطمہؑ کی علامت تھی ــــ مامون الرشید نے معتزلہ کے اعتقادات اختیار کیے کہ معقول پسند
فرقہ مسلمانون مین یہی ہے اور اُنکے اعتقادات کو تمام ممالک محروسہ مین جاری کرنا چاہا مگر رعایا کی
تعصب ونفسانیت سے اُسکا کچھ بس نہ چلا - امام علی ابن موسی الرضاؑ کو عباسیہ نے طیش
مین آکر زہر دیدیا اور سبز رنگ کو ترک کرکے پھر سیاہ رنگ اختیار کیا جو بنی عباس کی علامت تھی

المامون

مامون نے جو رعایت بنی فاطمہؑ سے کی تھی وہی سلوک اسکے بعد دو خلیفون نے یعنے معتصم باللہ اور واثق باللہ نے اُنکے ساتھ کیا۔ مگر متوکّل علی اللہ کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی بنی فاطمہؑ پر پھر ظلم شدید ہونے لگا اور اُسکے تمام عہد خلافت مین پندرہ برس تک ظلم و جور اور فسق و فجور کا بازار گرم رہا۔ متوکّل کے بعد اُسکا بیٹا مستنصر باللہ خلیفہ ہوا جسنے بمجرد خلیفہ ہونے کے حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کی قبر منوّر کو جسے اُسکے باپ متوکّل نے کھدوا ڈالا تھا دوبارہ تعمیر کرایا اور اُن مشاہد مقدسہ کے اعظام و احترام کو دوبارہ قائم کیا۔ اِس خلیفہ کی عقل و دانش کا تتبّع اِسکے بعد کے خلفا نے فی الجملہ کیا اور شیعون سے کسیقدر رعایت کی ۳۳۴ ہجری (۹۴۵ع) مین معزّ الدّولہ دیلمی جو خاندان بُویہ سے تھا دار الخلافت بغداد مین کوتوال مقرر ہوا وہ بڑا شیعہ غالی اور دوستدار بنی فاطمہؑ کا تھا اور اُسنے چاہا کہ مطیع للہ خلیفۂ عباسی کو معزول کرکے کسی شخص کو اولاد علیؑ مین سے مسند خلافت پر بٹھلا دے۔ مگر مصالح وقت کو دیکھکر اِس ارادہ سے باز رہا۔ معزّ الدّولہ نے یوم عاشورا بھی مقرر کیا یعنی وہ روز ماتم جس روز حضرت امام حسینؑ مع اہل بیت و انصار میدان کربلا مین شہید ہوئے تھے۔ ۶۴۵ ہجری (۱۲۴۷ع) مین بعہد خلافت معتصم باللہ شیعون پر پھر ظلم شدید شروع ہوا جسکے نتائج اسلامی تہذیب و شائستگی کے حق مین سمّ قاتل ہوئے اور مغربی ایشیا کے لوگ سب کے سب تباہ و برباد ہوگئے۔ اِس ضعیف العقل خلیفہ نے اُن خوارج اور دشمنان اہل بیتؑ کے منافقانہ مشورہ پر عمل کرکے جو اُسکے دربار مین حاضر رہتے تھے سب کے سب شیعہ مردون کے قتل عام کا حکم دیدیا۔ ایک ہولناک منشور سلطانی کے ذریعہ سے جسکا مثل و نظیر مذہبی ظلم و تعدی کی تاریخ مین کہین نہین ہے اُسنے اہل حق کو اجازت دیدی کہ شیعون کے مال و اسباب کو لوٹ لو اور اُنکے مکانات کو منہدم کرو اور اُنکی کھیتون کو غارت کردو اور اُنکی عورتون اور بچون کو لونڈی اور غلام بنا ڈالو معتصم کی اِس شقاوت کا انتقام چنگیز خان کے پوتے ہلاگو قاآن نے لیا جو فوج کثیر لیکر بغداد پر چڑھ آیا اور تین روز تک اُس کمبخت شہر کو تاخت و تاراج کیا۔ تیسرے دن یہ سینتیسوان خلیفہ خاندان عباسیہ سے بڑی ذلت و خواری سے قتل کیا گیا اور خاندان عباسیہ کا کام تمام ہوا۔ چونکہ شیعون پر وقتاً فوقتاً ظلم و جور ہوتا رہا

اور انکے امام اخرالزمان تقدرت خدا سے غائب ہوگئے لہذا انکو یہ اعتقاد پیدا ہوا کہ اگرچہ امام زمان غائب ہین مگر اتبک زندہ ہین اور جلد ظہور فرما کر مظلومون کا انتقام ظالمون سے لینگے اور اہل حق اہل باطل پر غالب آئینگے ـــ کچھ اس اعتقاد کی وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ شیعون پر ہمیشہ اور ہر زمانہ مین تنگی اور سختی ہوئی ہے شیعون نے دنیاوی حکومت کو دینی حکومت سے بالکل علیحدہ کرلیا ہے اور شیعون کے ملک مین امور دین کا انتظام ملکی انتظامات سے بالکل جداگانہ ہے ـــ اگرچہ شیعہ بادشاہ مجتہدین کے قول کو مانتا ہے مگر انکو مجتہد سمجھکر انکے حکم کو نہین مانتا بلکہ یہ جانکر تسلیم کرتا ہے کہ یہ نائب امام زمان ہین پس انکی رائے کو دنیاوی معاملات مین مان لینا لازم ہے ـــ جبتک سلاطین صفویہ نے مذہب شیعہ کو فروغ دیکر فارس مین علی العموم نہین جاری کردیا اُسوقت تک یہ مذہب ایک ظلم رسیدہ ستم دیدہ اور مقہور و مغلوب فرقہ کا دین رہا ـــ اس حکومت دینی اور حکومت دنیوی کے علیحدہ علیحدہ ہوجانے کا نتیجہ مسئلہ مال لاوارث سے خوب ظاہر ہے ـــ شیعون کے نزدیک لاوارث کا مال بیت المال مین نہین جاسکتا ـــ بیت المال [illegible] سے شیعہ بیزار ہین ـــ جب کوئی شخص لاوارث مرجائے یعنے کوئی اُسکا وارث نہو [illegible] تو اُسکا مال امام زمان کو ملیگا اور غیبت امام مین نائب امام یعنی مجتہد کو ملیگا جو اُسکو اُس شہر کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیگا جس شہر کا باشندہ وہ شخص تھا جو لاوارث اور بلا وصیت مرگیا ہے ـــ

شیعون کے کئی فرقے ہین ـ مثلاً اثنا عشریہ یا امامیہ جو بارہ امامون کو مانتے ہین ـــ اسمعیلیہ یعنی پیروان اسمٰعیل ابن جعفر صادق امام ششم ـــ زیدیہ یعنی پیروان زید شہید ابن علی ابن الحسین ـــ باطنیہ وغیرہ ـــ ان فرقون کے اعتقادات مین اختلاف ہے مسائل شرعی مین چندان اختلاف نہین ہے ـــ فرقہ معتزلہ جسکو شہرستانی و دیگر مورخین نے ایک شعبہ فرقہ

سلہ جامع الشتات کتاب الموارث ملاحظہ ہو ۱۲ منہ ۵۳ سادات علوی اور سادات فاطمی کے مختلف شعبے بلقب امیر یا امام یا شریف یا خلیفہ مختلف ممالک اسلامیہ مین حکمران و فرمانروا رہے ہین ـــ مثلاً مکہ معظمہ مین بنی قتیدہ کی

شیعہ کا قرار دیا ہے اپنی اصل ماخذ سے اہم مسائل مین اختلاف رکھتا ہے۔ اس معقول پسند فرقہ کا پیدا ہونا تاریخ اسلام مین ایک نہایت دلچسپ واقعہ ہے۔ یہ فرقہ اسطرح سے پیدا ہوا کہ واصل ابن عطا نے جو امام اعظم ابو حنیفہ کا ہمعصر تھا حسن بصری کے مسلک سے روگردانی کرکے ایک نیا طریقہ اختیار کیا۔ حسن بصری فلاسفہ اہل بیت کا تعلیم یافتہ اور تربیت کردہ تھا اور اسکے آزادانہ خیالات سے اُس زمانہ کے تنگ و تاریک خیالات کو کچھ نسبت نہ تھی۔ واصل ابن عطا بھی اُسی سرچشمہ علم و فضل (یعنی اہل بیتؑ) سے سیراب ہوا تھا مگر اُسنے جبر و اختیار کے مسئلہ مین حسن بصری سے اختلاف کرکے اپنا ایک نیا فرقہ قائم کر لیا۔ اُسکے پیروان خاص نے باین وجہ کہ اُنکا مسلک مذہب عامہ خلائق کے خلاف تھا اپنا نام معتزلہ یا اہل الاعتزال رکھ لیا جسکا ترجمہ انگریزی مین لفظ پراٹسٹنٹ سے ہو سکتا ہے۔ واصل ابن عطا نے جلد ان اصول کو شایع کیا جنمین اُسنے دیگر فرق اسلامیہ سے اختلاف کیا تھا۔ اُسکی درشت مزاجی اکثر اسکا باعث ہوئی کہ اُس زمانہ مین جو لوگون کی عقل پر ظلم ہو رہا تھا اُسکے دفع کرنے مین اُسنے جادہ اعتدال سے باہر قدم رکھا۔ مگر اُسکا فلسفہ اور اُسکے فقہ چونکہ ہر قسم کے فلسفہ اور فقہ سے زیادہ تر موافق عقل سلیم تھی لہذا ذکیا اور اہل علم کا مجمع اُسکی طرف ہو گیا۔ علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف۔ امام ابو الحسن علی المسعودی جنکو ابن خلکان نے امام اور مورخ اور علامہ لکھا ہے۔ اور روضۃ الصفا اور حبیب السیر کے مصنف۔ یہ سب علما معتزلی ہین۔ اسمین کچھ شک نہین ہے کہ معتدل آراے معتزلہ کے اعتقادات حضرت علیؑ اور اہل بیت کے اعتقادات ہین کیونکہ بنی فاطمہؑ کا طریق

موسی و بنی قتادہ۔ اور شمال یمن مین بنی طباطبا۔ اور جنوب یمن مین بنی زیاد۔ اور مراکش مین بنی ادریس اور مصر اور شمالی افریقہ مین بنی فاطمہ۔ شیعون کے خلفای راشدین یعنی ائمہ اثنا عشر حسب ترتیب ذیل ہین۔ (۱) علی ابن ابی طالب (امیر المومنین۔ سنہ ۳۵ھ ۶۵۶ع) (۲) حسن ابن علی (المجتبی۔ سنہ ۴۹ھ ۶۶۹ع) (۳) حسین ابن علی (الشہید بکربلا سنہ ۶۱ھ ۶۸۰ع) (۴) علی ابن الحسین۔ (زین العابدین سنہ ۹۴ھ ۷۱۲ع) (۵) محمد ابن علی (الباقر سنہ ۱۱۴ھ ۷۳۲ع) (۶) جعفر ابن محمد (الصادق سنہ ۱۴۸ھ ۷۶۵ع) (۷) موسی ابن جعفر (الکاظم سنہ ۱۸۳ھ ۷۹۹ع) (۸) علی ابن موسی الرضا (سنہ ۲۰۳ھ ۸۱۸ع) (۹) محمد ابن علی (التقی سنہ ۲۰۳ھ ۸۱۹ع) (۱۰) علی ابن محمد (النقی سنہ ۲۲۰ھ ۸۳۵ع) (۱۱) حسن

مشابہت تامہ اُس مسلک سے رکھتا ہے جسکا بانی واصل ابن عطا ہوا اور جسکی اصلاح علامہ زمخشری
کی — یہ بات مشہور ہے کہ سر آمد علماء معتزلہ یا خود بنی فاطمہ تھے یا بنی فاطمہ کے تعلیم یافتہ تھے
معتزلہ کا قول یہ ہے کہ عدل انسان کے افعال کا محرک قوی ہے اور عدل اُسکا نام ہے کہ جن
باتوں کا حکم عقل کرتی ہے اُنکو عمل میں لانا — وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان کے افعال کے بابمیں
کوئی قانون ازلی اور غیر متغیر نہیں ہے - اور احکام ربانی جو انسان کے کردار سے متعلق ہیں شخصی
یا مجموعی کمال نفسانی کا نتیجہ ہے اور اوامر و نواہی جو انسان پر صادر ہوے ہیں اور وعدہ و
وعید جو انسان سے کیا گیا ہے ہمیشہ انسان کی ترقی کے موافق کیا گیا ہے اور قانون شرع ہمیشہ
کمال نفسانی کا ہمپلہ و ہمعنان رہا ہے — اہل الاعتزال کے اعتقادات کو مامون الرشید نے
بھی قبول کر لیا اور اُسکے بعد دو خلیفوں نے فلسفۂ معتزلہ کو تمام ممالک اسلامیہ میں جاری کرنے کی
کوشش کی مگر اسلام کی بدنصیبی سے ان خلفائے عباسیہ کی کوشش بھی دین رائج کے مقابل میں
کارگر نہوئی اور متوکل علی اللہ کے عہد خلافت میں دین اسلاف نے ایسا غلبہ پکڑ لیا کہ آخر کار
زوال و فناے خلافت کا باعث ہوا —

ہندوستان کے شیعہ اکثر اثنا عشریہ یا امامیہ ہیں — بمبئی میں خوجے اسمعیلیہ ہیں مگر اُنکی
تعداد ایسی قلیل ہے کہ اُنکے مسائل کی تحقیق کرنا کچھ ضرور نہیں ہے خصوصًا جب یہ دیکھا جاتا ہے
کہ مسائل شرعیہ میں وہ عمومًا اثنا عشریہ سے متفق الرای ہیں — پھر اثنا عشریہ کے دو شعبے ہیں —
اصولی اور اخباری — اصولی وہ ہیں جو اجتہاد کے قائل ہیں یعنے چند اصول تاویل کی پابندی
جنکو مجتہدین نے مقرر کر دیا ہے — اخباری وہ ہیں جو مجتہدین کی تقلید نہیں کرتے الا اُنکے اُن

العسکری (ولادت ۲۳۲ھ وفات ۲۶۰ھ) - (۱۲) محمد ابن الحسن الحجۃ القائم المنتظر المہدی (ولادت ۲۵۵ھ و غیبت ۲۶۰ھ) — ۱۲ منہ

سلہ پہلا خطبہ نہج البلاغت کا باب جبر و اختیار بحار الانوار و دیگر کتب احادیث شیعہ میں ملاحظہ
ہوں ۱۲ منہ سلہ شہرستانی کے ملل النحل صفحہ ۳۰ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ — سلہ شہرستانی کے ملل النحل
اور تاریخ ابن خلدون ملاحظہ ہو ۱۲ منہ —

فتوے موافقِ عقل و قیاس ہو — اخباری[1] ہر ایک مسئلہ شرعی مین قیاس کے قائل ہین اور اس اعتبار سے اہل سنت سے متفق ہین جیسا آیندہ عرض کیا جائیگا اور احکام شرع کے استخراج و استنباط مین معتزلہ سے مشابہت تامہ رکھتے ہین —

شیعون کی فقہ از روی تواریخ فقہ حنفی پر تقدم زمانی رکھتی ہے جیسا کہ مابعد مین ثابت کیا گیا۔ اسواسطے کہ سب سے پہلے فرقہ اہل سنت کے بانی امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ ہوے (۶۹۹ع — ۷۶۷ع) یہ فقیہ اہل سنت تیسری صدی مین بعہد خلافت عبد الملک ابن مروان پیدا ہوے اور شیعون کی فقہ مین تعلیم پائی تھی یعنے حضرت امام جعفر صادق سے تحصیل کی تھی (جو مشہور ترین علماے اہل بیت اور ائمہ اثنا عشر مین چھٹے امام ہین) اور ابو عبد اللہ ابن المبارک اور حماد بن سلیمان سے علم حدیث سیکھا تھا — چنانچہ امام اعظم (ابو حنیفہ) اکثر شیعون کے امام (جعفر صادق ع) کے اقوال کو سنداً نقل کرتے ہین — جب امام ابو حنیفہ نے اپنے وطن اصلی کوفہ مین مراجعت کی تو بظاہر دوستدار اہل بیت اور طرفدار اولاد علی کے رہے مگر شیعون کی فقہ سے بالکل عدول کر کے ایک نئی فقہ اپنی بنائی اور اکثر اہم مسائل مین شیعون سے اختلاف کیا۔ تاہم اُنکے مسلک (مسلک حنفی) اور شیعون کے اقوال مین ایسی مشابہت تامہ ہے کہ اسمین مطلق شک و شبہہ کی گنجائش نہین ہے کہ اُنکے طریق کا ماخذ کیا تھا۔ استخراج مسائل شرعیہ مین قیاس کو اُنھون نے اسقدر دخل دیا ہے کہ اُنکے اقوال مین علماے اہل بیت کے احکام کا عکس معلوم ہوتا ہے —

امام ابو حنیفہ کے اقوال کو اچھی طرح سمجھنے سے شیعون کے مسائل بخوبی سمجھ مین آسکتے ہین۔ امام اعظم نے سنہ ۱۵۰ ہجری مین وفات کی — جس مسلک کے وہ بانی ہوے اُسکو حنفی کہتے ہین — اور یہی مسلک اکثر مسلمانان ہند اور افاغنہ اور ترکمان اور تقریباً کل وسط ایشیا کے مسلمانون مین

---

[1] شاید یہ قول جناب مصنف کا صحیح نہین ہے کیونکہ اخباری قیاس کی بالکل منکر ہین البتہ اصولی اُسکے کچھ قائل ہین اور اگر مشابہت ہے تو اصولی اور حنفی مین ہے نہ یہ کہ اخباری اور حنفی مین ہو ۱۲ مترجم ◆

فتوے موافقِ عقل و قیاس ہو — اخباری[1] ہر ایک مسئلہ شرعی مین قیاس کے قائل ہین اور اس اعتبار سے اہل سنت سے متفق ہین جیسا آیندہ عرض کیا جائیگا اور احکام شرع کے استخراج و استنباط مین معتزلہ سے مشابہت تامہ رکھتے ہین —

شیعون کی فقہ از روی تواریخ فقہ حنفی پر تقدم زمانی رکھتی ہے جیسا مابعد مین ثابت کیا گیا — اسواسطے کہ سب سے پہلے فرقہ اہل سنت کے بانی امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت رضو ہوے (سنہ ۹۹ھ ع — سنہ ۷۶۷ء ع) یہ فقیہ اہل سنت تھیری مین بعہد خلافت عبدالملک ابن مروان پیدا ہوے تھے اور شیعون کی فقہ مین تعلیم پائی تھی یعنے حضرت امام جعفر صادق سے فقہ حاصل کی تھی (جو مشہور ترین علماے اہل بیت اور ائمہ اثنا عشر مین چھٹے امام ہین) اور ابو عبداللہ ابن المبارک اور حماد ابن سلیمان سے علم حدیث سیکھا تھا — چنانچہ امام اعظم (ابوحنیفہ) اکثر شیعون کے امام (جعفر صادق ع) کے اقوال کو سند انقل کرتے ہین — جب امام ابوحنیفہ نے اپنے وطن اصلی کوفہ مین مراجعت کی تو بہ ظاہر دوستدار اہل بیت اور طرفدار اولاد علی کے رہے مگر شیعون کی فقہ سے بالکل عدول کر کے ایک نئی فقہ اپنی بنائی اور اکثر اہم مسائل مین شیعون سے اختلاف کیا — تاہم انکے مسلک (مسلک حنفی) اور شیعون کے اقوال مین ایسی مشابہت تامہ ہے کہ اسمین مطلق شک و شبہہ کی گنجایش نہین ہے کہ انکے طریق کا ماخذ کیا تھا — استخراج مسائل شرعیہ مین قیاس کو انھون نے اسقدر دخل دیا ہے کہ انکے اقوال مین علماے اہل بیت کے احکام کا عکس معلوم ہوتا ہے —

امام ابوحنیفہ کے اقوال کو اچھی طرح سمجھنے سے شیعون کے مسائل بخوبی سمجھ مین آسکتے ہین — امام اعظم نے سنہ ۱۵۰ ہجری مین وفات کی — جس مسلک کے وہ بانی ہوے اسکو حنفی کہتے ہین — اور یہی مسلک اکثر مسلمانان ہند اور افاغنہ اور ترکمان اور تقریباً کل وسط ایشیا کے مسلمانون مین

---

[1] شاید یہ قول جناب مصنف کا صحیح نہین ہے کیونکہ اخباری قیاس کی بالکل منکر ہین البتہ اصولی اسکے کچھ قائل ہین اور اگر مشابہت ہے تو اصولی اور حنفی مین ہے نہ یہ کہ اخباری اور حنفی مین ہو ۱۲ مترجم ؁

خلیفۂ وقت سے باغی کردین حاکم وقت کو اُنکے خلاف کردیا۔ اُنھون نے سنہ ۲۴۱ ہجری مین انتقال کیا اور بہت مقدس او متبرک عالم مشہور ہوے۔ ماموں الرشید نے جو معتزلہ کے اعتقادات کو تمام ممالک محروسہ مین جاری کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہوا تو اس ناکامی کے مواخذہ دار احمد ابن حنبل ہے اور اُنکا مسلک رہا جسکی بنا ر تقلید اسلاف پر ہے اور اُس ظلم و تعدی مذہبی کے ذمہ دار بھی وہی ہین جس سے ہزارہا مسلمانون کی خونریزی ہوئی ۔

پس اہل سنت مین بانیان مذاہب اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل ہین ۔ اصول اعتقادات تو ان سب کے ایک ہین مگر قیاس کی حجت شرعی ہونے کے باب مین اور قرآن مجید کی تفسیر مین اِن سب مین اختلاف ہے ۔

امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد ابن حنبل قیاس کو مسائل شرعیہ کے استخراج مین بالکل دخل نہین دیتے بلکہ بالکل سنت کے تابع ہین۔ وہ نتائج قیاسی کے جواز کے قائل نہین ہین اور نہ احکام شرع کے معنی ایسے لگاتے ہین کہ حکم شرع ہر ایک مقدمہ خاص کے حالات مخصوصہ کے مناسب و موافق ہو جاے ۔ اسی وجہ سے اُنکے مقلدین کو اہل الحدیث کہتے ہین خود پیغمبر خدا نے قیاس پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اُنکی اولاد امجاد نے قیاس کی سخت پابندی کی ہے اسی وجہ سے اہل بیت (بنی فاطمہ) کے احکام مین ایک آزادی اور قدر اُنکی پیدا ہوگئی تھی جسکا اثر نیک امام ابو حنیفہ کے نفس پر ہوا ۔ امام ابو حنیفہ رح اور اُنکے شاگردون نے جو قیاس پر عمل کرنیکی تاکید فرمائی ہے وہ فتاواے عالمگیری کی چند عبارتون[۱] سے ظاہر ہے ۔ امام ابو حنیفہ کے اتباع اہل الراے والقیاس کہلاتے ہین ۔

مقدمہ

جو اصلاحین شارع اسلام نے فرمائین اُنسے ترقی نمایان عورتون کی حالت مین ہوئی ۔ عرب مین بھی اور اُن ہیودمین بھی جو جزیرہ نماے عرب مین سکونت پذیر تھے عورتون کی حالت بہت

سلہ شہرستانی کے ملل النحل و تاریخ ابن خلدون ملاحظہ ہو۔ ۱۲ منہ ۔ [۱] فتاواے عالمگیری جلد ۳ ۔ صفحہ ۳۱۳

خلیفۂ وقت سے باغی کردین حاکم وقت کو اُنکے خلاف کر دیا۔ اُنھون نے سنہ ۲۴۱ ہجری مین انتقال کیا
اور بہت مقدس اور متبحر عالم مشہور ہوے۔ مامون الرشید نے جو معتزلہ کے اعتقادات کو تمام
ممالک محروسہ مین جاری کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہوا تو اس ناکامی کے مواخذہ دار احمد
ابن حنبل رہے اور اُنکا مسلک رہا جسکی بنا ر تقلید اسلاف پر ہے اور اُس ظلم و تعدیِ مذہبی کے
ذمہ دار بھی وہی ہین جس سے ہزارہا مسلمانون کی خونریزی ہوئی۔

پس اہل سنت مین بانیانِ مذاہب اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی
اور امام احمد ابن حنبل ہین۔ اصول اعتقادات تو ان سب کے ایک ہین مگر قیاس کی حجت
شرعی ہونے کے باب مین اور قرآن مجید کی تفسیر مین اِن سب مین اختلاف ہے۔

امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد ابن حنبل قیاس کو مسائل شرعیہ کے استخراج مین
بالکل دخل نہین دیتے بلکہ بالکل سنت کے تابع ہین۔ وہ نتائج قیاسی کے جواز کے قائل نہین ہین
اور نہ احکام شرع کے معنی ایسے لگاتے ہین کہ حکم شرع ہر ایک مقدمہ خاص کے حالات
مخصوصہ کے مناسب و موافق ہو جاسکے۔ اسی وجہ سے اُنکے مقلدین کو اہل الحدیث کہتے ہین
خود پیغمبر خدا نے قیاس پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اُنکی اولاد امجاد نے قیاس کی سخت
پابندی کی ہے اسی وجہ سے اہل بیت (بنی فاطمہ) کے احکام مین ایک آزادی اور قدر اُنکی پیدا
ہو گئی تھی جسکا اثر نیک امام ابو حنیفہ کے نفس پر ہوا۔ امام ابو حنیفہ رح اور اُنکے شاگردون نے
جو قیاس پر عمل کرنیکی تاکید فرمائی ہے وہ فتاواے عالمگیری کی چند عبارتون[۱] سے ظاہر ہے۔
امام ابو حنیفہ کے اتباع اہل الراے والقیاس کہلاتے ہین۔

مقدمہ

جو اصلاحین شارع اسلام نے فرمائین اُنسے ترقی نمایان عورتون کی حالت مین ہوئی۔
عرب مین بھی اور اُن ہی دمین بھی جو جزیرہ نماے عرب مین سکونت پذیر تھے عورتون کی حالت بہت

---

[۱] شہرستانی کے ملل النحل و تاریخ ابن خلدون ملاحظہ ہو۔ ۱۲ منہ [۱] فتاواے عالمگیری جلد ۳۔ صفحہ ۳۱۳

بھائیون کے ساتھ مان باپ کے ترکہ مین حصہ پاتی ہے اور اگرچہ بیٹے اور بیٹی کے حصہ مین فرق ہے
مگر یہ فرق بھائی اور بہن کے حالات کا منصفانہ لحاظ کرکے رکھا گیا ہے - شادی کے بعد بھی اُسکے
تشخص مین کچھ فرق نہین آتا - اور وہ ایک جداگانہ ممبر یعنی شریک سوسائٹی کی باقی رہتی ہے
اور اسکا وجود اُسکے شوہر کے وجود کے ساتھ آمیختہ نہین ہو جاتا (جیسا انگریزون کا مقولہ ہے) اُسکا
مال اُسکے شوہر کا مال نہین ہو جاتا بلکہ اُسکا مال اُسی کا رہتا ہے اور وہ ایک ذاتی حق اپنی
ملکیت مین رکھتی ہے - وہ اپنے قرضدارون پر علانیہ عدالت مین نالش کرسکتی ہے اور
کسی ولی کو شریک کرنے یا اپنے شوہر کے نام سے نالش کرنے کی ضرورت نہین رکھتی - جب وہ
اپنے باپ کے گھر سے اپنے شوہر کے مکان مین جا سکتی ہے تب بھی اُسکو سب حقوق شرعی
وہی حاصل رہتے ہین جو مردون کو حاصل ہین - تمام مواجب و حقوق جو ایک عورت
اور زوجہ کو حاصل ہونی چاہئین اُسکو صرف مروت و اخلاق کے رو سے نہین حاصل ہین
جسکا کچھ اعتبار نہین ہے بلکہ نص قرانی کے بموجب حاصل ہین - وہ اپنی جائداد کو بلا اجازت
شوہر منتقل کرسکتی ہے اور وصیت کرسکتی ہے - وہ اورون کی جائداد کی منتظمہ اور وصیہ
مقرر ہو سکتی ہے اور اوقاف کی متولیہ بھی مقرر ہو سکتی ہے -

مسلمانون مین نکاح ایک معاہدہ ہے جسمین کسی ملا کے ہونے یا کسی رسم مذہبی کے بجالانے کی
ضرورت نہین ہے مگر معاہدۂ نکاح سے مرد کو عورت کی ذات پر اُس سے زیادہ اختیار نہین حاصل
ہو جاتا جتنا شرع مین لکھا ہے اور اُسکے مال و اسباب پر تو مطلق اختیار نہین حاصل ہوتا -
زوجہ مسلمہ اپنے شوہر کے گھر مین اُن سب حقوق پر قابض رہتی ہے جو شارع نے
اُسکو بطور ایک ذمہ دار ممبر یعنی شریک سوسائٹی کے عطا فرمائے ہین - اُسپر جداگانہ اور
بلا شرکت غیر نالش ہو سکتی ہے - وہ بلا واسطہ امین یا ولی جائداد لے سکتی ہے اور ایک
خاص حق اپنے شوہر کی جائداد مین رکھتی ہے جو قبل وقوع نکاح طے ہو جاتا ہے - اُسکے
حقوق مادری کا تسلیم ہونا خاص خلفون یا قاضیون کی نازک مزاجی پر موقوف نہین ہے

بھائیون کے ساتھ مان باپ کے ترکہ مین حصہ پاتی ہے اور اگرچہ بیٹے اور بیٹی کے حصہ مین فرق ہے
مگر یہ فرق بھائی اور بہن کے حالات کا منصفانہ لحاظ کرکے رکھا گیا ہے - شادی کے بعد بھی اُسکے
تشخص مین کچھ فرق نہین آتا - اور وہ ایک جداگانہ ممبر یعنی شریک سوسائٹی کی باقی رہتی ہے
اور اسکا وجود اُسکے شوہر کے وجود کے ساتھ آمیختہ نہین ہوجاتا (جیسا انگریزون کا مقولہ ہے) اُسکا
مال اُسکے شوہر کا مال نہین ہوجاتا بلکہ اُسکا مال اُسی کا رہتا ہے اور وہ ایک ذاتی حق اپنی
ملکیت مین رکھتی ہے - وہ اپنے قرضدارون پر علانیہ عدالت مین نالش کرسکتی ہے اور
کسی ولی کو شریک کرنے یا اپنے شوہر کے نام سے نالش کرنے کی ضرورت نہین رکھتی - جب وہ
اپنے باپ کے گھر سے اپنے شوہر کے مکان مین جاسکتی ہے تب بھی اُسکو سب حقوق شرعی
وہی حاصل رہتے ہین جو مردون کو حاصل ہین - تمام مواجب و حقوق جو ایک عورت
اور زوجہ کو حاصل ہونی چاہئین اُسکو صرف مروت و اخلاق کے رو سے نہین حاصل ہین
جسکا کچھ اعتبار نہین ہے بلکہ نص قرانی کے بموجب حاصل ہین - وہ اپنی جائداد کو بلا اجازت
شوہر منتقل کرسکتی ہے اور وصیت کرسکتی ہے - وہ اورون کی جائداد کی منتظمہ اور وصیہ
مقرر ہوسکتی ہے اور اوقاف کی متولیہ بھی مقرر ہوسکتی ہے -

مسلمانون مین نکاح ایک معاہدہ ہے جسمین کسی مُلا کے ہونے یا کسی رسم مذہبی کے بجالانے کی
ضرورت نہین ہے مگر معاہدۂ نکاح سے مرد کو عورت کی ذات پر اُس سے زیادہ اختیار نہین حاصل
ہوجاتا جتنا شرع مین لکھا ہے اور اُسکے مال و اسباب پر تو مطلق اختیار نہین حاصل ہوتا -
زوجہ مسلمہ اپنے شوہر کے گھر مین اُن سب حقوق پر قابض رہتی ہے جو شارع م نے
اُسکو بطور ایک ذمہ دار ممبر یعنی شریک سوسائٹی کے عطا فرمائے ہین - اُسپر جداگانہ اور
بلا شرکت غیر نالش ہوسکتی ہے - وہ بلا واسطۂ امین یا ولی جائداد لے سکتی ہے اور ایک
خاص حق اپنے شوہر کی جائداد مین رکھتی ہے جو قبل وقوع نکاح طے ہوجاتا ہے - اُسکے
حقوق مادری کا تسلیم ہونا خاص خلم حجون یا قاضیون کی نازک مزاجی پر موقوف نہین ہے

مقرر کی۔ اخیر زمانہ مین یہود کی تالمود۔ (کتاب حدیث وفقہ یہود) مین ازواج کی تعداد شوہر کی استطاعت پر موقوف رکھی گئی ہے کہ جتنی بیبیون کو نان و نفقہ مناسب دینے کا مقدور[۱] رکھتا ہو کرسکتا ہے۔ اور اگرچہ ربانیین (علماے یہود) نے نصیحت کی ہے کہ ایک بی بی سے زیادہ نہ کرنا چاہیے لکن فرقہ قراطیہ نے اُنسے اختلاف راے کرکے ازواج کی تعداد مقرر کرنے کے جواز کو نہین تسلیم کیا ہے۔ زمانہ سلف مین اہل اتھنس[۲] سے زیادہ تو کوئی قوم مہذب و شائستہ اور صاحب عقل و ہنر نہ تھی اُنمین بھی زوجہ ایک مال تجارت قابل الانتقال و لائق بیع سمجھی جاتی تھی اور وصیت کے ذریعہ سے بھی اُسکا انتقال ہوسکتا تھا۔ اور زوجہ ایک بلا سمجھی جاتی تھی جسکا ہونا انتظام خانہ داری اور افزونی نسل کے لیے ضرور تھا۔ ہر باشندہ اتھنس اسکا مجاز تھا کہ جتنی بیبیان چاہے کرے یہانتک کہ دُماستھنیز مورخ جلیل یونانی نے بفخر و مباہات لکھا ہے کہ ہماری قوم مین تین قسم کی عورتین ہین اُنمین[۳] سے ہر قسم کی عورتین شرعی یا نیم شرعی بیبیان ہوسکتی ہین۔ رومیون مین بھی تعدد ازدواج کا رسم کم و بیش اُس زمانہ تک جاری رہا جبکہ قوانین جسٹنین۔ قیصر نے حرام کردیا گیا۔ گو تعدد ازدواج قانون دیوانی مین ممنوع کردیا گیا مگر اس ممانعت کا اثر لوگون کے اخلاقی خیالات پر کچھ نہین ہوا اور یہ رسم اُسوقت تک عمل مین لایا گیا جبتک کہ نظام جدید تمدن مین اُسکی ممانعت[۴] کردی گئی بیاہتا بی بی کے سواے اور سب بیبیان بڑی خرابیون مین مبتلا رہتی تھین۔ وہ کچھ حقوق نہ رکھتی تھین اور قانون مین اُنکا کچھ تحفظ نہین کیا گیا تھا بلکہ وہ اپنے متلون مزاج شوہرون کی کنیزی کیا کرتی تھین۔ اُنکی اولاد حرامی کہلاتی تھی اور ترکہ پدر سے بالکل محروم سمجھی جاتی تھی اور بد قوم اور کم ذات تصور کیجاتی تھی۔ کم ذات عورتون[۵] سے شادیان کرنا امرا و اہل دول پر منحصر نہ تھا بلکہ پادری لوگ بھی تجرد و رہبانیت کی قسم کو اکثر بالاے

---

[۱] کوڈ نبیک۔ صفحہ ۴۰۔ جلد ۱۔ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [۲] ڈالنجر صاحب کی تاریخ یہود و مشرکین جلد ۲۔ صفحہ ۲۳۴ - ۲۳۸ - اور انسائکلوپیڈیا مین مضمون نکاح ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [۳] یہ قدیم پایہ تخت یونان کا نام ہے بڑا عظیم الشان اور نامی و گرامی شہر تھا ۱۲ مترجم [۴] گبن صاحب کی تاریخ زوال سلطنت روم الکبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۶ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

طاق رکھکر از دواج مشروع یا غیر مشروع کر لیتے تھے - تواریخ سے بخوبی ثابت ہے کہ تھوڑا ہی عرصہ
گذرا ہے کہ تعدد ازدواج ایسا فعل قبیح نہ سمجھا جاتا تھا جیسا اب سمجھا جاتا ہے - خود سینٹ اگسٹائن
جنکو عیسائی بہت بڑا ولی اور پیشوا اپنے دین کا سمجھتے ہین اور جنھون نے دین مسیحی انگلستان مین
جاری کیا تھا تعدد ازدواج کو فحش اور معصیت نہین قرار دیتے ہین اور فرماتے ہین کہ تعدد
ازدواج اُس ملک مین گناہ نہین ہے جہان وہ ایک آئین یا قانون ہوگیا ہو - اور ہالم صاحب
مورخ جلیل لکھتے ہین کہ مصلحان جرمنی سولھوین صدی عیسوی تک دوسری اور تیسری شادی کو پہلی
شادی کے ساتھی جائز جانتے تھے جس صورت مین کہ اولاد نہوئی ہو یا اور کوئی ایسا سبب ہوا ہو
اگلے زمانہ کے عرب اور یہود مین تعدد ازدواج کے علاوہ یہ رسم بھی جاری تھا کہ شرطیہ یا چند روزہ
نکاح کر لیتے تھے - ایسی ناملائم و ناجائز اخلاقی خیالات کا نہایت خراب اثر اُس نظام تمدن یعنی
طرز معاشرت پر ہوا جو جزیرہ نماے عرب کے اندر جاری تھا اور عرب کی حدود کے باہر بھی اخلاقی
حالت ویسی ہی خراب تھی - سلطنت ایران اور سلطنت روم مین عورتین بہت ذلیل و خوار تھین
شدید التعصب پادری جنکو عیسائیان پاک اعتقاد نے چند عرصہ کے بعد اولیاء اللہ کے درجہ پر
پہونچادیا غلبۂ نصرانیت سے مواعظ مین عورتون کی ہجو و مذمت کرتے تھے اور اُنکی شرارتین
بیان کیا کرتے تھے اور یہ بھول گئے تھے کہ جو عیوب ہمنے عورتون مین نکالے ہین وہ ہمارے ہی
نفاق باطنی اور خبث طینت کا عکس دکھاتے ہین - الغرض یہ وہ زمانہ تھا کہ نظام تمدن کی عمارت
عالیشان ہر طرف منہدم ہوتی جاتی تھی - اور جو باتین اسکے ثبات و قیام کا باعث تھین
وہ زائل ہوتی جاتی تھین - اور یہ غل مچا ہوا تھا کہ قدیم طریقے تمدن کے تجربہ کی میزان مین تولے
گئے تو ناقص نکلے - ایسے زمانہ مین شارع اسلام نے قدیم نظام تمدن اور کہنہ طرق معاشرت
مین اصلاحین کین - شارع اسلام نے حرمت نسوان یعنی عورتون کی عزت کرنے کے مسئلہ کو
احکام ضروریۂ اسلام مین داخل کر کے خود جاری فرمایا اور انکے پیروان پاک اعتقاد نے اُنکی دختر
نیک اختر کے فضائل و مناقب پر نظر کر کے اُنکا لقب خاتون جنت رکھا - جن قوانین کو رسول عربی

نے شایع کیا انمین نکاح مشروط کو قطعاً حرام کر دیا اور نکاح چند روزہ یعنی متعہ کی اجازت تھوڑی
ابتدا مین دی مگر تیسری سنہ ہجری مین اسکو بھی حرام کر دیا - شارع اسلام نے اپنی شریعت مین عورتون کو
وہ حقوق عطا فرمائے جو انکو کبھی نہ حاصل ہوئے تھے اور وہ اختیارات انکو دیے جنکی قدر جون جون
زمانہ ترقی کرتا جائیگا معلوم ہوتی جائیگی - اور تمام اختیارات او خدمات[1] شرعی کے بجالانے مین
عورتون کو مردون کا ہم پلہ بنا دیا - شارع اسلام نے ازواج کی ایک خاص تعداد مقرر کر کے
تعدد ازواج کو محدود کر دیا او چارون بیبیون کے ساتھ ہمہ وجوہ برابر برتاو کرنے کو شوہر پر فرض
عین کر دیا - یہ بات قابل غور ہے کہ جس آیت[2] قرآنی مین چار ازواج کی اجازت دیگئی ہے
اُسکے آخر مین ایک فقرہ ایسا لکھدیا ہے جس سے پہلے فقرہ کا مضمون کٹ چھٹ کر ایک متعدل
مباح باقی رہگئی ہے - پہلے فقرہ مین لکھا ہے کہ "تم دو یا تین یا چار نکاح کر سکتے ہو اس سے زیادہ
نہین کر سکتے - دوسرے مین فرمایا ہے کہ "اگر تم سب سے عادلانہ او منصفانہ برتاو نہ کر سکو تو ایک ہی
نکاح کرو" - محققین اسلام نے اس نہایت اہم و ضروری شرط سے چشم پوشی نہین کی ہے اور
آیات قرآنی مین لفظ "عدل" کے جو معنی لیے گئے ہین اسکو خوب ملحوظ رکھا ہے - ابتدا اسلام
مین بھی یعنی تیسری صدی مین بعہد خلافت مامون الرشید علما معتزلہ نے یہ فرمایا ہے کہ احکام
قرآنی کو مجموع و مسلم دیکھنے سے ایک زوجہ کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے - اور اگرچہ متوکل ظالم کے
ظلم کی وجہ سے اُن علمائے عظام کے اقوال شایع نہونے پائے تاہم یہ یقین تمام تعلیم یافتہ
مسلمانون مین تدریجاً قوت پکڑتا جاتا ہے کہ تعدد ازواج شریعت غرا کے بھی اسی قدر خلاف ہے
جسقدر تہذیب و شائستگی اور علم و فضل کی ترقی کے منافی ہے - علی الخصوص یہ خیال مسلمانان
ہند مین اگر اعتقاد مذہبی نہین سمجھا جاتا تو ایک عمدہ نصیحت تو ضرور سمجھی جاتی ہے اور بہت سی

---

[1] اگلے زمانہ مین عرب اپنی عورتون اور بچون کو جو قبائل عرب کی باہمی جنگ و جدل مین شریک نہ ہو سکتے تھے والدین و شوہر کا ترکہ نہ لینے دیتے تھے ۱۲ منہ

[2] سنہ ۵۲ وہ آیت یہ ہے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً یعنی پس نکاح کرو عورتون سے جیسا تمھارا جی چاہے دو دو اور تین تین اور چار چار کر کے اور اگر اندیشہ ہو کہ عدل نہ

اسباب خارجی اس خیال کے ساتھ شریک ہو کر تعدد ازواج کی رسم کی بیخکنی مسلمانون مین کر رہے ہین
اِس ملک مین اب یہ دستور ہوتا جاتا ہے کہ ایک نکاح نامہ یا ہین نمون شوہر یا ناکح سے لکھوا لیا
جاتا ہے کہ زوجۂ اولی کی حین حیات کوئی حق یا شائبہ حق نکاح ثانی کا جو وہ رکھتا ہو یا جسکا وہ
مدعی ہو عمل مین نہ لائیگا۔ یہ دستور مانع تو بی رسم تعدد ازواج کی نشو و نما پانے اور قائم رہنے کا ہے
ہندوستان مین فی الحال فیصدی ننانوے مسلمانون سے زیادہ خواہ اعتقاداً خواہ بضرورت
ایک ہی زوجہ پر قانع ہین۔ تعلیم یافتہ مسلمانون مین جو اپنے اسلاف کے تاریخی حالات سے
واقف ہین اور اپنے بزرگون کے حالات کا مقابلہ اور مقایسہ اور قومون کے احوال سے کر سکتے ہین
تعدد ازواج کا رسم ناپسند بلکہ مکروہ و متروک ہوتا جاتا ہے۔ اور کرنیل میک گریگر صاحب کے
بیان کے مواقف ایران مین فیصدی صرف دو آدمی متعدد بیبیون کی مشکوک لذت اُٹھاتے
ہین۔ اُمید قوی ہے کہ آیندہ ایک جماعت علمائے اسلام باہم شورے کر کے یہ فتوے
دے دیگی کہ تعدد ازواج مثل غلامی و بندہ گری کی شریعت غرا کے سراسر خلاف ہے۔
اِسکا انکار نہین ہوسکتا کہ چند رسوم و قوانین جو مسلمانون نے زمانہ جاہلیت سے اخذ کیے
ہین اور جو صرف آثار و علامات سلف کے قبیل سے ہین مسلمان قومون کی ترقی کے مانع اور
سدراہ ہوے ہین۔ چنانچہ عورتون کی پردہ نشینی کا رسم بھی ایسا ہی ہے۔ قدیم زمانہ مین یہ رسم
بہت قومون مین جاری تھا۔ یہانتک کہ اہل ایتھنس بھی اِس دستور کی سخت پابندی کرتے تھے۔
ناشائستہ اور ناتربیت یافتہ قومون کی عافیت کے لحاظ سے اِس دستور سے بہت سے
فوائد ہین۔ شارع اسلام نے اِس رسم کو اپنے ہم عصر قومون مین جاری پایا اور اُسکے فوائد پر
نظر کر کے اِسکی پابندی اپنی امت پر فرض کر دی۔ اس سوال کا جواب دینا غیر ممکن ہے کہ
آیا شارع اسلام کا منشا یہ تھا کہ یہ رسم ایک قانون اخلاقی کی قوت حاصل کرے یا ایسی سخت
پابندی اِسکی کیجائے جیسی اب کیجاتی ہے۔ تاہم یہ گمان کرنا غلط ہے کہ شرع شریف مین کوئی

نہ کر سکوگے تو ایک سے۔ ۱۲ مترجم

اسباب خارجی اس خیال کے ساتھ شریک ہو کر تعدد ازواج کی رسم کی بیخکنی مسلمانون مین کر رہے ہین
اس ملک مین اب یہ دستور ہوتا جاتا ہے کہ ایک نکاح نامہ یا ضمنمون شوہر یا نانکہ سے لکھوا لیا
جاتا ہے کہ زوجہ اولی کی حین حیات کوئی حق یا شائبہ حق نکاح ثانی کا جو وہ رکھتا ہو یا جسکا وہ
مدعی ہو عمل مین نہ لائیگا۔ یہ دستور مانع توبی رسم تعدد ازواج کی نشو ونما پانے اور قائم رہنے کا ہے
ہندوستان مین فی الحال فیصدی ننانوے مسلمانون سے زیادہ خواہ اعتقاداً خواہ بضرورت
ایک ہی زوجہ پر قانع ہین۔ تعلیم یافتہ مسلمانون مین جو اپنے اسلاف کے تاریخی حالات سے
واقف ہین اور اپنے بزرگون کے حالات کا مقابلہ اور مقایسہ اور قومون کے احوال سے کر سکتے ہین
تعدد ازواج کا رسم ناپسند بلکہ مکروہ و متروک ہوتا جاتا ہے۔ اور کرنیل میک گریگر صاحب کے
بیان کے موافق ایران مین فیصدی صرف دو آدمی متعدد بیبیون کی مشکوک لذت اٹھاتے
ہین۔ اُمید قوی ہے کہ آیندہ ایک جماعت علمائے اسلام باہم شورے کرکے یہ فتوے
دیگی کہ تعدد ازواج مثل غلامی و بندہ گری کی شریعت غرا کے سراسر خلاف ہے۔
اسکا انکار نہین ہوسکتا کہ چند رسوم و قوانین جو مسلمانون نے زمانہ جاہلیت سے اخذ کیے
ہین اور جو صنف آثار و علامات سلف کے قبیل سے ہین مسلمان قومون کی ترقی کے مانع اور
سد راہ ہوئے ہین۔ چنانچہ عورتون کی پردہ نشینی کا رسم بھی ایسا ہی ہے۔ قدیم زمانہ مین یہ رسم
بہت قومون مین جاری تھا۔ یہانتک کہ اہل اتھنس بھی اس دستور کی سخت پابندی کرتے تھے۔
ناشائستہ اور ناتربیت یافتہ قومون کی عافیت کے لحاظ سے اس دستور سے بہت سے
فوائد ہین۔ شارع اسلام نے اس رسم کو اپنے ہم عصر قومون مین جاری پایا اور اُسکے فوائد پر
نظر کرکے اسکی پابندی اپنی امت پر فرض کردی۔ اس سوال کا جواب دینا غیر ممکن ہے کہ
آیا شارع اسلام کا منشا یہ تھا کہ یہ رسم ایک قانون اخلاقی کی قوت حاصل کرے یا ایسی سخت
پابندی اسکی کیجائے جیسی اب کیجاتی ہے۔ تاہم یہ گمان کرنا غلط ہے کہ شرع شریف مین کوئی

نہ کر سکوگے تو ایک سے۔ ۱۲ مترجم

مقام پر ہم صرف اُسکی حالت موجودہ کا ذکر کرتے ہین مسلمانون مین زوجہ کی حالت پر بالمجموع نظر
کیجیے تو یورپ کی کسی عورت سے بدتر نہ پائیے گا یورپ کی عورتون سے اُسکی پس ماندگی کا باعث
یہ ہے کہ اہل اسلام مین عمومًا تعلیم نسوان کا رواج نہین ہے یہ سبب نہین ہے کہ شرع مین کچھ خاص
احکام ایسے ہین جو عورتون کو مضر ہین - اُسکی قانونی حیثیت تو یقینًا یورپ کی عورتون کی قانونی
حالت سے بہتر و برتر ہے اُسکو ایسی آزادی حاصل ہے کہ جو حقوق و مواجب شرع نے اُسکو
بخشے ہین اُنکو وہ پورا پورا عمل مین لا سکتی ہے - تمام مقدمات مین جو اُسکی ذات خاص سے
یا اُسکی جائداد سے متعلق ہین وہ اپنے ذاتی حق سے اور بلا وساطت اپنے پدر و شوہر کے
کارروائی کر سکتی ہے - وہ اپنا مختار خود مقرر کرتی ہے اور اپنے تمام اختیارات اُسکو دیتی ہے
وہ اپنے شوہر اور اپنے کنبہ کے مردون سے مساوی درجہ پر معاہدہ کرتی ہے اگر اُسکا شوہر
اُس سے بدسلوکی کرتا ہے تو اُسکو نکاح کے فسخ کرا لینے کا حق حاصل ہے - وہ اپنے اور اپنے
بچون کے نان و نفقہ کے لیے اپنے شوہر کے نام سے قرض لے سکتی ہے - اگر اُسکا مذہب
شوہر کے دین کے خلاف ہے تو وہ اپنے رسوم مذہبی کو آزادانہ اور بیباکانہ ادا کرنے کا
دعویٰ کر سکتی ہے - اگر شوہر ذی مقدور ہے تو اُسپر فرض ہے کہ اپنی زوجہ غیر مسلمہ کو سواری
مہیا کر دے کہ وہ اپنی عبادت گاہ مین جا کر اپنے طریق کے موافق عبادت کرے - امور دینی مین وہ
ذرا بھی اپنی زوجہ کو نہین ستا سکتا اور مسلمان ماں کی طرح وہ بھی اپنی اولاد کی حراست کی
مستحق ہے - قبل نکاح جو مہر اُسکا قرار دیا گیا ہے وہ اُسکا مال ہے اُسکا جو جی چاہے اُسکو
کرے - مہر سے متمتع ہونے کے لیے اُسکو درمیانی آدمیون اور امینون اور ولیون کی کچھ ضرورت
نہین ہے جب شوہر سے اُسکو کچھ ایذا پہونچے تو وہ یہ حق رکھتی ہے کہ اپنی حیثیت شخصی سے
شوہر پر نالش کرے - اُسکا مہر اُسکے شوہر کے تمام دیون پر مقدم ہے اور شوہر اُسکا قرضدار
سمجھا جاتا ہے - جبتک لڑکی نابالغ رہتی ہے باپ کو اُسکی شادی کر دینے کا حق اُسیطرح

و جفا کار اور یزید جیسا ظالم سنگدل خائف و ترسان ہوا - ۱۲ منہ

حاصل رہتا ہے جسطرح نابالغ لڑکے کا نکاح کردینے کا ہوتا ہے۔ مگر آئندہ بیان کیا جائیگا کہ یہ اختیار باپ کا اسطرح محدود کردیا گیا ہے کہ جب فریب کا گمان ہو یا یہ احتمال ہو کہ اس نکاح سے لڑکی کو ضرر پہونچے گا تو باپ کے بعد جو ولی شرعی ہو وہ ایسے نکاح سے مانع ہو سکتا ہے۔ اگر کسی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح باپ کے سوائے کوئی اور ولی شرعی کردے تو اُس لڑکی یا لڑکے کو اختیار کامل حاصل ہے کہ بعد بلوغ اُس نکاح کو فسخ کرالے۔ زن بالغہ ورشیدہ کا نکاح کسی حالت مین بغیر اُسکی صریحی رضامندی کے صحیح نہیں ہے۔ اور کوئی نکاح صحیح نہیں ہے تاوقتیکہ شوہر زوجہ کا مہر قبول کرلے۔ فی الواقع مہر جواز و صحت نکاح پر مقدم ہے خواہ زوجہ مسلمہ ہو خواہ غیر مسلمہ۔ رومیون مین دستور تھا کہ زوجہ جہیز لاتی تھی اور اسی رسم کو بعض یورپ کی قومون نے کچھ ترمیم کرکے اختیار کیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانون مین بھی جہیز دینے کا دستور ہے یعنے لڑکی کے ماں باپ زیور اور ظروف وغیرہ وداع کے وقت اُسکے ساتھ کردیتے ہین مگر یہ سب جہیز اُسی کا مال رہتا ہے۔ بعض اوقات نقد روپیہ یا نوٹ جہیز مین دیتے ہین۔

ہندوستان مین مہر کی مقدار بہت زیادہ رکھی جاتی ہے اور بعض اوقات شوہر کے مقدور سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہے تاکہ وہ طلاق نہ دے سکے۔ چونکہ شرع شریف مین نکاح ایک معاہدہ سمجھا جاتا ہے لہذا بعض حالات مین طرفین کو فسخ معاہدہ کا اختیار دیا گیا ہے۔ جن صورتون مین طلاق شوہر کی جانب سے ہوتا ہے یا اُسکے کسی کردار سے طلاق کی ضرورت پیدا ہوتی ہے اُن صورتون مین شوہر کو کل مبلغ مہر دینا پڑتا ہے تب وہ شرعاً طلاق دے سکتا ہے۔ زوجہ کو مارنے پیٹنے کی ممانعت قطعی ہے اور جب اُس سے ہمیشہ ایسی بدسلوکی کیجائے تو وہ طلاق لینے کا حق رکھتی ہے۔ اور جب شوہر اُسکو چھوڑدے یا نان ونفقہ نہ دے تب بھی وہ طلاق لے سکتی ہے۔ جب زوجہ و شوہر مین کچھ نزاع یا نااتفاقی ہوتی ہے تو حاکم شرع کچھ معزز عورتون کو مصالحہ کرنے کے لیے مقرر کردیتا ہے یا خود جاکر مصالحہ کرادیتا ہے۔ جب ناموافقت مزاج کی وجہ سے یا اور کسی

حاصل رہتا ہے جسطرح نابالغ لڑکے کا نکاح کردینے کا ہوتا ہے - مگر آئندہ بیان کیا جائیگا
کہ یہ اختیار باپ کا اسطرح محدود کردیا گیا ہے کہ جب فریب کا گمان ہو یا یہ احتمال ہو کہ اس نکاح سے
لڑکی کو ضرر پہونچے گا تو باپ کے بعد جو ولی شرعی ہو وہ ایسے نکاح سے مانع ہو سکتا ہے -
اگر کسی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح باپ کے سوائے کوئی اور ولی شرعی کردے تو اُس لڑکی یا لڑکے کو
اختیار کامل حاصل ہے کہ بعد بلوغ اُس نکاح کو فسخ کرالے - زن بالغہ و رشیدہ کا نکاح کسی
حالت مین بغیر اُسکی صریحی رضامندی کے صحیح نہیں ہے - اور کوئی نکاح صحیح نہیں ہے تاوقتیکہ
شوہر زوجہ کا مہر قبول کرلے - فی الواقع مہر جواز و صحت نکاح پر مقدم ہے خواہ زوجہ مسلمہ ہو
خواہ غیر مسلمہ - رومیون مین دستور تھا کہ زوجہ جہیز لاتی تھی اور اسی رسم کو بعض یورپ کی قومون نے
کچھ ترمیم کرکے اختیار کیا ہے - ہندوستان کے مسلمانون مین بھی جہیز دینے کا دستور ہے یعنے
لڑکی کے ماں باپ زیور اور ظروف وغیرہ وداع کے وقت اُسکے ساتھ کردیتے ہین مگر یہ سب جہیز
اُسی کا مال رہتا ہے - بعض اوقات نقد روپیہ یا نوٹ جہیز مین دیتے ہین -

ہندوستان مین مہر کی مقدار بہت زیادہ رکھی جاتی ہے اور بعض اوقات شوہر کے
مقدور سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہے تاکہ وہ طلاق نہ دے سکے - چونکہ شرع شریف مین
نکاح ایک معاہدہ سمجھا جاتا ہے لہذا بعض حالات مین طرفین کو فسخ معاہدہ کا اختیار
دیا گیا ہے - جن صورتون مین طلاق شوہر کی جانب سے ہوتا ہے یا اُسکے کسی کردار سے
طلاق کی ضرورت پیدا ہوتی ہے اُن صورتون مین شوہر کو کل مبلغ مہر دینا پڑتا ہے
تب وہ شرعاً طلاق دے سکتا ہے - زوجہ کو مارنے پیٹنے کی ممانعت قطعی ہے اور جب
اُس سے ہمیشہ ایسی بدسلوکی کیجائے تو وہ طلاق لینے کا حق رکھتی ہے - اور جب شوہر
اُسکو چھوڑدے یا نان ونفقہ نہ دے تب بھی وہ طلاق لے سکتی ہے - جب زوجہ وشوہر
مین کچھ نزاع یا نااتفاقی ہوتی ہے تو حاکم شرع کچھ معزز عورتون کو مصالحہ کرنے کیلیے
مقرر کردیتا ہے یا خود جاکر مصالحہ کرادیتا ہے - جب ناموافقت مزاج کی وجہ سے یا اور کسی

نہین ہے اور شیعہ قومون مین بھی طلاق ایسا شاذونادر وقوع مین آتا ہے کہ اُسکا اثر اخلاق عامہ پر کچھ نہین محسوس ہوتا۔ اِسکے دو سبب معلوم ہوتے ہین۔ عالی خاندان لوگون مین خاندانی عزت کا خیال مانع طلاق ہوتا ہے۔ اور غربا و ہملا کو وہ جرمانہ (مہر) جو طلاق مین دینا پڑتا ہے طلاق سے باز رکھتا ہے۔ دیگر بلاد اسلام مین جہان خاندانی عزت کا ایسا پاس نہین ہوتا ہے اور مہر کی مقدار بھی ایسی نہین ہوتی جیسی ہندوستان مین ہوتی ہے مانع طلاق ایک اور مسئلہ شرعی ہوتا ہے جو سُنّی اور شیعہ دونون کا متفق علیہ ہے مگر معتزلہ کے نزدیک مسلم نہین ہے۔ علماے یہود کے نزدیک یہ ہے کہ جب کوئی شوہر ایک مرتبہ اپنی زوجہ کو طلاق دیدے تو پھر کسی حال مین اُس سے دوبارہ عقد نہین کرسکتا۔ سنی اور شیعہ دونون کے نزدیک مطلقہ سے دوبارہ عقد کرنا جائز ہے مگر اس شرط سے کہ مطلقہ دوسرے شخص سے نکاح کرکے طلاق لے چکی ہو۔ یہ عجیب و غریب شرط معتزلہ کے نزدیک مسلّم نہین ہے اور اسکا اثر یہ ہوا ہے کہ ناشائستہ و ناتربیت یافتہ قومین رشک و حسد کی وجہ سے طلاق کو بلا قید او بیباکانہ عمل مین لانے سے باز رہتے ہین ۔

مُقدمہ ۳

بعض اعتبارات سے غلامی کو تعدد ازدواج سے مشابہت دینا بجا ہے۔ تعدّد ازدواج کی طرح غلامی بھی سب قومون مین رائج رہی ہے مگر جب انسان کے خیالات مین ترقی ہوئی اور عدل و انصاف کا خیال بھی پیدا ہوا تو یہ دونون رسم زائل ہوگئی۔ غلامی کا دستور انسان کے وجود کا ہمعصر ہے (یعنے ابتداے خلقت انسان سے یہ دستور چلا آیا ہے) تواریخ سے اس دستور کے آثار و علامات ہر زمانہ اور ہر قوم مین پائے جاتے ہین جسکا علم ہمکو ہوا ہے۔ اس دستور کا تخم سوسائٹی یعنے تمدّن کی وحشیانہ حالت مین جما اور غلامی اُس زمانہ مین بھی جاری رہی جبکہ ترقی خیالات اور ترقی تہذیب و شائستگی کی وجہ سے ظاہر اسکی کوئی ضرورت نہین

باقی رہی - یہود اور یونانی اور رومی اور قدیم اہل جرمن انگلین قومون کے آئین و قوانین اس زمانہ کے خیالات اور اس زمانہ کے رسوم و عادات پر زیادہ مؤثر ہوئے ہین - ان سب قومون مین دونون قسم کی غلامی مسلّم اور رائج تھی یعنی ایک وہ غلام جنسے کھیت جتواتے تھے اور ایک وہ غلام جنسے گھر کا کام لیتے تھے - عبرانیون مین غیر بنی اسرائیل غلامون اور لونڈیون پر ہمیشہ بڑی بڑی صعوبتین گذرتی تھین - انسے کھیت جتوائے جاتے تھے یا گھر کا کام لیا جاتا تھا اور بہت ذلیل و حقیر سمجھے جاتے تھے اور انکی بیرحم اور ناخداترس مالک ہمیشہ اُنسے مشقت شاق لیتے تھے - اخیر زمانہ مین جو قانون رومیون مین جاری ہوا اُسنے سزاے موت اور سنگین سزاؤن کا اختیار جو قوانین مابعد الواح دوازدگانہ نے مالکون کو بخشا تھا اُسنے لے لیا مگر جو مجموعہ قوانین بادشاہ جسٹینین قیصر کے عہد مین تالیف ہوا تھا اُسمین غلامی کو ایک قانون منجملہ قوانین قدرت قرار دیدیا اور غلامون کی قیمت اُن پیشون کے موافق مقرر کی جو پیشے کرانا اُنسے منظور رہتا تھا - قبل شیوع اسلام مشرکین عرب کا دستور تھا کہ اسیران جنگ کو غلام بنا لیتے یا قتل کر ڈالتے تھے - احکام قرآنی کے روسے اسیران جنگ کو قتل کرنا حرام ہوگیا اور یہ حکم ہوا کہ جبتک دیت یعنی خون بہا نہ دین اُسوقت تک غلامی کی حالت مین رہین - فی الواقع قرآن مجید مین صرف ایک قسم کی غلامی کی اجازت دیگئی ہے یعنی اُن لوگون کی غلامی جو جہاد شرعی مین گرفتار کیے جائین - قرآن مجید مین ہر جگہ غلامون کو یہ لکھا ہے کہ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنی وہ لوگ جنپر تمھارے دہنے ہاتھ قابض ہون - حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بردہ فروش کو خارج از انسانیت فرمایا ہے اور بندہ گری اور بردہ فروشی دونون کی ممانعت قطعی فرمائی ہے - اور عتق رقبات یعنی بردہ آزاد کرنے کو بڑا کار ثواب فرمایا ہے - اور مسلمانون کو غلام بنانے کو حرام مطلق گردانا ہے - اور مالکون کو ممانعت فرمائی ہے کہ منصفانہ اور مناسب مقدار سے زیادہ کام غلامون سے نہ لیا کرین اور اسیران جنگ کو جب لونڈی غلام بنائین تو اُنکو اسطرح کپڑا پہنائین اور کھانا کھلائین اور مکان مین رکھین کہ گویا وہ اُنکے دوست

باقی رہی - یہود اور یونانی اور رومی اور قدیم اہل جرمن انگلین قومون کے آئین و قوانین اِس زمانہ کے خیالات اور اِس زمانہ کے رسوم و عادات پر زیادہ مؤثر ہوئے ہین - اِن سب قومون مین دونون قسم کی غلامی مسلّم اور رائج تھی یعنی ایک وہ غلام جنسے کھیت جتواتے تھے اور ایک وہ غلام جنسے گھر کا کام لیتے تھے - عبرانیون مین غیر بنی اسرائیل غلامون اور لونڈیون پر ہمیشہ بڑی بڑی صعوبتین گذرتی تھین - اُنسے کھیت جتوائے جاتے تھے یا گھر کا کام لیا جاتا تھا اور بہت ذلیل و حقیر سمجھے جاتے تھے اور اُنکی بیرحم اور ناخدا ترس مالک ہمیشہ اُنسے مشقت شاق لیتے تھے - اخیر زمانہ مین جو قانون رومیون مین جاری ہوا اُسنے سزاے موت اور سنگین سزاؤن کا اختیار جو قوانین بارہ الواح دوازدگانہ نے مالکون کو بخشا تھا اُنسے لے لیا مگر جو مجموعہ قوانین بادشاہ جسٹنین قیصر کے عہد مین تالیف ہوا تھا اُسمین غلامی کو ایک قانون منجملہ قوانین قدرت قرار دیدیا اور غلامون کی قیمت اُن پیشون کے موافق مقرر کی جو پیشے کرانا اُنسے منظور ہوتا تھا - قبل شیوع اسلام مشرکین عرب کا دستور تھا کہ اسیران جنگ کو غلام بنا لیتے یا قتل کر ڈالتے تھے - احکام قرآنی کے روسے اسیران جنگ کو قتل کرنا حرام ہوگیا اور یہ حکم ہوا کہ جبتک دیت یعنی خون بہا نہ دین اُسوقت تک غلامی کی حالت مین رہین - فی الواقع قرآن مجید مین صرف ایک قسم کی غلامی کی اجازت دیگئی ہے یعنی اُن لوگون کی غلامی جو جہاد شرعی مین گرفتار کیے جائین - قرآن مجید مین ہر جگہ غلامون کو یہ لکھا ہے کہ اَو مَا مَلَکَت اَیمَانُکُم یعنی وہ لوگ جنپر تمھارے دہنے ہاتھ قابض ہون - حضرت امام جعفر صادق ؑ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بردہ فروش کو خارج از انسانیت فرمایا ہے اور بندہ گری اور بردہ فروشی دونون کی ممانعت قطعی فرمائی ہے - اور عتق رقبات یعنی بردہ آزاد کرنے کو بڑا کار ثواب فرمایا ہے - اور مسلمانون کو غلام بنانے کو حرام مطلق گردانا ہے - اور مالکون کو ممانعت فرمائی ہے کہ منصفانہ اور مناسب مقدار سے زیادہ کام غلامون سے نہ لیا کرین اور اسیران جنگ کو جب لونڈی غلام بنائین تو اُنکو اسطرح کپڑا پہنائین اور کھانا کھلائین اور مکان مین رکھین گویا وہ اُنکے دوست

ولس نے غلامی کی اسقدر مذمت کی کہ اکثر اہل اسلام نے اُس بیچارے کو ملعون بنا دیا —

شرع شریف مین جو کتاب یا تالیف کیجائے اُسکا مقدمہ ناتمام رہیگا تا وقتیکہ اُن عیوب شرعی کا مختصر ذکر نہ کیا جائے جو بعض اشخاص کو بعض حقوق حاصل کرنے سے مانع ہین — یہ عیوب شرعی فی نفسہ ملکی ہین یعنی مصالح ملکی پر مبنی ہین — اختلاف مذہب سے جسکو اہل اسلام کی اصطلاح مین کفر کہتے ہین ابتدا مین مراد سلطنت اسلامیہ سے عداوت قطعی تھی اور ارتداد ایک جرم سلطنت کا سمجھا جاتا تھا — لہذا سنی اور شیعہ دونون نے بالاتفاق غیر مسلم اور مرتد دونون کو مسلمان عزیزون کے ترکہ سے اسوجہ سے محجوب کردیا ہے کہ مخالفین و منافقین گروہ اہل اسلام مین نہ داخل ہونے پائین — ایکٹ ۲۱ ۔ ۱۸۵۰ع نے اُن موانع ارث کو دفع کردیا ہے جو از روی شرع محمدی مرتد کو یعنی اُس شخص کو جسنے دین اسلام ترک کردیا ہو ترکہ پانے سے مانع تھے — مگر یہ ایکٹ مرتدین سے متعلق ہے کفار فطری سے متعلق نہین ہے جنکو اہل اسلام نے محجوب الارث قرار دیا ہے — جب کہ دو سلطنتون مین باہم موافقت نہو تو ایک سلطنت کا رعایا ہونا اور دوسرے کی رعایا نہونا بھی اہل سنت کے نزدیک تو موانع شرعیہ ارث مین سے ہے گو شیعون نے اس مسئلہ مین اُنسے اختلاف کیا ہے — غلامی اور قتل انسان بھی آدمی کو حقوق دنیوی کو عمل مین لانے سے مانع ہوتے ہین فقط —

پہلا باب

سُنی اور شیعہ کے قانون وراثت وجانشینی کے بیان مین

قبل اسکے کہ سُنی اور شیعہ کے قانونِ وراثت وجانشینی کے اختلافات بیان کیے جائین جن اصول مین فریقین نے اتفاق کیا ہے اُنکو بیان کرنا ضرور ہے ۔

واضح ہو کہ سُنی اور شیعہ دونون مین قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ قانون وراثت انتقال بلاوصیت فرض کر لینے پر مبنی ہے ۔ ہر مسلمان کو اپنے حین حیات اپنی جائداد پر اختیار کلی حاصل ہے خواہ وہ جائداد موروثی ہو خواہ مکسوبہ خواہ منقولہ ہو خواہ غیر منقولہ اُسکا جو جی چاہے اپنی جائداد کو کر سکتا ہے ۔ مگر جو انتقال وہ اپنی جائداد کا کرے وہ انتقال جائز و مؤثر جبھی ہوگا کہ جب اُسکا نفاذ مالک کے حین حیات ہو جائے ۔ مثلاً اگر ہبہ کیا جائے تو جائداد موہوبہ واہب کی زندگی مین موہوب لہ کو دیدی جائے اور واہب اپنے تمام حقوق ملکیت سے جو اُس جائداد مین وہ رکھتا ہے دست بردار ہو کر موہوب لہ کا قبضہ اُسپر کرا دے اگر ہبہ کا نفاذ واہب کی وفات پر موقوف رکھا جائے تو ہبہ ناجائز ہو جائیگا ۔ یہی حال اُس جائداد کا بھی ہے جو مذہبی یا خیراتی مقاصد کے لیے وقف کیجائے ۔ کسی نیک کام کے لیے جائداد کو وقف کرنا بھی جائز و معتبر ہوگا جب کہ حقوق مالکانہ اُس سے سلب کر لیے جائین ۔ وصایا کے باب مین موصی کا اختیار ثلث جائداد پر محدود ہے بشرطیکہ وصیت اُس شخص کے حق مین نکیجائے جو ترکہ مین حصہ پانے کا مستحق ہو ۔ مثلاً مالک اپنی جائداد کے ایک ثلث کو بذریعہ وصیت غیر شخص کو دے سکتا ہے لیکن اگر ایک ثلث سے زیادہ کی نسبت یا کسی اور وارث شرعی کے باب مین وصیت کرے تو ایسی وصیت ناجائز ہوگی ۔

مسلمانون کے اختیارات وصیت مین یہ قید جو لگا دیگئی ہے جسکی مثال بعض قوانین یورپ مین بھی موجود ہے تو اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جہانتک ایک جز کثیر مال اور اسباب متوفی کا متعلق ہے وہانتک تقسیم جائداد اسطرح ہوتی ہے کہ گویا اُسنے بلا وصیت انتقال کیا ہے

لہذا مسلمانون مین انتقال بلا وصیت ایک عام اصول ہے اور چونکہ تقریبًا ہر صورت مین
ایک سے زیادہ وارث متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہین لہذا یہ یاد رکھنا
ضرور ہے کہ سنّی اور شیعہ مین کن کن باتون مین اتفاق اور کن امور مین اختلاف ہے —
جو امور فریقین مین متفق علیہ ہین انکی نسبت عرض کیا جاتا ہے کہ سنّی اور شیعہ اُس اصول پر
متفق ہین جس اصول سے وہ اشخاص جو متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہین اُن
اشخاص سے تمیز ہو سکتے ہین جو کوئی حق نہین رکھتے — مثلًا کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد ایک
بڑا بھاری گروہ اعزا و اقربا کا چھوڑ جائے — تو اس صورت مین اگر کوئی محدود و معین قاعدہ
نہوتا تو وارث اور غیر وارث مین فرق و امتیاز کرنا بہت دشوار ہو جاتا پس اس وقت کے
رفع کرنے کے لیے اور اقربا مستحق و محجوب مین بآسانی فرق و امتیاز کرنے کی غرض سے
فریقین نے بالاتفاق یہ قاعدہ کلیہ قرار دیا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد دو عزیز ایسے
چھوڑ جائے جنمین سے ایک عزیز دوسرے عزیز کے ذریعہ سے متوفی کا قرابت دار ہو تو عزیز
بالواسطہ درصورت موجود ہونے عزیز بلا واسطہ کے محجوب الارث ہوگا — مثلًا اگر کوئی مسلمان
اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑ جاے — تو پوتا اپنے دادا کا وارث نہوگا
تاوقتیکہ اُسکا باپ زندہ ہے — ایک اور قاعدہ بھی متوفی کے ورثہ شرعی کو دریافت کرنے کا بنایا
گیا ہے جسکو فریقین نے کسیقدر ترمیم کرکے اختیار کیا ہے — مثلًا اقربا ذکور پدری مین سنّی
اعزا سے قریب کو قرابت داران بعید پر ترجیح دیتے ہین مگر شیعہ قرابت قریبہ و بعیدہ کا قاعدہ
سب صورتون مین بلا امتیاز ذکور و اناث جاری کرتے ہین — پس اگر کوئی شخص اپنے
مرنے کے بعد ایک بھتیجا اور ایک بھتیجے کا بیٹا اور ایک نواسا چھوڑ جائے تو سنیون مین چونکہ
بھتیجا اقربا ذکور پدری مین سے ہے اور بھتیجے کے بیٹے کی بہ نسبت قرابت مین متوفی سے
قریب تر ہے لہذا وہ بترجیح دیگر اقربا ورثہ پائیگا مگر شیعون مین چونکہ نواسا نسبًا قریب تر ہے
لہذا دیگر اقربا کو محجوب الارث کر دیگا — پس معلوم ہوا کہ حق وراثت اُن اقربا کا جو کسی شخص کی

وفات کے بعد زندہ رہین باختلاف حالات مختلف ہوتا ہے۔ بعض اقربا اصول مصرحۂ بالا کے موجب بالکل محجوب الارث ہوجاتے ہین اور بعض اعزا کے سہام شرعیہ سوجہ سے کم ہو جاتے ہین کہ بعض اور عزیز موجود ہوتے ہین خواہ وہ شریک وراثت ہون خواہ نہون۔ مگر سنّی اور شیعہ دونون مین ایک قسم کے ورثہ ایسے ہین جو کبھی محجوب الارث نہین ہوتے گو انکے حصص شرعیہ مین کیسا ہی اختلاف ہو۔ اس قسم کے ورثہ مین مان اور باپ اور بیٹے اور شوہر و زوجہ داخل ہین۔ سنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک قائم مقامی کا اصول مسلّم نہین ہے۔ اور گو اسمعیلیہ اور ظاہر امعتزلہ نے بھی اس مسئلہ مین فریقین سے اختلاف کیا ہے مگر انکے مسائل محدود طور سے کہین نہین بیان کیے گئے ہین۔ مثلاً زید کے دو بیٹے تھے انمین سے ایک بیٹا اپنی اولاد چھوڑکر زید کی زندگی مین مرگیا تو یہ اولاد زید کی وفات کے بعد اُسکے جانشین اور قائم مقام نہونگے بلکہ اُنکا چچا اُنکو محجوب الارث کر دیگا۔

یہانتک تو فریقین مین اتفاق ہے مگر تقسیم ورثہ کے باب مین دونون مین اختلاف عظیم ہے۔ سُنّی تین قسم کے ورثہ قرار دیتے ہین

(۱) ذوی الفروض یعنی وہ ورثہ جنکے حصص کی تصریح قرانِ مجید مین موجود ہے۔

(۲) عصبات یعنی اقربا سے پدری۔

(۳) ذوی الارحام

ذوی الفروض کے باب مین سُنّی اور شیعہ مین کچھ اختلاف نہین ہے۔
مگر شیعہ ورثہ کو عصبات اور ذوی الارحام مین بلا دلیل منقسم کرنے پر سخت اعتراض کرتے ہین اور ان دونون قسم کے ورثہ مین کچھ فرق نہین سمجھتے۔
وہ (شیعہ) سب ورثہ کو ایک قسم کا قرار دیکر متوفی سے قربت اور بُعدِ قرابت کے اعتبار سے انکو مستحق وراثت سمجھتے ہین جیسا آئندہ بیان کیا جائیگا۔
مگر سنیون نے ذوی الارحام کو سب سے بعد رکھا ہے یعنی جب ذوی الفروض اور عصبات نہین ہوتے تب ذوی الارحام کو حصہ ملتا ہے۔ پہلے ذوی الفروض اپنے سہام شرعیہ سے

سے لیتے ہین تب مابقی عصبات مین تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگر ذوی الفروض اور عصبات دونون موجود نہون تو جائداد متوفی ذوی الارحام پر تقسیم کردی جاتی ہے ۔

ذوی الفروض کی تعداد بارہ ہے ۔ انکے حصے باختلاف حالات مختلف ہوتے ہین اور انمین سے بعض اُن اصول کی وجہ سے جنکا ذکر سابق مین کیا گیا محجوب الارث بھی ہوجاتے ہین ۔ انمین سے چار مرد اور آٹھ عورتین ہین ۔ چار مرد یہ ہین (۱) باپ (۲) دادا یا اجداد مین سے کوئی شخص (جب محجوب الارث نہو) (۳) برادر اخیافی یعنی وہ بھائی جسکی ایک ماں اور دو باپ ہون (۴) شوہر ۔ علما نے باپ کی تین حیثیتین قرار دی ہین ۔ (۱) خالی سہم یا حصہ دار کی حیثیت جب متوفی کی اولاد ذکور مین سے کوئی موجود ہو۔ (۲) خالی عصبہ کی حیثیت جب اسکے ساتھ کوئی شخص ذوی الفروض مین سے بھی موجود ہو۔ مثلاً شوہر یا ماں یا دادی ۔ اِس صورت مین جائداد متوفی مین سے ایک حصہ یا کئی حصے دے کر مابقی باپ کو دیا جاتا ہے ۔ (۳) ذوی الفروض اور عصبہ دونون کی حیثیت جب باپ کے ساتھ کوئی بیٹی یا بیٹیان موجود ہون ۔ اِس صورت مین اسکو اپنا خاص حصہ ملتا ہے اور بیٹی یا بیٹیون کے حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچ رہے وہ بھی اسکو ملتا ہے ۔ آخر الذکر دو صورتون مین آسانی کی غرض سے اسکو یہ کہہ سکتے ہین کہ صرف بطور عصبہ کی پاتا ہے ۔

(۱) باپ کا حصہ بیٹے یا پوتے یا اور کسی اولاد ذکور کے ساتھ جیسے پر پوتا سر پوتا وغیرہ ⅙ یعنی ایک سدس ہے

(۲) جد حقیقی[۱] یا اجداد مین سے کوئی شخص (جو محجوب الارث نہو) اُسکا حصہ ⅙ یعنی ایک سُدس ہے ۔

(۳) برادر اخیافی (جب اکیلا ہو اور کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد یا باپ یا جد حقیقی نہو) اُسکا حصہ ⅙ یعنی ایک سدس ہے ۔

جب دو یا اس سے زیادہ برادران اخیافی ہون اور کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد یا باپ یا دادا نہو تو اُنکا حصہ ⅓ یعنی ایک ثلث ہے ۔

---

[۱] اجداد حقیقی اہل سنت کی اصطلاح مین اون اجداد کو کہتے ہین جنکے سلسلہ قرابت متوفی مین کوئی عورت داخل نہو مثلاً دادا جد حقیقی ہے نانا جد حقیقی نہین ہے ۔ ۱۲ منہ

لے لیتے ہیں تب مابقی عصبات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگر ذوی الفروض اور عصبات دونوں موجود نہوں تو جائداد متوفی ذوی الارحام پر تقسیم کردی جاتی ہے ــ

ذوی الفروض کی تعداد بارہ ہے ــ اُنکے حصے باختلاف حالات مختلف ہوتے ہیں اور اُنمیں سے بعض اُن اصول کی وجہ سے جنکا ذکر سابق میں کیا گیا محجوب الارث بھی ہوجاتے ہیں ـ اُنمیں سے چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں ــ چار مرد یہ ہیں (۱) باپ (۲) دادا یا اجداد میں سے کوئی شخص (جب محجوب الارث نہو) (۳) برادر اخیافی یعنی وہ بھائی جسکی ایک ماں و دو باپ ہوں (۴) شوہر ــ علما نے باپ کی تین حیثیتیں قرار دی ہیں ــ (۱) خالی سہم یا حصہ دار کی حیثیت جب متوفی کی اولاد ذکور میں سے کوئی موجود ہو ـ (۲) خالی عصبہ کی حیثیت جب اُسکے ساتھ کوئی شخص ذوی الفروض میں سے بھی موجود ہو ــ مثلاً شوہر یا ماں یا دادی ۔ اِس صورت میں جائداد متوفی میں سے ایک حصہ یا کسی حصے دے کر مابقی باپ کو دیا جاتا ہے ــ (۳) ذوی الفروض اور عصبہ دونوں کی حیثیت جب باپ کے ساتھ کوئی بیٹی یا بیٹیاں موجود ہوں ـ اِس صورت میں اُسکو اپنا خاص حصہ ملتا ہے اور بیٹی یا بیٹیوں کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچ رہے وہ بھی اُسکو ملتا ہے ــ آخر الذکر دو صورتوں میں آسانی کی غرض سے اُسکو یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف بطور عصبہ کی پاتا ہے ــ

(۱) باپ کا حصہ بیٹے یا پوتے یا اور کسی اولاد ذکور کے ساتھ جیسے پرپوتا سرپوتا وغیرہ ۱/۶ یعنی ایک سدس ہے

(۲) جد حقیقی[1] یا اجداد میں سے کوئی شخص (جو محجوب الارث نہو) اُسکا حصہ ۱/۶ یعنی ایک سُدس ہے ــ

(۳) برادر اخیافی (جب اکیلا ہو اور کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد یا باپ یا جد حقیقی نہو) اُسکا حصہ ۱/۶ یعنے ایک سدس ہے ــ

جب دو یا اس سے زیادہ برادران اخیافی ہوں اور کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد یا باپ یا دادا نہو تو اُنکا حصہ ۱/۳ یعنی ایک ثلث ہے ـ

[1] اجداد حقیقی اہل سنت کی اصطلاح میں اون اجداد کو کہتے ہیں جنکے سلسلہ قرابت متوفی میں کوئی عورت داخل نہو مثلاً دادا جد حقیقی ہے نانا جد حقیقی نہیں ہے ــ ۱۲ منہ

(۱۲) خواہر اخیافی مانند برادر اخیافی کے حصہ پاتی ہے۔

پس ذوی الفروض یہ ہین جنکے حصص قرآن مجید مین بالتصریح لکھے ہین اور جنکے باب مین سُنی اور شیعہ مین بہت کم اختلاف ہے۔ اس باب کے آخر مین ایک نقشہ یا فہرست لکھی ہے اُس سے اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ اس مسئلہ مین فریقین مین موارد اختلاف کیا ہین یعنی کن کن باتون مین اختلاف ہے۔ اس مقام پر ہم اُس طریقہ کو بیان کرتے ہین جس طریقہ سے حنفیہ نے ورثہ کی تقسیم کی ہے اور بعد ازان اُن مین اور شیعہ ان کی تقسیم مین فرق بیان کرینگے۔

جیسا سابق مین بیان کیا گیا سنیون[1] کے اہل سنت کے تین قسم یا تین طبقہ کے ورثہ کے قائل ہین یعنی ذوی الفروض۔ عصبات۔ ذوی الارحام۔ ذوی الفروض کا ذکر ہو چکا ہے۔

عصبات تین طبقون پر منقسم ہین۔ (۱) عصبات بنفسہ یعنی اپنے ذاتی حق سے۔ (۲) عصبات بغیرہ دوسرے شخص کے حق سے۔ (۳) عصبات مع غیرہ دوسرے شخص کے ساتھ۔

پہلے طبقہ مین وہ سب اشخاص داخل ہین جنکے سلسلہ قرابت متوفی مین کوئی عورت نہ داخل ہو۔ داسواسطے کہ اگر کوئی عورت داخل ہو جائے تو مرد عصبہ نہ باقی رہیگا۔ مثلاً برادر اخیافی یعنی ماں کا بیٹا عصبہ نہین ہے بلکہ ذوی الفروض مین داخل ہے)۔ انکو عصبات بنفسہ کہتے ہین۔

عصبات بنفسہ کی چار قسمین ہین

(۱) متوفی کی اولاد

(۲) اُسکے اجداد

(۳) اُسکے باپ کی اولاد یعنی بھائی اور بھائیون کی اولاد۔

(۴) اُسکے جد پدری (دادا) کی اولاد چاہیے کیسی ہی بعید درجہ کا دادا ہو۔

یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ عصبات بنفسہ کی وراثت مین یہ شرط ہے کہ جب ایک ہی درجہ کے اقربا ہون تو قرابت داران نسبی کو ترجیح دیجاتی ہے۔ مثلاً جب متوفی کا فقط ایک برادر عینی اور

[1] در المختار صفحہ ۸۶۴ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

اور ایک برادر علاتی ہو تو اگرچہ نسباً دونوں برابر ہیں مگر چونکہ برادر عینی بہ نسبت برادر علاتی کے قریب تر ہے
لہذا برادر عینی کو ترجیح دیجائیگی۔ علی ہذالقیاس خواہر عینی جو ایک ماں باپ سے ہو (جب اُسکے ساتھ کوئی
بیٹی بھی موجود ہو) برادر علاتی پر ترجیح رکھتی ہے اور برادر عینی کا بیٹا برادر علاتی کے بیٹے پر ترجیح رکھتا ہے۔
صاحب درالمختار نے اِس حدیث پیغمبر سے کہ تحقیق کہ وہ اولاد جو ایک ماں باپ سے ہو اُس اولاد سے
پیشتر ورثہ پائیگی جو ایک باپ سے ہو ملہ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب اقربا نسباً برابر ہوں تو قرابت قریبہ کا لحاظ کیا جائیگا۔

عصبات بغیرہ وہ اناث ہیں جو صرف اسوقت عصبات ہوجاتے ہیں
جب اُنکے ساتھ کچھ ذکور بھی موجود ہوں یعنی جب اُنکے ساتھ ایک ہی درجہ کے ذکور ہوں یا جو
درجہ قرابت میں بعید ہوں مگر ایک ہی درجہ کے ذکور کے طور پر حصہ پائیں۔

ایسے عصبات چار ہیں

(۱) بیٹیاں (بیٹوں کے ساتھ)
(۲) پوتیاں (پوتے یا پر پوتے یا سر پوتے وغیرہ کے ساتھ)
(۳) خواہر عینی (اپنے برادر عینی کے ساتھ)
(۴) خواہر علاتی جو ایک باپ سے ہو (اپنے بھائی کے ساتھ)

مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر اقربا ذکور بعض حالات میں عصبات ہوجاتی ہیں گو اس سے نہیں
لازم آتا کہ سب صورتوں میں انکی بہنیں بھی اُنکے ساتھ عصبات ہوجائیں۔
عورت عصبہ صرف اُسوقت ہوجاتی ہے کہ جب وہ ذوی الفروض میں سے ہوتی ہے
اور جب اُسکے ساتھ کوئی عصبہ ذکور میں سے بھی موجود ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان اپنے
مرنے کے بعد ایک زوجہ اور ایک چچا اور ایک پھوپھی چھوڑ جائے خواہ وہ پھوپھی اُسکے
باپ کی خواہر عینی ہو خواہ خواہر علاتی چونکہ وہ ذوی الفروض میں سے نہیں ہے لہذا وہ اپنے
بھتیجے کے متروکہ میں شرعاً حصہ پانے کی مستحق نہیں ہے اور زوجہ کا حصہ دیکر کل جائداد متوفی کی

ملہ درالمختار صفحہ ۸۶۴ سطر ۲۶۵ ۔۔۔ منہ

اور ایک برادر علاتی ہو تو اگرچہ نسبتاً دونون برابر ہین مگر چونکہ برادر عینی بہ نسبت برادر علاتی کے قریب تر ہے لہذا برادر عینی کو ترجیح دیجائیگی علی ہذالقیاس خواہر عینی جو ایک مان باپ سے ہو (جب اُسکے ساتھ کوئی بیٹی بھی موجود ہو) برادر علاتی پر ترجیح رکھتی ہے اور برادر عینی کا بیٹا برادر علاتی کے بیٹے پر ترجیح رکھتا ہے!

صاحب درالمختار نے اِس حدیث پیغمبر سے کہ[1] بتحقیق کہ وہ اولاد جو ایک مان باپ سے ہو اس اولاد سے پیشتر ورثہ پائیگی جو ایک باپ سے ہو لہذا یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب اقربا نسبتاً برابر ہون تو قرابت قریبہ کا لحاظ کیا جائیگا

عصبات بغیرہ وہ اناث ہین جو صرف اسوقت عصبات ہو جاتے ہین

جب اُنکے ساتھ کچھ ذکور بھی موجود ہون یعنی جب اُنکے ساتھ ایک ہی درجہ کے ذکور ہون یا جو درجہ قرابت مین بعید ہون مگر ایک ہی درجہ کے ذکور کے طور پر حصہ پائین —

ایسے عصبات چار ہین

(۱) بیٹیان (بیٹون کے ساتھ)

(۲) پوتیان (پوتے یا پروتے یا سرپوتے وغیرہ کے ساتھ)

(۳) خواہر عینی (اپنے برادر عینی کے ساتھ)

(۴) خواہر علاتی جو ایک باپ سے ہو (اپنے بھائی کے ساتھ)

مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ اقربا ذکور بعض حالات مین عصبات ہو جاتی ہین مگر اس سے نہین لازم آتا کہ سب صورتون مین انکی بہنین بھی اُنکے ساتھ عصبات ہو جائین —

عورت عصبہ صرف اُسوقت ہو جاتی ہے کہ جب وہ ذوی الفروض مین سے ہوتی ہے اور جب اُسکے ساتھ کوئی عصبہ ذکور مین سے بھی موجود ہوتا ہے — مثلاً اگر کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد ایک زوجہ اور ایک چچا اور ایک پھوپھی چھوڑ جائے خواہ وہ پھوپھی اُسکے باپ کی خواہر عینی ہو خواہ خواہر علاتی چونکہ وہ ذوی الفروض مین سے نہین ہے لہذا وہ اپنے بھتیجے کے متروکہ مین شرعاً حصہ پانے کی مستحق نہین ہے اور زوجہ کا حصہ دیکر کل جائداد متوفی کے

[1] درالمختار صفحہ ۸۶۴ — ۲۶۵ — منہ

(۲) جدؐ مادری اور جدہ مادری یعنی نانا اور نانی -

(۳) برادران عینی اور برادران علاتی کی بیٹیان اور برادران اخیافی کی اولاد اور بہنون کی اولاد -

(۴) باپ کے برادران و خواہران اخیافی اور انکی اولاد - متوفی کی پھوپھیان اور انکی اولاد - اُسکے مامون اور خالائین اور انکی اولاد - عینی اور علاتی چچاؤنکی بیٹیان -

ذوی الارحام اپنے اقسام کے موافق علی الترتیب ترکہ پائینگے یعنی پہلے قسم کے ذوی الارحام دوسرے اور تیسرے اور چوتھے قسم پر مقدم رہینگے وقس علی ہذا -

مختلف اقسام کے ذوی الارحام متوفی کی قرابت کے اعتبار سے ترکہ پائینگے - اگر ذوی الارحام درجۂ قرابت اور سمت قرابت مین برابر ہون تو وارث شرعی کی اولاد کو ترجیح دیجائیگی - لیکن اگر سمت قرابت مین فرق ہو تو باپ کی طرف کے اقربا مان کی جانب کے اعزا کے حصہ کا دو چند حصہ پائینگے - اقربائے بعید مین جو اقرب ہوگا وہ اورون پر ترجیح رکھکر ترکہ پانے کا مستحق ہوگا - یعنی مثلاً نواسی بیٹی کی پوتی یعنی پروتی پر مقدم ہوکر حصہ پائیگی

اگر ذوی الارحام درجۂ قرابت مین برابر ہون یعنی سب متوفی سے دوسرے یا تیسرے یا چوتھے درجہ کی قرابت رکھتی ہون تو وارث شرعی کی اولاد قرابت دار بعید کی اولاد پر ترجیح رکھیگی - یعنی ذوی الفروض اور عصبات کی اولاد ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح رکھتی ہے - مثلاً بیٹے کی نواسی بیٹی کی نواسی پر ترجیح رکھتی ہے - اگر ذوی الارحام درجہ اور سمت قرابت دونون مین برابر ہون تو وارث شرعی کی اولاد ترجیح رکھیگی خواہ وہ وارث ذوی الفروض مین سے ہو خواہ عصبات مین سے لکن اگر سمت قرابت مین تفاوت ہو تو باپ کی طرف کا قرابت دار ⅔ اور مان کی طرف کا قرابت دار ⅓ پائیگا - لکن اگر وہ درجہ قرابت مین برابر ہون اور انمین کسی وارث شرعی کی اولاد نہو یا اگر وہ سب بواسطہ کسی وارث شرعی کی قرابت رکھتے ہون تو امام محمد (جنکے مقلد ہندوستان کے سُنّی ہین) کا قول یہ ہے کہ سہام شرعیہ موافق تعداد

---

[۵۱] درالمختار صفحہ ۸۷۳ - ۱۲ منہ [۵۲] درالمختار صفحہ ۸۷۰ - ۱۲ منہ [۵۳] فتاوای عالمگیری صفحہ ۶۲۳۷ - ۱۲ منہ [۵۴] درالمختار صفحہ ۸۷۰ - ۱۲ منہ

(۲) جد[1] مادری اور جدہ مادری یعنی نانا اور نانی —

(۳) برادران عینی اور برادران علاتی کی بیٹیان اور برادران اخیافی کی اولاد اور بہنون کی اولاد —

(۴) باپ کے برادران و خواہران اخیافی اور اُنکی اولاد — متوفی کی پھوپھیان اور اُنکی اولاد — اُسکے ماموں اور خالائین اور اُنکی اولاد — عینی اور علاتی چچاؤنکی بیٹیان —

ذوی الارحام اپنے اقسام کے موافق علی الترتیب ترکہ پائینگے یعنی پہلے قسم کے ذوی الارحام دوسرے اور تیسرے اور چوتھے قسم پر مقدم رہینگے وقس علی ہذا —

مختلف اقسام کے ذوی الارحام متوفی[2] کی قرابت کے اعتبار سے ترکہ پائینگے — اگر ذوی الارحام درجہ قرابت اور سمت قرابت مین برابر ہون تو وارث شرعی کی اولاد کو ترجیح دیجائیگی — لیکن اگر سمت قرابت مین فرق ہو تو باپ کی طرف کے اقربا مان کی جانب کے اعزا کے حصہ کا دوچند[3] حصہ پائینگے — اقربای بعید مین جو اقرب ہوگا وہ اورون پر ترجیح رکھکر ترکہ پانے کا مستحق ہوگا — یعنی مثلاً نواسی بیٹی کی پوتی یعنی پروتی پر[4] مقدم ہوکر حصہ پائیگی

اگر ذوی الارحام درجہ قرابت مین برابر ہون یعنی سب متوفی سے دوسرے یا تیسرے یا چوتھے درجہ کی قرابت رکھتی ہون تو وارث شرعی کی اولاد قرابت دار بعید کی اولاد پر ترجیح رکھیگی یعنی ذوی الفروض اور عصبات کی اولاد ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح رکھتی ہے — مثلاً بیٹے کی نواسی بیٹی کی نواسی پر ترجیح رکھتی ہے — اگر ذوی الارحام درجہ اور سمت قرابت دونون مین برابر ہون تو وارث شرعی کی اولاد ترجیح رکھیگی خواہ وہ وارث ذوی الفروض مین سے ہو خواہ عصبات مین سے لیکن اگر سمت قرابت مین تفاوت ہو تو باپ کی طرف کا قرابت دار[5] اور مان کی طرف کا قرابت دار سے[6] پائیگا — لیکن اگر وہ درجہ قرابت مین برابر ہون اور اُنمین کسی وارث شرعی کی اولاد نہو یا اگر وہ سب بواسطہ کسی وارث شرعی کی قرابت رکھتے ہون تو امام محمد (جنکے مقلد ہندوستان کے سُنی ہین) کا قول یہ ہے کہ سہام شرعیہ موافق تعداد

سلہ در المختار صفحہ ۸۷۳ — ۱۲ منہ سلہ در المختار صفحہ ۸۷۰ — ۱۲ منہ سلہ فتاوای عالمگیری صفحہ ۶۲۳۷ — ۱۲ منہ سلہ در المختار صفحہ ۸۷۰ — ۱۲ منہ

مثلاً اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کردے اور وہ غلام اپنے مرنے کے بعد ذوی الارحام کی
قسم سے کچھ ورثہ چھوڑ جائے تو سنیون کے نزدیک آزاد کنندہ ذوی الارحام کو محجوب الارث
کردیگا۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ولاء العتق سے عصوبت پیدا ہوتی ہے یعنی
جب کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے تو وہ ایسے غلام کا عصبہ ہو جاتا ہے اور اُسکی
توریث کا مستحق بترجیح اُسکے مامون اور پھوپھی اور دیگر ذوی الارحام کے ہوتا ہے" پس سنیون مین
آزاد کنندہ کو عصبہ بسبب الخاص کہتے ہین۔ جب عاتق یعنے آزاد کنندہ موجود نہو تو اُسکے
عصبات ذکور عتیق متوفی کے وارث ہوتے ہین عصبات اُناث وارث نہین ہوتے۔ مگر
اناث جب اُسکے وارث ہوتے ہین کہ جب خود اُنھون نے اُس غلام کو آزاد کیا ہو۔ اگر عتیق
متوفی نے کوئی وارث ذوی الفروض مین سے یا عصبہ النسبی نہ چھوڑا ہو تو اُسکی کل جائداد عصبہ بالولا کو
ملیگی یعنی آزاد کنندہ کو یا اُسکے عصبات ذکور کو۔ اور اُسکے ذوی الارحام بالکل محجوب الارث
رہینگے۔ اگر اُسنے کوئی وارث ذوی الفروض مین سے چھوڑا ہو تو عصبہ بالولا کو کچھ نہ ملیگا۔

شیعون کے نزدیک ارث بالولا اُن صورتون سے مخصوص ہے جنمین مالک نے غلام کو
برضا و رغبت خود یا بہ نیت ثواب آزاد کیا ہو مگر حنفیہ کے نزدیک یہ خصوصیت معتبر نہین ہے۔
مثلاً شرایعہ مین جسکو بابو شاما چرن سرکار نے اپنے لکچر مین سند گردانا ہے لکھا ہے کہ "عاتق عتیق کا
وارث عموماً ہوتا ہے خواہ اُسنے خدا کی راہ مین خواہ شیطان کی راہ مین غلام آزاد کیا ہو یا اِس
شرط سے آزاد کیا ہو کہ وہ عاتق کے اختیار مین رہیگا یا اس شرط سے کہ اُسکی ولا کو نہ لیگا

اور امداد کے ہین مگر اصطلاح فقہا مین اِس سے وہ اعانت مراد ہے جو سبب توریث ہوتی ہے "فی الواقع
ولا سے مراد وہ خاص اور مصنوعی قرابت ہے جو ایسی حالت مین جیسے عرب کی تمدنی حالت تھی اُسوقت
پیدا ہو جاتی تھی جبکہ آقا اپنے غلام کو آزاد کرتا تھا یا جب ایک شخص دوسرے شخص کا
موکل بنتا تھا۔ اِن دونون صورتون مین فریقین پر ایک دوسرے کی اعانت کرنا فرض تھا
اور ایک صورت مین آقا اور دوسری صورت مین ولی آزاد کردہ غلام یا موکل کی دیت یعنے خونبہا کا
ذمہ دار رہتا تھا۔ ۱۲ منہ

مثلاً اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کردے اور وہ غلام اپنے مرنے کے بعد ذوی الارحام کی قسم سے کچھ ورثہ چھوڑ جائے تو سنیون کے نزدیک آزاد کنندہ ذوی الارحام کو محجوب الارث کردیگا۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ولاء العتق سے عصوبت پیدا ہوتی ہے یعنی جب کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے تو وہ ایسے غلام کا عصبہ ہو جاتا ہے اور اُسکی توریث کا مستحق بترجیح اُسکے مامون اور پھوپھی اور دیگر ذوی الارحام کے ہوتا ہے" پس سنیون مین آزاد کنندہ کو عصبہ بسبب الخاص کہتے ہین۔ جب عاتق یعنے آزاد کنندہ موجود نہو تو اُسکے عصبات ذکور عتیق متوفی کے وارث ہوتے ہین عصبات اُناث وارث نہین ہوتے۔ مگر اناث جب اُسکے وارث ہوتے ہین کہ جب خود اُنھون نے اُس غلام کو آزاد کیا ہو۔ اگر عتیق متوفی نے کوئی وارث ذوی الفروض مین سے یا عصبہ نسبی نہ چھوڑا ہو تو اُسکی کل جائداد عصبہ بالولا کو ملیگی یعنی آزاد کنندہ کو یا اُسکے عصبات ذکور کو۔ اور اُسکے ذوی الارحام بالکل محجوب الارث رہینگے۔ اگر اُسنے کوئی وارث ذوی الفروض مین سے چھوڑا ہو تو عصبہ بالولا کو کچھ نہ ملیگا۔

شیعون کے نزدیک ارث بالولا اُن صورتون سے مخصوص ہے جنمین مالک نے غلام کو برضا و رغبت خود یا بہ نیت ثواب آزاد کیا ہو مگر حنفیہ کے نزدیک یہ خصوصیت معتبر نہین ہے۔ مثلاً شرائع الاسلام مین جسکو بابو شاما چرن سرکار نے اپنے لکچر مین سند گردانا ہے لکھا ہے کہ "عاتق عتیق کا وارث عموماً ہوتا ہے خواہ اُسنے خدا کی راہ مین خواہ شیطان کی راہ مین غلام آزاد کیا ہو یا اِس شرط سے آزاد کیا ہو کہ وہ عاتق کے اختیار مین رہیگا یا اس شرط سے کہ اُسکی ولا کو نہ لیگا

اور اِمداد کے ہین مگر اصطلاح فقہا مین اِس سے وہ اعانت مراد ہے جو سبب توریث ہوتی ہے "فی الواقع ولا سے مراد وہ خاص اور مصنوعی قرابت ہے جو ایسی حالت مین جیسے عرب کی تمدنی حالت تھی اُسوقت پیدا ہو جاتی تھی جبکہ آقا اپنے غلام کو آزاد کرتا تھا یا جب ایک شخص دوسرے شخص کا موکل بنتا تھا۔ اِن دونون صورتون مین فریقین پر ایک دوسرے کی اعانت کرنا فرض تھا اور ایک صورت مین آقا اور دوسری صورت مین ولی آزاد کردہ غلام یا موکل کی دیت یعنے خونبہا کا ذمہ دار رہتا تھا ۱۲ منہ

نہین ہوجاتے جیسا ولا ء العتق مین ہوتا ہے۔ شافعیہ اس قسم کی ولا کو ایک قسم کا قریب
بیت المال سے سمجھکر ناجائز اور حرام جانتے ہین۔

یہانتک تو وہ طریقہ تقسیم اور وہ اصول وراثت جو اہل سنت مین جاری ہین بیان کیے گئے
جس سے ناظرین کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ سنیون کے قواعد میراث نہایت پیچیدہ ہین۔ مگر برخلاف
اِسکے شیعون کا قانون میراث نہایت ہی آسان ہے اور اُسمین کوئی بحث عصبات اور ذوی
الارحام کے حقوق مین نہین کرنی پڑتی۔ شیعہ اور سُنّی کے قانون میراث مین بہت بڑا اختلاف
مسئلہ تعصیب مین ہے۔ شیعہ تعصیب کے بالکل منکر ہین اور اُنکے نزدیک اقربا ے پدری
جنکو فقہ حنفی مین عصبات حقیقی کہتے ہین کوئی خاص حق نہین رکھتے ہین نہ اقربا ے مادری پر
کچھ ترجیح رکھتے ہین۔ جو طریقہ تقسیم ورثہ کا سنیون نے اختیار کیا ہے اُسکو شیعہ انسان کی
طبیعی مروت کے سراسر خلاف جانتے ہین۔

مثلاً شیعہ اِسکو بالکل خلاف انصاف سمجھتے ہین کہ بیٹی کی اولاد بھائی کی اولاد کے سامنے
صرف اِس وجہ رکیک سے محجوب الارث کردیجائے کہ بھائی کی اولاد متوفی کے اقربا ے پدری
مین سے ہے۔ شیعون کے نزدیک اسباب توریث دو ہین۔ (۱) نسب یعنی خون کا شریک
ہونا۔ (۲) سبب۔ نسب سے صرف مشارکت خون مراد ہے۔ پس تمام اقربا ے نسبی
متوفی کے اُسکے ترکہ مین حصہ پانے کے مستحق ہین الا اینکہ وہ قواعد مانع توریث ہون جنکا ذکر
آیندہ کیا جائیگا۔

اقربا ے نسبی یعنی وہ لوگ جو مشارکت خون کی وجہ سے متوفی کے وارث قرار دیے گئے ہین
تین طبقون پر منقسم ہین اور ہر طبقہ کے دو دو جز ہین۔ مثلاً۔

(الف) طبقۂ اولی کے ورثہ مین جو از روی نسب مستحق توریث ہین یہ لوگ داخل ہین۔
(۱) آباے علوی پہلے درجہ کے یعنی والدین۔ (۲) ۔ اولاد سفلی یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد
اِنہین تمام اولاد احفاد متوفی کی داخل ہے۔

نہین ہوجاتے جیسا ولا رالعتق مین ہوتا ہے - شافعیہ اس قسم کی ولا کو ایک قسم کا فریب بیت المال سے سمجھکر ناجائز اور حرام جانتے ہین -

یہانتک تو وہ طریقہ تقسیم اور وہ اصول وراثت جو اہل سنت مین جاری ہین بیان کیے گئے جس سے ناظرین کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ سنیون کے قواعد میراث نہایت پیچیدہ ہین - مگر بخلاف اِسکے شیعون کا قانون میراث نہایت ہی آسان ہے اور اُسمین کوئی بحث عصبات اور ذوی الارحام کے حقوق مین نہین کرنی پڑتی - شیعہ اور سُنّی کے قانون میراث مین سبت بڑا اختلاف مسئلہ تعصیب مین ہے - شیعہ تعصیب کے بالکل منکر ہین اور اُنکے نزدیک اقربائے پدری جنکو فقہ حنفی مین عصبات حقیقی کہتے ہین کوئی خاص حق نہین رکھتی ہین نہ اقربائے مادری پر کچھ ترجیح رکھتی ہین - جو طریقہ تقسیم ورثہ کا سنیون نے اختیار کیا ہے اُسکو شیعہ انسان کی طبیعی مروت کے سراسر خلاف جانتے ہین -

مثلاً شیعہ اِسکو بالکل خلاف انصاف سمجھتے ہین کہ بیٹی کی اولاد بھائی کی اولاد کے سامنے صرف اِسوجہ رکیک سے محجوب الارث کردیجائے کہ بھائی کی اولاد متوفی کے اقربائے پدری مین سے ہے - شیعون کے نزدیک اسباب توریث دو ہین - (۱) نسب یعنی خون کا شریک ہونا - (۲) سبب - نسب سے صرف مشارکت خون مراد ہے - پس تمام اقربائے نسبی متوفی کے اُسکے ترکہ مین حصہ پانے کے مستحق ہین الا اینکہ وہ قواعد مانع توریث ہون جنکا ذکر آیندہ کیا جائیگا -

اقربائے نسبی یعنی وہ لوگ جو مشارکت خون کی وجہ سے متوفی کے وارث قرار دیے گئے ہین تین طبقون پر منقسم ہین اور ہر طبقہ کے دو دو جز ہین - مثلاً -

(الف) طبقۂ اولی کے ورثہ مین جو ازروی نسب مستحق توریث ہین یہ لوگ داخل ہین -

(۱) آبائے علوی پہلے درجہ کے یعنی والدین - (۲) - اولاد سفلی یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد اِنمین تمام اولاد واحفاد متوفی کی داخل ہے -

اسی وجہ سے شوہر یا زوجہ کبھی محجوب الارث نہین ہوتے۔ اگر متوفی ایک زوجہ اور ایک اولاد چھوڑ جائے تو زوجہ کو اُسکا سہم شرعی ملیگا اور ما بقی اولاد کو ردّاً ملیگا۔ اسی طرح سے جب زوجہ کے ساتھ متوفی کے والدین یا جدین یا بھائی اور بہنین موجود ہون تو زوجہ کا سہم شرعی دیدیا جائیگا بعد اُسکے جائداد اُن ورثہ پر تقسیم ہوگی جو از روی نسب مستحق وراثت ہین۔

(۳) میراث بالولا کی ایک خاص صورت شیعون مین پیدا ہوگئی ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ ابتدا مین شیعہ ہمیشہ ایک محکومی کی حالت مین رہے۔

یہ حق تین قسم پر منقسم کیا گیا ہے

(۱) میراث وَلی العتق یعنی غلام آزاد کرنے والے کا حق وراثت۔

(۲) ولاء ضامن الجریرہ یعنی حق وراثت جو متوفی کے ضمانتون پر مبنی ہو۔

(۳) ولاء الامام یعنی حق وراثت جو امام زمان کو اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ ہادی و رہنمای خلق ہے۔

قسم اوّل یعنی ولاء العتق کی ٹھیک ٹھیک نظیر سنیون مین موجود ہے مگر جو حق اس سے پیدا ہوتا ہے اُسکو فریقین مختلف قسم کا سمجھے ہین۔ مثلاً سنیون کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی غلام اپنے آزادی کو خرید لے تو اس سے اُسکے آزاد کنندہ کی حق وراثت مین کچھ خلل نہ واقع ہوگا اور اگر وہ غلام بعد آزاد ہونے کے مرجائے اور کوئی عصبہ نسبی اپنا نہ چھوڑے تو آزاد کنندہ کو اُسکی کل جائداد ملیگی اور اُس آزاد کردہ غلام کے ذوی الارحام کو کچھ نہ ملیگا۔ مگر شیعون کے نزدیک عاتق عتیق کا وارث صرف چند شرائط معینہ سے ہوتا ہے یعنی ۔ (۱) جب عتق عاتق نے برضا و رغبت خود اور بلا اکراہ و اجبار کیا ہو۔ مگر جب دیت لیکر غلام کو آزاد کیا ہو یا جب کوئی نذر ادا کرنے کے لیے اُسکو آزاد کیا ہو یا خوشنودی خدا کے واسطے آزاد کیا ہو یا جب اُسکو حکم شرع سے آزاد کیا ہو تو اِن سب صورتون مین عاتق کوئی حق وراثت نہین رکھتا ہے۔

(۲) عاتق عتیق کا وارث صرف اُسوقت ہوسکتا ہے کہ جب عتیق کے اقربائے نسبی مین سے کوئی موجود نہو

(۳) جب آزاد کرنے کے بعد مالک آزاد کردہ غلام کی ضمانتون کا ذمہ دار رہے تب بھی اُسکا وارث ہوگا۔ اگر عاتق کی ذمہ داری حکم شرع سے یا کسی خاص معاہدہ کے روسے جو آزاد کرنے کے وقت ہوگیا ہو جاتی رہی ہو تو عاتق کا کوئی حق عتیق کی جائداد مین نہ باقی رہیگا جبکہ عتیق کے اقربائے نسبی موجود ہون۔

ولاء ضامن الجریرہ بعض اعتبارات سے حنفیہ کے ولاء الموالات سے مشابہ ہے اور شافعیہ کے نزدیک تو ایسا کوئی حق ہی نہین ہے۔ مسئلہ ولاء ضامن الجریرہ کی اصل حقیقت اگر روے تواریخ دیکھی جائے تو بخوبی معلوم ہوجائیگا کہ زمانۂ سابق مین مسلمانون کے اطوار و تمدنی حالات کی کیا کیفیت تھی۔ بعض حالات تمدن مین یہ دستور ہوتا ہے کہ جب کوئی مسافر کسی غیر شہر مین وارد ہوتا ہے تو اُسکو اپنے چال چلن کی ضمانت دینی پڑتی ہے۔ چنانچہ قرن اوسط یعنی زمانۂ جاہلیت مین یورپ کے شہرون مین بھی یہ دستور جاری تھا اور اسمین کچھ شک نہین ہے کہ ایسا ہی کوئی دستور ممالک ایشیا مین بھی جاری تھا جس سے مسئلہ ولاء ضامن الجریرہ پیدا ہوا ہے یعنی حق وراثت جو ضمانت پر مبنی ہو یہ دستور خلفائے عباسیہ کے عہد خلافت مین بخوبی معین و مشخص ہوگیا تھا کہ جو مسافر ملک خراسان سے شہر بغداد مین وارد ہوتے تھے اُنسے خلفاے مذکورین نیک چال چلن کی ضمانت ضرور لے لیتے تھے۔ اور جو لوگ اُنکی ضمانت کرتے تھے وہ حاکم وقت سے اُس جرم کے ذمہ دار او جواب دہ رہتے تھے جو اُنسے صادر ہوتا تھا اور اُسکے معاوضہ مین اُن مسافرون کے وارث قرار پاتے تھے اگر وہ لاوارث مرجاتے تھے۔ مگر یہ حق باہمی نہ تھا نہ ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو ملنے کے قابل تھا۔

جب ولی العتق اور ضامن الجریرہ[1] موجود ہون تو شیعون مین امام زمان مستحق وراثت

---

[1] مامون الرشید کے عہد خلافت مین حضرت امام موسی رضا ع سب شیعون کے ضامن ہوتے تھے اسی وجہ سے اُنکو امام ضامن کہتے ہین۔ اور اُسی زمانہ سے یہ دستور ہوگیا ہے کہ جو شخص اپنے وطن سے جاتا ہے یا کوئی دور دراز سفر کا عزم کرتا ہے اُسکے بازو پر امام ضامن کا روپیہ وغیرہ باندھکر امام ضامن علیہ السلام کے سپرد کر دیتے ہین ۔۔ ۱۲ منہ

(۳) جب آزاد کرنے کے بعد مالک آزاد کردہ غلام کی ضمانتون کا ذمہ دار رہے تب بھی اُسکا وارث ہوگا - اگر عاتق کی ذمہ داری حکم شرع سے یا کسی خاص معاہدہ کے روسے جو آزاد کرنے کے وقت ہوگیا ہو جاتی رہی ہو تو عاتق کا کوئی حق عتیق کی جائداد مین نہ باقی رہیگا جبکہ عتیق کے اقربائے نسبی موجود ہون —

ولاء ضامن الجریرہ بعض اعتبارات سے حنفیہ کے ولاء الموالات سے مشابہ ہے اور شافعیہ کے نزدیک تو ایسا کوئی حق ہی نہین ہے - مسئلہ ولاء ضامن الجریرہ کی اصل حقیقت از روے تواریخ دیکھی جائے تو بخوبی معلوم ہوجائیگا کہ زمانۂ سابق مین مسلمانون کے اطوار و تمدنی حالات کی کیا کیفیت تھی — بعض حالات تمدن مین یہ دستور ہوتا ہے کہ جب کوئی مسافر کسی غیر شہر مین وارد ہوتا ہے تو اُسکو اپنے چال چلن کی ضمانت دینی پڑتی ہے - چنانچہ قرن اوسط یعنی زمانۂ جاہلیت مین یورپ کے شہرون مین بھی یہ دستور جاری تھا اور اسمین کچھ شک نہین ہے کہ ایسا ہی کوئی دستور ممالک ایشیا مین بھی جاری تھا جس سے مسئلہ ولاء ضامن الجریرہ پیدا ہوا ہے یعنی حق وراثت جو ضمانت پر مبنی ہو یہ دستور خلفائے عباسیہ[۱] کے عہد خلافت مین بخوبی معین و مشخص ہوگیا تھا کہ جو مسافر ملک خراسان سے شہر بغداد مین وارد ہوتے تھے اُنسے خلفاے مذکورین نیک چال چلن کی ضمانت ضرور لے لیتے تھے — اور جو لوگ اُنکی ضمانت کرتے تھے وہ حاکم وقت سے اُس جرم کے ذمہ دار او جواب دہ رہتے تھے جو اُنسے صادر ہوتا تھا اور اُسکے معاوضہ مین اُن مسافرون کے وارث قرار پاتے تھے اگر وہ لاوارث مرجاتے تھے - مگر یہ حق باہمی نہ تھا نہ ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو ملنے کے قابل تھا —

جب ولی العتق اور ضامن الجریرہ موجود ہون تو شیعون مین امام زمان مستحق وراثت

---

[۱] مامون الرشید کے عہد خلافت مین حضرت امام موسی رضا سب شیعون کے ضامن ہوتے تھے اسی وجہ سے اُنکو امام ضامن کہتے ہین — اور اُسی زمانہ سے یہ دستور ہوگیا ہے کہ جو شخص اپنے وطن سے جاتا ہے یا کوئی دور دراز سفر کا عزم کرتا ہے اُسکے بازو پر امام ضامن کا روپیہ وغیرہ باندھکر امام ضامن علیہ السلام کے سپرد کر دیتے ہین — ۱۲ منہ

دیدیا جاے درآن حالیکہ اور غربا بھی موجود ہون یا بہت سے اشخاص پر تقسیم کردیا جائے۔ اور
آیا وہ مال بعینہ غربا کو دیدیا جائے یا اُسکو فروخت کرکے اُسکی قیمت تقسیم کردیجائے۔

جواب ۹۵ لاوارث کا مال بیت المال مین نہین جائیگا — وہ امام زمانؑ کا مال ہے خواہ
وہ غائب ہون خواہ ظاہر۔ اگر متوفی کا کوئی بھی وارث موجود ہو حتّی کہ ضامن الجریرہ تو امام
اُسکا وارث نہوگا۔ اگر امام غائب ہو تو متوفی کا مال اُسکے وطن کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیا جائے
اگر مجتہد کے نزدیک مناسب ہو تو اُسکو فروخت کرنا جائز ہے علی الخصوص جب وہ غربا کے
کام کا نہو۔ جب بہت سے غربا ہون تو ایک کو دینا مکروہ ہے گو شرعًا حرام نہین ہے ایسی
صورتون مین تقسیم حاکم کے حکم کے موافق ہونی چاہیئے کہ وہ نائب امام ہے۔ کفایہ مین یہی لکھا ہے۔
جواب مذکور مین حاکم کے لفظ سے ظاہر ہے کہ لاوارث کی جائداد کے انتظام مین مجتہد قاضی کا
کام کرتا ہے۔ اُن ممالک شیعہ مین جہان کسی غیر قوم کی حکومت نہین ہے مجتہد یا حاکم شرع کو اکثر
قاضی کے اختیارات بھی دیدیے جاتے ہین۔ جہان یہ ہوتا ہے وہان شیعون کی شرع کے
اصول کو جاری کرنا کچھ مشکل نہین ہوتا۔ مگر ہندوستان مین ایک غیر مسلم قوم کی حکومت ہے
پس یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس شخص کی ہدایت سے لاوارث کا مال شیعون کی شرع کے
موافق تقسیم کیا جائے۔ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب اُس فتوے مین موجود ہے جو
جامع الشتات سے نقل کیا گیا ہے۔ عدالت دیوانی وہ حاکم نہجائیگی جسکا ذکر اس فتوے مین ہے
اور اُس جائداد کو لیکر مجتہد کو (اگر کوئی ہو) حوالہ کردیگی یا عدالت مذکورہ کے خاص اختیار
اور نگرانی مین لاوارث کے وطن کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیجائیگی تاکہ اسمین کچھ شک و
شبہ نہ باقی رہے کہ وہ جائداد اسی خاص کام مین صرف کی گئی۔ اگر کوئی مجتہد موجود ہو تو
کوئی شیعہ عہدہ دار گورنمنٹ مقرر کردیا جائے کہ اُس جائداد کو تقسیم کردے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ شرع کا منشا یہ نہین ہے کہ اُس جائداد کا محاصل صرف بطور
خیرات کے تقسیم کردیا جائے۔ شرع کا منشا صرف غربا و مساکین کی نفع رسانی ہے۔

پس اگر یہ مقصد کسی مدرسہ وغیرہ کے قائم کرنے سے برآئے جس سے غربا کو ایک مستقل فائدہ پہونچے تو یہ بھی جائز ہے —

شیعون کے نزدیک ورثہ چاہے کسی طبقۂ اقربا نسبی سے ہون باعتبار اُس حق کے جس سے وہ متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہین تین قسم پر منقسم ہین —

(۱) وہ ورثہ جنکا حق وراثت بمُو جب سہام شرعیہ کے سبب سے حاصل ہوتا ہے جو اُنکو کلام اللہ مین[۵۱] دیے گئے ہین — اسی وجہ سے اُنکو ذوفرض کہتے ہین —

(۲) وہ ورثہ جو بعض اوقات بطور ذوفرض کے اور بعض اوقات اُس قرابت کی وجہ سے جو وہ متوفی کے ساتھ رکھتے ہین ترکہ پاتے ہین —

(۳) وہ[۵۲] ورثہ جو صرف قرابت کی وجہ سے مستحق توریث ہوتے ہین لہذا اُنکو ذوالقرابت اور اُنکے حصون کو سہام القرابت کہتے ہین —

ورثہ ذوفرض جو سہام شرعیہ کے مستحق ہین یہ ہین

(۱) بیٹے یا بیٹیان جب متوفی کا باپ موجود نہو اور متوفی کا برادر عینی یا برادران عینی —

(۲) عینی بہن یا بہنین یا علاتی بہن یا بہنیں جب دادا اور بھائی یا اُس طبقہ کے بھائی جس طبقہ کے وہ خود ہون موجود نہون —

(۳) باپ جب متوفی کی ایک یا کئی اولاد موجود ہون —

(۴) مان —

(۵) شوہر یا زوجہ

سلہ ۵۱ مثلاً اقربائے نسبی مین سے مان وہ وارث ہے جو اپنا سہم شرعی پاتی ہے اور درصورت نہونے دیگر ورثہ کے باقی جائداد بھی پاتی ہے — شوہر اور زوجہ بھی اس قسم کے وارث ہین اور بجز شاذونادر صورتون کے اپنے سہام شرعیہ ہمیشہ موافق نص قرآنی پاتے ہین — ۱۲ منہ سلہ ۵۲ مثلاً باپ اور بیٹے یا بیٹیان اور ایک یا کئی عینی بہنین اور اخیافی بھائی اور بہنین — ۱۲ منہ

پس اگر یہ مقصد کسی مدرسہ وغیرہ کے قائم کرنے سے بر آئے جس سے غربا کو ایک مستقل فائدہ پہونچے تو یہ بھی جائز ہے —

شیعون کے نزدیک ورثہ چاہے کسی طبقۂ اقربا، نسبی سے ہون باعتبار اُس حق کے جس سے وہ متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہین تین قسم پر منقسم ہین —

(۱) وہ ورثہ جنکا حق وراثت بموجب سہام شرعیہ کے سبب سے حاصل ہوتا ہے جو انکو کلام اللہ مین[۵۱] دیے گئے ہین — اسی وجہ سے اُنکو ذو فرض کہتے ہین —

(۲) وہ ورثہ جو بعض اوقات بطور ذو فرض کے اور بعض اوقات اُس قرابت کی وجہ سے جو وہ متوفی کے ساتھ رکھتے ہین ترکہ پاتے ہین —

(۳) وہ[۵۲] ورثہ جو صرف قرابت کی وجہ سے مستحق توریث ہوتے ہین لہذا اُنکو ذو القرابت اور اُنکے حصون کو سہام القرابت کہتے ہین —

ورثہ ذو فرض جو سہام شرعیہ کے مستحق ہین یہ ہین

(۱) بیٹے یا بیٹیان جب متوفی کا باپ موجود نہو اور متوفی کا برادر عینی یا برادران عینی —

(۲) عینی بہن یا بہنین یا علاتی بہن یا بہنین جب دادا اور بھائی یا اُس طبقے کے بھائی جس طبقہ کے وہ خود ہون موجود نہون —

(۳) باپ جب متوفی کی ایک یا کئی اولاد موجود ہون —

(۴) مان —

(۵) شوہر یا زوجہ

سلہ ۵۱ مثلاً اقربائے نسبی مین سے مان وہ وارث ہے جو اپنا سہم شرعی پاتی ہے اور درصورت نہونے دیگر ورثہ کے باقی جائداد بھی پاتی ہے — شوہر اور زوجہ بھی اس قسم کے وارث ہین اور یہ جملہ ذو فرض صورتون کے اپنے سہام شرعیہ ہمیشہ موافق نص قرآنی پاتے ہین — ۱۲ منہ سلہ ۵۲ مثلاً باپ اور بیٹے یا بیٹیان اور ایک یا کئی عینی بہنین اور اخیافی بھائی اور بہنین — ۱۲ منہ

تو بیٹے کی اولاد دو ثلث بلحاظ اپنے حصون کے موافق تقسیم کریگی اور بیٹی کی اولاد ایک ثلث یعنی اپنی مان کا حصہ لیکر اسی طرح تقسیم کریگی۔ جب دو یا زیادہ ورثہ ہون اور انمین سے بعض ذو فرض اور بعض ذو قرابت ہون تو ذو فروض اپنا اپنا حصہ لے لینگے تب مابقی ذو قرابت پر تقسیم کردیا جائیگا۔ جب چند اقربائے کامل القرابت[1] اور چند ناقص القرابت[2] ہون تو اقربائے مادری ایک ثلث لیکر بلا لحاظ نوع یعنی ذکور و اناث باہم برابر تقسیم کرلینگے (اگر ایک ہی قرابت دار مادری ہو تو ایک سدس مال کل پائیگا خواہ مرد ہو خواہ عورت) اور باقی اقربائے کامل القرابت مین بتعداد معینہ تقسیم کیا جائیگا اور اقربائے پدری بالکل محجوب الارث رہینگے۔

مثلاً اگر متوفی نے چند برادران و خواہران عینی اور چند برادران و خواہران علاتی یا اخیافی چھوڑے ہین تو برادران و خواہران اخیافی ایک ثلث لیکر بلا امتیاز تذکیر و تانیث باہم برابر تقسیم کرلینگے۔ اگر صرف ایک ہی برادر اخیافی یا ایک ہی خواہر اخیافی ہو تو اسکو ایک سدس ملیگا۔ اور باقی برادران و خواہران عینی پر دو اور ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جائیگا اور برادران علاتی محجوب الارث رہینگے۔ اقربائے پدری جبھی ترکہ پاتے ہین جبکہ اقربائے کامل القرابت موجود نہین ہوتے۔

مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک برادر علاتی اور ایک خواہر عینی چھوڑ جائے تو خواہر عینی برادر علاتی کو بالکل محجوب الارث کردیگی۔ یہ قاعدہ سب صورتون جاری ہوگا۔

شوہر و زوجہ کبھی محجوب الارث نہین ہوتے گو زوجہ کو کبھی ردّ نہین ملتا مگر شوہر کو ردّ ملتا ہے۔

جب ورثہ ذکور و اناث ایک ہی درجہ قرابت کے اور ایک ہی طبقہ کی در قرابت نسبی ہین سب برابر ہون تو بیٹے کو دو چند بیٹی کا ملیگا۔ یعنی بیٹا بیٹی کا دو چند اور پوتا پوتی کا دو چند پائیگا وقس علی ہذا۔ مگر اقربائے مادری اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہین۔ یعنی برادران و خواہران اخیافی ایک ثلث جو انکو ملیگا اسکو بلا امتیاز ذکور و اناث برابر آپسمین تقسیم کرلینگے۔

جب چند اقربائے پدری اور چند اقربائے مادری ہون اور دونون قسم کے اقربا درجۂ قرابت

---

[1] یعنی مان باپ دونون کی طرف سے ۱۲ — [2] یعنے صرف مان یا فقط باپ کی جانب سے ۱۲ —

تو بیٹے کی اولاد دو ثلث بطور پدر اپنے حصوں کے موافق تقسیم کریگی اور بیٹی کی اولاد ایک ثلث
یعنی اپنی مان کا حصہ لیکر اسی طرح تقسیم کریگی — جب دو یا زیادہ ورثہ ہون اور انمین سے بعض
ذو فرض اور بعض ذو قرابت ہون تو ذو فروض اپنا اپنا حصہ لے لینگے تب مابقی ذو قرابت پر
تقسیم کر دیا جائیگا — جب چند اقربا کامل القرابت[1] اور چند ناقص القرابت[2] ہون تو
اقربا ے مادری ایک ثلث لیکر بلا لحاظ نوع یعنی ذکور و اناث باہم برابر تقسیم کر لینگے (اگر ایک ہی
قرابت دار مادری ہو تو ایک سدس مال کل پائیگا خواہ مرد ہو خواہ عورت) اور باقی اقربا ے
کامل القرابت مین بتعداد معینہ تقسیم کیا جائیگا اور اقربا ے پدری بالکل محجوب الارث رہینگے —
مثلاً اگر متوفی نے چند برادران و خواہران عینی اور چند برادران و خواہران علاتی یا اخیافی
چھوڑے ہین تو برادران و خواہران اخیافی ایک ثلث لیکر بلا امتیاز تذکیر و تانیث باہم برابر تقسیم
کر لینگے — اگر صرف ایک ہی برادر اخیافی یا ایک ہی خواہر اخیافی ہو تو اسکو ایک سدس ملیگا — اور باقی
برادران و خواہران عینی پر دو اور ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جائیگا اور برادران علاتی محجوب الارث
رہینگے — اقربا ے پدری جبھی ترکہ پاتے ہین جبکہ اقربا ے کامل القرابت موجود نہین ہوتے —
مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک برادر علاتی اور ایک خواہر عینی چھوڑ جاے تو
خواہر عینی برادر علاتی کو بالکل محجوب الارث کر دیگی — یہ قاعدہ سب صورتون جاری ہوگا —
شوہر و زوجہ کبھی محجوب الارث نہین ہوتے گو زوجہ کو کبھی رد نہین ملتا مگر شوہر کو رد ملتا ہے —
جب ورثہ ذکور و اناث ایک ہی درجہ قرابت کے اور ایک ہی طبقہ کی قرابت نسبی ہین سب برابر
ہوون تو بیٹے کو دو چند بیٹی کا ملیگا — یعنی بیٹا بیٹی کا دوچند اور پوتا پوتی کا دوچند پائیگا وقس
علی ہذا — مگر اقربا ے مادری اس قاعدہ کلیہ سے مستثنی ہین — یعنی برادران و خواہران اخیافی
ایک ثلث جو انکو ملیگا اسکو بلا امتیاز ذکور و اناث برابر آپسمین تقسیم کر لینگے —
جب چند اقربا ے پدری اور چند اقربا ے مادری ہون اور دونون قسم کے اقربا درجہ قرابت

---

[1] یعنی مان باپ دونون کی طرف سے ۱۲ — [2] یعنے صرف مان یا فقط باپ کی جانب سے ۱۲ —

(۵) دو ثلث ⅔ ورثہ ذیل کو ملتے ہین —

(الف) دو یا زیادہ بیٹیون کو جب کوئی بیٹا یا بیٹے نہون —

(ب) دو یا زیادہ عینی بہنون کو جب برادران عینی یا برادران علاتی نہون —

(۶) ایک سدس ⅙ ورثہ ذیل کو ملتا ہے —

(الف) باپ اور مان کو جب متوفی کی اولاد صلبی[1] موجود ہو —

(ب) مان کو جب دو یا زیادہ برادران عینی یا ایک اور عینی اور کئی خواہران عینی موجود ہون (یا ایک برادر علاتی اور کئی خواہران علاتی موجود ہون اور جو باپ بھی زندہ ہو)

(ج) ایک ہی اولاد کو جو ایک ہی مان سے ہو خواہ وہ اولاد ذکور ہو خواہ اناث یعنی ایک برادر اخیافی یا ایک خواہر اخیافی ہو —

میراث الانساب یعنی توریث اقربائے نسبی کی

۱ — وہ ورثہ جو نسب کی وجہ سے مستحق وراثت ہین اور جنکا ذکر سابق مین ہوچکا ہے تین طبقون پر منقسم ہین —

۲ — طبقۂ اولی کے ورثہ مین متوفی کی اولاد حقیقی اور اولاد صلبی داخل ہے —

۳ — جب باپ اکیلا ہوتا ہے تو سارا ترکہ اُسی کو ملتا ہے —

۴ — جب مان اکیلی ہوتی ہے تو سارا ترکہ پاتی ہے — یعنی ایک ثلث اپنا سہم شرعی اور باقی ردًا —
(سنیون کا قول بھی یہی ہے)

۵ — جب باپ اور مان دونون موجود ہون تو مان کو ایک ثلث اور باقی ماندہ باپ کو ملیگا —
(شیعون کے نزدیک بھی یہی ہے)

۶ — جب متوفی کے مرنے کے بعد باپ اور مان اور دو بھائی ہون[2] تو مان کو ایک سدس اور باپ کو باقی ملیگا اور بھائیون کو کچھ نہ ملیگا —

---

[1] اس نقطہ مین اولاد کی اولاد اور اُسکی اولاد بھی داخل سمجھنی چاہیئے ۱۲ [2] یا ایک بھائی اور دو بہنین یا چار بہنین ۱۲ منہ

(سنیون کے مذہب مین بھی یہی ہے)

۷ - جب ماں اور باپ کے ساتھ اولاد بھی موجود ہو تو ایک سدس ماں کو اور ایک سدس باپ کو ملیگا -

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

۸ - جب ایک بیٹا ہو تو وہ کل ترکہ پائیگا - اگر کئی بیٹے ہونگے وہ ترکہ کو آپسمین برابر تقسیم کرینگے -

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

[سنیون کے مذہب مین ترجیح اولاد اکبر کا اصول کسیقدر معتبر ہے اور انکا یہ قول ہے کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے پدر متوفی کی تلوار اور قرآن اور لباس فاخرہ اور اور لباس پانے کا مستحق ہے - اسکو انکی اصطلاح مین حبوہ کہتے ہین]

۹ - جب ایک ہی بیٹی ہو تو وہ کل ترکہ پائیگی - نصف سہم شرعی کے طور پر اور نصف ردًّا - جب دو یا زیادہ بیٹیان ہون تو اُنمین متروکہ برابر تقسیم ہوگا یعنی دو دو ثلث بطور سہم شرعی اور ایک ایک ثلث ردًّا

(سنیون کے مذہب مین کل متروکہ انکو جبھی ملیگا کہ جب اور ورثہ نہ ہون)

۱۰ - جب والدین یا اُنمین سے ایک اولاد کے ساتھ جمع ہو تو ہر ایک کو والدین مین سے ایک سُدس ملیگا - اور باقی برابر تقسیم ہوگا بشرطیکہ وہ سب ذکور ہون لکن اگر اُنمین اناث ہون تو ہر مرد کو عورت کا دوچند ملیگا -

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

۱۱ - جب متوفی کا شوہر یا زوجہ اسکے والدین اور اولاد کے ساتھ جمع ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ کم ہو کر ¼ اور ⅛ رہجائیگا اور والدین کو انکا پورا حصہ ملیگا اور باقی اولاد پائیگی -

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

۱۲ - جب والدین کے ساتھ ایک بیٹی موجود ہو تو ہر ایک کو والدین مین سے ایک سُدس ملیگا اور بیٹی کو ایک نصف ملیگا اور باقی اُنمین رسدی تقسیم کیا جائیگا یعنی والدین کو ⅖ اور بیٹی کو ⅗ ملیگا -

(سنیون کے مذہب مین بھی یہی ہے)

۷ ـ جب ماں اور باپ کے ساتھ اولاد بھی موجود ہو تو ایک سدس ماں کو اور ایک سدس باپ کو ملیگا ـ

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

۸ ـ جب ایک بیٹا ہو تو وہ کل ترکہ پائیگا ـ اگر کئی بیٹے ہوں تو وہ ترکہ کو آپسمین برابر تقسیم کرینگے ـ

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

[سنیون کے مذہب مین ترجیح اولاد اکبر کا اصول کسیقدر معتبر ہے اور انکا یہ قول ہے کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے پدر متوفی کی تلوار اور قرآن اور لباس فاخرہ اور لباس پانے کا مستحق ہے ـ اسکو انکی اصطلاح مین حبوہ کہتے ہین]

۹ ـ جب ایک ہی بیٹی ہو تو وہ کل ترکہ پائیگی ـ نصف سہم شرعی کے طور پر اور نصف ردًا ـ جب دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو انمین متروکہ برابر تقسیم ہوگا یعنی دو دو ثلث بطور سہم شرعی اور ایک ایک ثلث ردًا ـ

(سنیون کے مذہب مین کل متروکہ انکو جبھی ملیگا کہ جب اور ورثہ نہ ہون)

۱۰ ـ جب والدین یا انمین سے ایک اولاد کے ساتھ جمع ہو تو ہر ایک کو والدین مین سے ایک سدس ملیگا ـ اور باقی برابر تقسیم ہوگا بشرطیکہ وہ سب ذکور ہون لکن اگر انمین اناث بھی ہوں تو ہر مرد کو عورت کا دوچند ملیگا ـ

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

۱۱ ـ جب متوفی کا شوہر یا زوجہ اسکے والدین اور اولاد کے ساتھ جمع ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ کم ہو کر ¼ اور ⅛ رہجائیگا اور والدین کو انکا پورا حصہ ملیگا اور باقی اولاد پائیگی ـ

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

۱۲ ـ جب والدین کے ساتھ ایک بیٹی موجود ہو تو ہر ایک کو والدین مین سے ایک سدس ملیگا اور بیٹی کو ایک نصف ملیگا اور باقی انمین رسدی تقسیم کیا جائیگا یعنی والدین کو ⅖ اور بیٹی کو ⅗ ملیگا ـ

قائم مقامی اولادین لیجاتی ہے یعنی اگر اولاد حقیقی نہو تو تقسیم جائداد متوفی مین اولاد کی اولاد اپنے والدین کی قائم مقام ہوکر متوفی کے والدین کے ساتھ ترکہ پاتی ہے ۔

۱۸ — اولاد صلبی اُن سب کو محجوب الارث کردیتی ہے جو اُسکے واسطے سے متوفی سے قرابت رکھتے ہون اور اُن اشخاص کو بھی محجوب الارث کردیتی ہے جو متوفی کے والدین کے واسطے اُسکے قرابت دار ہون مگر اُسکے والدین کو نہین محجوب الارث کرتی ۔ مثلاً متوفی کی اولاد اُسکے بھائیون اور اُنکی اولاد کو اور اُسکے اجداد اور اُنکے بزرگون کو اور اُسکے چچا اور مامون اور پھوپھی اور خالہ اور اُنکی اولاد کو محجوب الارث کردیتی ہے ۔

دسنیون کے مذہب مین صرف اولاد ذکور صلبی نپے والدین کے قائم مقام توریث مین نہین ہے

۱۹ — اولاد قریب اولاد بعید کو محجوب الارث کردیتی ہے ۔ مثلاً جب متوفی ایک دختر اور ایک بٹیا اُس بیٹے یا بیٹی کا چھوڑ جائے جو اُسکی حیات مین مرگیا ہو تو متوفی کی دختر اُسکا کل متروکہ پائیگی اور اولاد قریب و بعید کے اصول کی پابندی سے اُسکا پوتا یا پوتی یا نواسا یا نواسی کچھ نہ پائیگی ۔

اِس مسئلہ مین سنیون کا قول نہایت پیچیدہ ہے اور شیعون کے مذہب سے اختلاف عظیم رکھتا ہے ۔ سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر متوفی ایک دختر اور ایک بٹیا اس بیٹے کا چھوڑ جائے جو اُسکی حیات مین مرگیا ہو تو دختر نصف پائیگی اور باقی پوتے کو ملیگا ۔ لیکن اگر پوتے کے بدلے پوتیان ہون تو اُنکو ایک ایک سدس ملیگا ۔ اگر دو یا زیادہ بیٹیان ہون تو پوتیاں کچھ نہ پائینگی لیکن اگر پوتیون کے ساتھ ایک پوتا بھی ہو تو بیٹیون کو دو ثلث ملیگا اور باقی ایک ثلث پوتے اور پوتیون مین اِسطرح تقسیم ہوگا کہ پوتا دو پائیگا اور پوتی ایک پائیگی ۔ مگر بٹیا اُس بیٹے کے بیٹون اور بیٹیون کو بالکل محجوب الارث کردیتا ہے جو باپ کی زندگی مین مرگیا ہو ۔

۲۰ — ہر اولاد اُس شخص کا حصہ پاتی ہے جسکے قائم مقام وہ ہے ۔ مثلاً اگر متوفی ایک نواسا یا نواسی چھوڑ جائے تو وہ نواسا یا نواسی ہی ماں کا حصہ پائیگی خواہ اکیلی ہو خواہ متوفی کے

قائم مقامی اولاد مین لیجاتی ہے یعنی اگر اولاد حقیقی نہو تو تقسیم جائداد متوفی مین اولاد کی اولاد اپنے والدین کی قائم مقام ہوکر متوفی کے والدین کے ساتھ ترکہ پاتی ہے —

۱۸ — اولاد صلبی اُن سب کو محجوب الارث کردیتی ہے جو اُسکے واسطے سے متوفی سے قرابت رکھتے ہون اور اُن اشخاص کو بھی محجوب الارث کردیتی ہے جو متوفی کے والدین کے واسطے سے اُسکے قرابت دار ہون مگر اُسکے والدین کو نہین محجوب الارث کرتی — مثلاً متوفی کی اولاد اُسکے بھائیون اور اُنکی اولاد کو اور اُسکے اجداد اور اُنکے بزرگون کو اور اُسکے چچا اور مامون اور پھوپھی اور خالہ اور اُنکی اولاد کو محجوب الارث کردیتی ہے —

سنیون کے مذہب مین صرف اولاد ذکور صلبی نبیرہ والدین کے قائم مقام توریث مین نہین ہے

۱۹ — اولاد قریب اولاد بعید کو محجوب الارث کردیتی ہے — مثلاً جب متوفی ایک دختر اور ایک بیٹا اُس بیٹے یا بیٹی کا چھوڑ جائے جو اُسکی حیات مین مرگیا ہو تو متوفی کی دختر اُسکا کل متروکہ پائیگی اور اولاد قریب و بعید کے اصول کی پابندی سے اُسکا پوتا یا پوتی یا نواسا یا نواسی کچھ نہ پائیگی —

اِس مسئلہ مین سنیون کا قول نہایت پیچیدہ ہے اور شیعون کے مذہب سے اختلاف عظیم رکھتا ہے — سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر متوفی ایک دختر اور ایک بیٹا اس بیٹے کا چھوڑ جائے جو اُسکی حیات مین مرگیا ہو تو دختر نصف پائیگی اور باقی پوتے کو ملیگا — لکن اگر پوتے کے بدلے پوتیان ہون تو اُنکو ایک ایک سدس ملیگا — اگر دو یا زیادہ بیٹیان ہون تو پوتیان کچھ نہ پائینگی لکن اگر پوتیون کے ساتھ ایک پوتا بھی ہو تو بیٹیون کو دو ثلث ملیگا اور باقی ایک ثلث پوتے اور پوتیون کو اِسطرح تقسیم ہوگا کہ پوتا دو پائیگا اور پوتی ایک پائیگی — مگر بیٹا اُس بیٹے کے بیٹون اور بیٹیون کو بالکل محجوب الارث کردیتا ہے جو باپ کی زندگی مین مرگیا ہو —

۲۰ — ہر اولاد اُس شخص کا حصہ پاتی ہے جسکے قائم مقام وہ ہے — مثلاً اگر متوفی ایک نواسا یا نواسی چھوڑ جائے تو وہ نواسا یا نواسی اپنی ماں کا حصہ پائیگی خواہ اکیلی ہو خواہ متوفی کے

(یہی سینون کا بھی مذہب ہے)

(۲۶) — اگر بھائی اور بہنین ہون تو بھائی بہنون کا دوچند پائینگے —

(یہی قول سینون کا بھی ہے)

(۲۷) — جب برادران عینی اور خواہران عینی نہ ہون تو برادران علاتی اور خواہران علاتی وارث ہوتے ہین اور ترکہ اُسی طور سے تقسیم ہوتا ہے جسطرح برادران و خواہران عینی مین تقسیم ہوتا ہے

(۲۸) — جب برادران و خواہران عینی برادران و خواہران علاتی کے ساتھ جمع ہون تو برادران و خواہران علاتی کو کچھ نہ ملیگا —

(۲۹) — جب متوفی کے مرنے کے بعد ایک برادر اخیافی یا ایک خواہر اخیافی موجود ہو تو وہ بھائی یا وہ بہن پہلے سہم الفرض یعنے ایک سُدس پائیگی بعد اُسکے مابقی اُسکو ردًّا ملیگا —

(۳۰) — اگر دو یا زیادہ برادران یا خواہرانِ اخیافی برادران و خواہران عینی کے ساتھ جمع ہون تو برادران یا خواہران اخیافی کو ایک ثلث ملیگا جو اُنمین بلا امتیاز نوع یعنی ذکور و اُناث برابر تقسیم کردیا جائیگا اور مابقی برادران و خواہران عینی کو موافق احکام اصل میراث کے ملیگا —

(یہی مذہب سینون کا بھی ہے)

(۳۱) — جب برادران و خواہران اخیافی ایک خواہر عینی کے ساتھ جمع ہون تو برادران و خواہران اخیافی کو ایک ثلث ملیگا اور خواہر عینی کو ایک نصف اور مابقی بھی ردًّا اُسی کو ملیگا —

(۳۲) — جب ایک ہی برادر یا خواہر اخیافی اور ایک خواہر عینی ہو تو برادر یا خواہر اخیافی کو ایک سدس ملیگا اور مابقی خواہر عینی کو بطور اُسکے سہم شرعی کے اور نیز ردًّا ملیگا —

(۳۳) — جب برادران یا خواہران اخیافی اور دو یا زیادہ خواہران عینی ہون تو برادران یا خواہران اخیافی کو ایک ثلث ملکر اُنمین برابر تقسیم ہوجائیگا اور خواہران عینی کو دو ثلث ملینگے —

۳۴ — جب برادران و خواہران عینی نہون تو برادران و خواہران علاتی اُنکی جگہ پر وارث سمجھے جائینگے

(یہی شیعون کا بھی قول ہے)

۳۵ — جد پدری یا جدّ مادری یعنی دادا یا نانا جب اکیلا ہو اور کوئی اور وارث نہو تو کُل متروکہ پائیگا — علی ہذا القیاس جدۂ پدری یا جدۂ مادری یعنی دادی یا نانی —

۳۶ — جب اجداد پدری اور اجداد مادری دونون موجود ہون تو اجداد پدری کو دو ثلث ملیگا اور اسطرح تقسیم ہوگا کہ مرد کو عورت کا دوچند دیا جائیگا — اور اجداد مادری کو ایک ثلث ملیگا اور بلا امتیاز نوع یعنی ذکور و اُناث اُنمین برابر تقسیم کر دیا جائیگا —

(سیئون کے مذہب مین کل متروکہ صرف اجداد پدری کو دیا جائیگا)

۳۷ — جد اور جدۂ پدری (دادا دادی) عام اصول میراث کے موافق حصہ پاتے ہین یعنی مرد کو دو سہم اور عورت کو ایک سہم ملتا ہے —

(سنیون کا بھی یہی قول ہے)

۳۸ — جدّ اور جدۂ مادری (نانا نانی) بلا امتیاز نوع برابر حصے پاتے ہین —

(سنیون کے مذہب مین جدہ مادری (نانی) کو کل ترکہ ملتا ہے)

۳۹ — جب برادران یا خواہران اخیافی جدّ یا جدۂ مادری کے ساتھ یا دونون کے ساتھ جمع ہون تو ثلث جائداد متوفی اُن سب مین برابر تقسیم کر دیا جائیگا —

(سنیون کے مذہب مین جب ایک برادر اخیافی ہو تو اسکو سدس ملیگا — اور جب دو یا زیادہ برادران اخیافی ہون تو اُنکو دو ثلث ملینگے اور باقی جدۂ مادری کو دیا جائیگا)

۴۰ — جب اجداد پدری اور اجداد مادری برادران و خواہران عینی کے ساتھ جمع ہون یا ایسے بھائی اور بہنون کی اولاد کے ساتھ جمع ہون یا برادران و خواہران اخیافی یا اُنکی اولاد کے ساتھ جمع ہون تو اجداد مادری ایک ثلث پائینگے اور اجداد پدری باقی دو ثلث بھائی اور بہنون یا اُنکی اولاد کے ساتھ پائینگے (تقسیم ترکہ مین بھائی اور بہنون کی اولاد بمنزلہ خود بھائی اور بہنون کے سمجھی جائیگی) یعنی مرد کو دو سہم اور عورت کو ایک سہم ملیگا — مثلاً اگر متوفی

دادا اور دادی اور نانا اور نانی چھوڑ جائے اور علاوہ انکے اُسکی ماں اور بہن بھی موجود ہوں تو اِس صورت میں ایک ثلث متوفی کے نانا اور نانی پر برابر تقسیم کردیا جائیگا اور باقی ماندہ دو ثلث اُسکی ماں اور بہن اور دادا اور دادی میں اِسطرح تقسیم کیا جائیگا کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائیگا یعنی بھائی اور دادا کے حصے ۴/۹ ہونگے اور بہن اور دادی کے حصے ۲/۱۸ ہونگے —

۴۱ — اجداد پدری مادری چاہے کیسی ہی بعید القرابت ہوں بھائی اور بہنوں اور اُنکی اولاد کے ساتھ حصہ پاتے ہیں — مگر جب کئی اجداد ہوں تو جو متوفی سے قریب القرابت ہو وہ بعید القرابت کو محجوب الارث کر دیتا ہے —

۴۲ — جب زوجہ یا شوہر بھائی اور بہنوں یا اُنکی اولاد کے ساتھ یا اجداد پدری و مادری کے ساتھ جمع ہوں تو زوجہ یا شوہر ہمیشہ اپنا پورا حصہ پاتا ہے —

۴۳ — جب ایک خواہر عینی اور ایک برادر یا خواہر اخیافی ہو تو برادر یا خواہر اخیافی کو ایک سدس ملیگا اور باقی خواہر عینی کو کسی قدر بطور سہم شرعی کے اور کسیقدر ردًا دیا جائیگا

۴۴ — جب خواہر عینی کے بدلے خواہر علاتی ہو تو حصہ داروں کے حصے دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ اقربائے مادری اور خواہر اخیافی میں اُنکے حصوں کے موافق تقسیم کردیا جائیگا — مثلاً جب ایک خواہر اخیافی اور ایک خواہر علاتی ہو تو خواہر اخیافی کو ایک سدس اور خواہر علاتی کو ایک نصف ملیگا اور باقی ایک اور تین کی نسبت سے اُنمیں تقسیم کردیا جائیگا

۴۵ — جب ایک برادر اخیافی اور ایک پسر برادر عینی موجود ہو تو کل ترکہ برادر اخیافی کو دیا جائیگا (سنیوں کے مذہب میں برادر اخیافی کو ایک سدس اور باقی پسر برادر عینی کو دیا جائیگا)

۴۶ — بھائی اور بہن کی اولاد اپنے والدین کے مرنے کے بعد اُنکے قائم مقام ہوتی ہے اور اُنمیں سے ہر ایک اُسی قدر حصہ پاتا ہے جسقدر اُس شخص کا حصہ ہو جسکے واسطہ یا ذریعہ سے وہ متوفی کا قرابت دار ہے یعنی اُسکی ماں یا باپ کا حصہ اُسکو ملیگا —

(سنیون کے مذہب مین بہن کی اولاد ذوی الارحام مین داخل ہے - لہذا جبتک عصبات مین سے کوئی باقی رہیگا اُنکو کچھ نہ ملیگا)

۴۷ - جب بھائی یا بہن کی ایک ہی اولاد ہو تو وہ اپنے مان باپ کا پورا حصہ پائیگی -

۴۸ - جب بھائی یا بہن کی کئی اولاد ہون تو جو حصہ اُنکے مان باپ کو دیا گیا ہے وہ اُنمین علی السّویہ تقسیم کر دیا جائیگا اگر وہ سب ایک ہی نوع کے ہون (یعنی سب ذکور یا سب اناث ہون) لیکن جب وہ مختلف النوع ہون تو مردون کو عورتون کا دوچند حصہ ملیگا -

۴۹ - جب برادران یا خواہران اخیافی کی کئی اولاد موجود ہون تو جو حصہ اُنکے والدین کے ذریعہ سے اُنکو ملیگا وہ اُنمین علی السّویہ یعنی برابر تقسیم کر دیا جائیگا -

۵۰ - خواہر عینی کے مرنے کے بعد جو اُسکے اولاد باقی رہے اُسکو اُسکی مان کا حصہ یعنی نصف ملیگا (علاوہ اُس چیز کے جو اُسکو ردّاً دیجائیگی) -

۵۱ - بھائی کی اولاد سہام شرعیہ نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ اپنے باپ کی طرح پائیگی - جب دو یا زیادہ بہنین پیشتر ہی مر چکے ہون تو اُنکی اولاد دو ثلث پائیگی الّا اینکہ شوہر یا زوجہ موجود ہو کہ اِس صورت مین شوہر یا زوجہ کا حصہ دے کر جو کچھ بچیگا وہ بہنون کی اولاد کو دیا جائیگا -

۵۲ - جب برادران وخواہران عینی کی اولاد نہ موجود ہو تو اُنکی جگہ پر برادران وخواہران علاّتی کی اولاد ترکہ پائیگی -

۵۳ - برادر یا خواہر اخیافی کی اگر ایک ہی اولاد ہو تو ایک سدس پائیگی اور اگر کئی اولاد ہون تو ایک ثلث پائینگے -

۵۴ - جب کئی اولاد برادران وخواہران اخیافی کی اور کئی اولاد برادران وخواہران علاّتی کی اور کئی اولاد برادران وخواہران عینی کی موجود ہون تو برادران وخواہران علاّتی کی اولاد بالکل محجوب الارث ہوگی اور برادران وخواہران اخیافی کی اولاد کو ایک ثلث اور برادران

وخواہران عینی کی اولاد کو دو ثلث ملینگے۔

۵۵۔ صورت مذکورۂ بالا مین اگر شوہر یا زوجہ اقربائے مذکورہ کے ساتھ جمع ہون تو شوہر یا زوجہ اپنا پورا حصہ پائیگی اور برادران وخواہران اخیافی کی اولاد ایک ثلث اصل جائداد کا پائیگی اور اگر ایک ہی اولاد ہو تو ایک سُدس پائیگی) اور باقی ماندہ برادران وخواہران عینیہ کی اولاد کو ملیگا اور اگر وہ نہ موجود ہون تو برادران وخواہران علاتی کی اولاد کو ملیگا۔

۵۶۔ اِس مسئلہ مین علما نے اختلاف کیا ہے کہ جب برادران اخیافی کی اولاد خواہر علاتی کی اولاد کے ساتھ جمع ہو تو آیا سہام شرعیہ نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ اُن مین رسدی تقسیم کردیا جائے یا سب خواہر علاتی کی اولاد کو دیدیا جائے۔

طبقۂ ثالثہ کے ورثہ کی توریث

۵۷۔ اِس طبقہ مین متوفی کے چچا اور ماموں اور پھوپیان اور خالائین چاہے وہ کیسی ہی بعید القرابت ہون اور اُنکی اولاد داخل ہے۔

۵۸۔ چچا جب اکیلا ہو تو کُل ترکہ پاتا ہے۔ جب کئی چچا ہون تو وہ متوفی کے متروکہ کو آپسمین برابر تقسیم کرینگے۔ یہی قاعدہ پھوپھی یا پھوپیون مین جاری ہوگا۔

۵۹۔ جب چچا اور پھوپیان ہون تو دو اور ایک کی نسبت سے ترکہ پائینگی۔

(سنیون کے مذہب مین چچا سارا ترکہ پائینگے اور پھوپیون کو کچھ نہ ملیگا)

۶۰۔ جب بعض چچا اور پھوپیان ایسی ہون جو متوفی کے باپ کے برادران وخواہران اخیافی ہون اور بعض ایسے ہون جو اُسکے برادران وخواہران عینی ہون تو پہلی قسم کے چچا اور پھوپیان ایک ثلث لیکر باہم برابر تقسیم کرینگے یا اگر ایک ہی چچا یا پھوپھی اس قسم کی ہو تو وہ صرف ایک سدس پائیگی اور مابقی دوسری قسم کے چچا اور پھوپیون کو دیا جائیگا اسطرح سے کہ مرد دو حصے اور عورت ایک حصہ پائیگی۔ متوفی کے باپ کے برادران وخواہران عینی اُسکے برادران وخواہران علاتی کو محجوب الارث کردیتے ہین۔

سنیون کے مذہب میں متوفی کے باپ کے برادران عینی اور برادران علاتی دیگر ورثہ کو محجوب الارث کر دیتے ہین۔

۶۱ — چچا زاد بھائی چچا کے ساتھ ترکہ نہین پاتا اسواسطے کہ اس طبقہ مین بھی قریب القرابت ہمیشہ بعید القرابت کو محجوب الارث کر دیتا ہے الا اُس صورت مین جبکہ عینی چچا کا بیٹا اور علاتی چچا ہو تو عینی چچا کا بیٹا علاتی چچا کو محجوب الارث کر دیتا ہے۔ یہ مثال صرف اُس صورت مین صادق آئیگی جبکہ چچا زاد بھائی چچا پر ترجیح رکھتا ہو لیکن اگر علاتی چچا کے بدلے ماموں یا اخیافی چچا ہو تو چچا زاد بھائی محجوب الارث ہو جائیگا۔

۶۲ — ماموں جب اکیلا ہو تو کل ترکہ پائیگا۔ علی ہذالقیاس جب کئی ماموں یا خالائین ہون اور جب ماموں اور خالائین ایک ہی درجہ کی جمع ہو جائین تو متروکہ کو بلا امتیاز نوع برابر آپسمین تقسیم کر لینگے۔

۶۳ — جب اخیافی ماموں اور خالائین عینی ماموں اور خالاؤن کے ساتھ جمع ہون تو پہلی قسم کے ماموں اور خالائین ایک ثلث پائینگی جو بلا امتیاز نوع اُنمین برابر تقسیم کر دیا جائیگا اور دوسری قسم کے ماموں اور خالائین باقی ماندہ دو ثلث پائینگی جو اُنمین اسطرح تقسیم کیا جائیگا کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ ملیگا۔ عینی ماموں اور خالائین علاتی ماموں اور خالاؤن کو محجوب الارث کر دیتے ہین۔

۶۴ — جب ایک ماموں یا خالہ اور ایک چچا یا پھوپھی جمع ہون تو ماموں یا خالہ ایک ثلث اور چچا یا پھوپھی دو ثلث پائیگی۔ علی ہذالقیاس جب متعدد ماموں اور خالائین یا چچا اور پھوپھیان ہون

۶۵ — جب باپ کے چچا اور پھوپھیان اور ماموں اور خالائین ماں کی پھوپھیون اور ماموؤن اور خالاؤن کے ساتھ جمع ہون تو جو صرف ان کے ذریعہ سے متوفی کے قرابت دار ہین وہ ایک ثلث پائینگی جو اُنمین برابر تقسیم کر دیا جائیگا اور جو باپ کے ذریعہ سے اُسکے قرابت دار ہین وہ دو ثلث پائینگے جسمین سے ایک ثلث باپ کے ماموؤن اور خالاؤن مین برابر تقسیم کر دیا جائیگا اور باقی ماندہ ایک ثلث اُسکے چچا اور پھوپھیون مین غیر مساوی تقسیم

شیعون کے مذہب مین متوفی کے باپ کے برادران عینی اور برادران علاتی دیگر ورثہ کو محجوب الارث کردیتے ہین۔

۶۱ — چچازاد بھائی چچا کے ساتھ ترکہ نہین پاتا اسواسطے کہ اس طبقہ مین بھی قریب القرابت ہمیشہ بعید القرابت کو محجوب الارث کردیتا ہے الا اُس صورت مین جبکہ عینی چچا کا بیٹا اور علاتی چچا ہو تو عینی چچا کا بیٹا علاتی چچا کو محجوب الارث کردیتا ہے — یہ مثال صرف اُس صورت مین صادق آئیگی جبکہ چچازاد بھائی چچا پر ترجیح رکھتا ہو لیکن اگر علاتی چچا کے بدلے ماموں یا اخیافی چچا ہو تو چچازاد بھائی محجوب الارث ہوجائیگا —

۶۲ — ماموں جب اکیلا ہو تو کل ترکہ پائیگا — علی ہذالقیاس جب کئی ماموں یا خالائین ہون جب ماموں اور خالائین ایک ہی درجہ کی جمع ہوجائین تو متروکہ کو بلا امتیاز نوع برابر آپسمین تقسیم کرلینگے —

۶۳ — جب اخیافی ماموں اور خالائین عینی ماموں اور خالاؤن کے ساتھ جمع ہون تو پہلی قسم کے ماموں اور خالائین ایک ثلث پائینگی جو بلا امتیاز نوع اُنمین برابر تقسیم کردیا جائیگا اور دوسری قسم کے ماموں اور خالائین باقی ماندہ دوثلث پائینگی جو اُنمین اسطرح تقسیم کیا جائیگا کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ ملیگا — عینی ماموں اور خالائین علاتی ماموں اور خالاؤن کو محجوب الارث کردیتے ہین —

۶۴ — جب ایک ماموں یا خالہ اور ایک چچا یا پھوپھی جمع ہون تو ماموں یا خالہ ایک ثلث اور چچا یا پھوپھی دوثلث پائیگی — علی ہذالقیاس جب متعدد ماموں اور خالائین یا چچا اور پھوپھیان ہون

۶۵ — جب باپ کے چچا اور پھوپھیان اور ماموں اور خالائین مان کی پھوپھیون اور ماموؤن اور خالاؤن کے ساتھ جمع ہون تو جو صرف ان کے ذریعہ سے متوفی کے قرابت دار ہین وہ ایک ثلث پائینگی جو اُنمین برابر تقسیم کردیا جائیگا اور جو باپ کے ذریعہ سے اُسکے قرابت دار ہین وہ دوثلث پائینگے جسمین سے ایک ثلث باپ کے ماموؤن اور خالاؤن مین برابر تقسیم کردیا جائیگا اور باقی ماندہ ایک ثلث اُسکے چچا اور پھوپھیون مین غیر مساوی تقسیم

۷۰ — جب زوجہ کو طلاق بائن دیدیا گیا ہو تو وہ اپنے شوہر سابق کی وارث نہوگی اور نہ اسکے مرنے کے بعد اسکی وارث ہوگی اگر نکاح شوہر کی بیماری کے عالم مین ہوا ہو اور بیماری کی وجہ[1] سے زفاف کی نوبت نہ آئی ہو۔ لکن اگر زوجہ اپنے بیمار شوہر سے پیشتر مرجائے تو حق وراثت قائم ہوجائیگا۔ علی ہذالقیاس اگر نکاح کے زمانہ مین عورت بیمار رہے اور اُسی بیماری سے قبل زفاف مرجائے تو شوہر اسکی توریث کا مستحق ہوگا۔

۷۱ — اگر کسی عورت کو اسکا شوہر اپنی بیماری کے زمانہ مین طلاق دیدی اور اُس بیماری سے جان بر نہو تو اُس عورت کا حق وراثت شوہر کی جائداد مین ایک سال تک قائم رہیگا تا کہ اگر اسکا شوہر اُس سال کے اندر مرجائے تو وہ اسکی وارث ہو لکن اگر اسکا شوہر اس میعاد کے اندر اچھا ہوجائے اور پھر اُسی بیماری سے یا اور کسی مرض سے مرجائے تو وہ اسکی وارث نہوگی۔ لکن اگر زوجہ اُس سال کے اندر بھی مرجائے تو بھی شوہر کو کوئی حق اسکی توریث کا نہ حاصل ہوگا۔

(سنیون کے مذہب مین حق وراثت اُسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک کہ زوجہ عدۂ شرعیہ کو پورا کرے)

۷۲ — شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کی توریث کے اُسوقت تک مستحق رہینگے جبتک کہ انکا نکاح حقیقۃً یا شرعًا باقی رہے۔

۷۳ — نابالغ مرد اور عورت جنکا نکاح اُنکے باپ یا دادا نے کردیا ہو باہم حق وراثت رکھتے ہین۔ لکن اگر انکا نکاح باپ اور دادا کے سوائے اور کسی ولی نے کردیا ہو تو وہ نکاح اُسوقت تک معطل رہیگا جبتک وہ بالغ ہوکر اُسکو منظور و قبول کرلین۔ اور اگر اُنمین سے ایک قبل منظوری یا تصدیق نکاح کے مرجائے تو جو زندہ رہا ہے اُسکو کوئی حق وراثت نہ حاصل ہوگا۔

(سنیون کا بھی یہی قول ہے)

۷۴ — اگر دو نابالغون مین سے ایک نابالغ نے بعد بلوغ نکاح کی تصدیق

---

[1] صحت اُس نکاح کی جو شوہر کی بیماری مین ہوا ہو زفاف پر موقوف ہے ۱۲ — منہ

۷ — جب زوجہ کو طلاق بائن دیدیا گیا ہو تو وہ اپنے شوہر سابق کی وارث نہوگی اور نہ اسکے مرنے کے بعد اسکی وارث ہوگی اگر نکاح شوہر کی بیماری کے عالم مین ہوا ہو اور بیماری کی وجہ[1] سے زفاف کی نوبت نہ آئی ہو۔ لیکن اگر زوجہ اپنے بیمار شوہر سے پیشتر مرجائے تو حق وراثت قائم ہوجائیگا — علی ہذالقیاس اگر نکاح کے زمانہ مین عورت بیمار رہے اور اُسی بیماری سے قبل زفاف مرجائے تو شوہر اسکی توریث کا مستحق ہوگا۔

۷۱ — اگر کسی عورت کو اسکا شوہر اپنی بیماری کے زمانہ مین طلاق دیدی اور اُس بیماری سے جان بر نہو تو اُس عورت کا حق وراثت شوہر کی جائداد مین ایک سال تک قائم رہیگا تا کہ اگر اسکا شوہر اُس سال کے اندر مرجائے تو وہ اسکی وارث ہو لیکن اگر اسکا شوہر اس میعاد کے اندر اچھا ہوجائے اور پھر اُسی بیماری سے یا اور کسی مرض سے مرجائے تو وہ اسکی وارث نہوگی — لیکن اگر زوجہ اُس سال کے اندر بھی مرجائے تو بھی شوہر کو کوئی حق اُسکی توریث کا نہ حاصل ہوگا —

(سنیون کے مذہب مین حق وراثت اُسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک کہ زوجہ عدۃ شرعیہ کو پورا کرے)

۷۲ — شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کی توریث کے اُسوقت تک مستحق رہینگے جبتک کہ انکا نکاح حقیقۃً یا شرعًا باقی رہے —

۷۳ — نابالغ مرد اور عورت جنکا نکاح اُنکے باپ یا دادا نے کردیا ہو باہم حق وراثت رکھتے ہین — لیکن اگر انکا نکاح باپ اور دادا کے سوا اور کسی ولی نے کردیا ہو تو وہ نکاح اُسوقت تک معطل رہیگا جبتک وہ بالغ ہوکر اُسکو منظور و قبول کرلین — اور اگر اُنمین سے ایک قبل منظوری یا تصدیق نکاح کے مرجائے تو جو زندہ رہا ہے اُسکو کوئی حق وراثت نہ حاصل ہوگا —

(سنیون کا بھی یہی قول ہے)

۷۴ — اگر دو نابالغون مین سے ایک نابالغ نے بعد بلوغ نکاح کی تصدیق

[1] صحت اُس نکاح کی جو شوہر کی بیماری مین ہوا ہو زفاف پر موقوف ہے ۱۲ — منہ

۷۹ - جس عورت سے متعہ کیا ہو وہ بھی میراث کی مستحق ہے اگر اس مضمون کی کوئی خاص شرط متعہ مین ہو گئی ہو - اُس صورت مین وہ مثل زوجہ منکوحہ کے وارث ہو گی -

(سنیون کے نزدیک متعہ ناجائز ہے)

۸۰ - اگر کوئی عورت اپنے مرنے کے بعد صرف ایک شوہر کو اپنا وارث چھوڑ جائے تو شوہر کل ترکہ پائیگا - نصف بطور سہم شرعی اور نصف رداً - لکن جب زوجہ اپنے شوہر کی اکیلی وارث ہو تو اُسکا اور حکم ہے یعنی اُسکو ایک ربع ملیگا اور باقی امام زمانؑ کا مال ہے مگر اس مسئلہ مین علماے شیعہ مین بڑا اختلاف ہے - بعض علما کا قول ہے کہ زوجہ بھی رداً پانے کی مستحق ہے -

شافعیہ کے نزدیک شوہر یا زوجہ باقی پانے کی مستحق نہین ہے - یعنی اُنکے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر مر جائے اور ایک زوجہ کے سواے اور کوئی وارث نہ چھوڑے یا زوجہ مر جائے اور سواے شوہر کے دوسرا وارث نہ چھوڑے تو سہم شرعی نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہیگا وہ بیت المال مین چلا جائیگا -

زمانۂ سابق مین حنفیہ باقی جائداد شوہر کو دیتے تھے مگر زوجہ کو نہین دیتے تھے مثلاً اگر کوئی عورت سواے شوہر کے اور کوئی وارث نہ چھوڑتی تھی تو شوہر اُسکا کل ترکہ پاتا تھا - لکن اگر کوئی مرد سواے ایک زوجہ کے اور کوئی وارث نہ چھوڑتا تھا تو زوجہ کو اُسکا حصہ ایک ربع ملتا تھا اور باقی بیت المال مین چلا جاتا تھا - مگر متاخرین علماے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ چونکہ ابتداے اسلام مین بیت المال غربا و مساکین اہل اسلام کے فائدہ کے لیے اور سلطنت اسلامیہ کی ترقی و بہبود کے واسطے رکھا گیا تھا اور اب اِس زمانہ مین بیت المال کی یہ کیفیت مطلق نہین باقی رہی ہے بلکہ بیت المال فی زمانناً خزانہ سرکاری ہے لہذا بیت المال مین چلے جانے کا مسئلہ شوہر یا زوجہ کی وراثت مین اب نہین جاری ہو سکتا - پس اُن علما کا قول ہے کہ جب کسی شخص نے ایک زوجہ کے

۷۹۔ جس عورت سے متعہ کیا ہو وہ بھی میراث کی مستحق ہے اگر اس مضمون کی کوئی خاص شرط متعہ مین ہو گئی ہو۔ اُس صورت مین وہ مثل زوجہ منکوحہ کے وارث ہو گی۔

(سنیون کے نزدیک متعہ ناجائز ہے)

۸۰۔ اگر کوئی عورت اپنے مرنے کے بعد صرف ایک شوہر کو اپنا وارث چھوڑ جائے تو شوہر کل ترکہ پائیگا۔ نصف بطور سہم شرعی اور نصف ردّاً۔ لکن جب زوجہ اپنے شوہر کی اکیلی وارث ہو تو اُسکا اور حکم ہے یعنی اُسکو ایک ربع ملیگا اور باقی امام زمانؑ کا مال ہے مگر اس مسئلہ مین علماے شیعہ مین بڑا اختلاف ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ زوجہ بھی ردّاً پانے کی مستحق ہے۔

شافعیہ کے نزدیک شوہر یا زوجہ مابقی پانے کی مستحق نہین ہے۔ یعنی اُنکے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر مر جائے اور ایک زوجہ کے سواے اور کوئی وارث نہ چھوڑے یا زوجہ مر جائے اور سواے شوہر کے دوسرا وارث نہ چھوڑے تو سہم شرعی نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہیگا وہ بیت المال مین چلا جائیگا۔

زمانہ سابق مین حنفیہ مابقی جائداد شوہر کو دیتے تھے مگر زوجہ کو نہین دیتے تھے مثلاً اگر کوئی عورت سواے شوہر کے اور کوئی وارث نہ چھوڑتی تھی تو شوہر اُسکا کل ترکہ پاتا تھا۔ لکن اگر کوئی مرد سواے ایک زوجہ کے اور کوئی وارث نہ چھوڑتا تھا تو زوجہ کو اُسکا حصہ ایک ربع ملتا تھا اور باقی بیت المال مین چلا جاتا تھا۔ مگر متاخرین علماے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ چونکہ ابتداے اسلام مین بیت المال غربا و مساکین اہل اسلام کے فائدہ کے لیے اور سلطنت اسلامیہ کی ترقی و بہبود کے واسطے رکھا گیا تھا اور اب اِس زمانہ مین بیت المال کی یہ کیفیت مطلق نہین باقی رہی ہے بلکہ بیت المال فی زمانناً خزانہ سرکاری ہے لہذا بیت المال مین چلے جانے کا مسئلہ شوہر یا زوجہ کی وراثت مین اب نہین جاری ہو سکتا۔ پس اُن علما کا قول ہے کہ جب کسی شخص نے ایک زوجہ کے

لہذا ایسا مال مجتہد یا حاکم کے حوالہ کیا جائیگا تاکہ متوفی کے شیعہ مذہب اور غریب و مسکین ہمسائیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ غربا ، اولاد رسول یعنی مساکین سادات کو ہمیشہ ترجیح دیجائیگی۔

موانع الارث

شیعوں کے نزدیک موانع ارث تین ہیں۔ (۱) کفر۔ (۲) قتل عمد۔ (۳) رقیت یعنی غلامی جو لوگ اسلام کے سوائے اور کوئی مذہب رکھتے ہیں وہ مسلم متوفی کی وراثت کے مستحق نہیں ہیں اس پس اگر کوئی شیعہ مسلمان ایک غیر مسلم وارث چھوڑ جائے تو وہ محجوب الارث ہوگا گو متوفی کا کیسا ہی عزیز قریب ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک غیر مسلم بیٹا اور ایک مسلم پوتا چھوڑ جائے تو بیٹا محجوب الارث ہوگا اور پوتا کل جائداد لیکر اپنے باپ کو محروم کر دیگا

(یہی قول سنیوں کا بھی ہے)

اگر کوئی شیعہ مسلمان اپنے مرنے کے بعد سب غیر مسلم ورثہ چھوڑ جائے تو وہ سب محجوب الارث ہونگے اور وراثت امامؑ سے متعلق ہوگی۔

(سنیوں کے نزدیک ایسے مسلمان کا متروکہ بیت المال میں چلا جائیگا)

ایکٹ ۲۱ ؁ ۱۸۵۰ء نے مسلمانوں کے قانون وراثت میں کچھ تغیر و تبدل کیا ہے۔ وہ اصول جسکے بموجب غیر مسلم محجوب الارث کر دیے گئے تھے اُن اشخاص پر بھی صادق آتا تھا جو کسی اور مذہب میں پیدا ہوے ہوں اور اُن اشخاص پر بھی جنھوں نے اسلام ترک کر دیا ہو یعنی مرتد ہو گئے ہوں۔ یعنی کافر فطری اور مرتد دونوں اس حکم شرع میں داخل تھے۔ پس اگر متوفی تین وارث چھوڑ جاتا اور انمیں سے ایک غیر مسلم اور دوسرا مرتد اور تیسرا مسلم ہوتا تو شرع شریف کی رو سے پہلے دو وارث بالکل محجوب الارث رہتے اور کل ترکہ وارث مسلم کو ملتا گو وہ متوفی سے کیسا ہی بعید القرابت ہوتا۔ جو تغیر اس قاعدہ میں ایکٹ ۲۱ ؁ ۱۸۵۰ء سے ہوا ہے وہ نہایت اہم ہے۔ اس ایکٹ میں صرف ایک دفعہ ہے مگر اُسکا اثر یہ ہوا ہے کہ اکثر مقدمات میں ضابطۂ وراثت اپنی ہیئت اصلی سے

لہذا ایسا مال مجتہد یا حاکم کے حوالہ کیا جائیگا تاکہ متوفی کے شیعہ مذہب اور غریب و مسکین ہمسائیوں میں تقسیم کردیا جائے۔ غربا، اولاد رسول یعنی مساکین سادات کو ہمیشہ ترجیح دیجائیگی۔

موانع الارث

شیعوں کے نزدیک موانع ارث تین ہیں۔ (۱) کفر۔ (۲) قتل عمد۔ (۳) رقیت یعنی غلامی
جو لوگ اسلام کے سوائے اور کوئی مذہب رکھتے ہیں وہ مسلم متوفی کی وراثت کے مستحق نہیں ہیں اس پس اگر کوئی شیعہ مسلمان ایک غیر مسلم وارث چھوڑ جائے تو وہ محجوب الارث ہوگا گو متوفی کا کیسا ہی عزیز قریب ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک غیر مسلم بیٹا اور ایک مسلم پوتا چھوڑ جائے تو بیٹا محجوب الارث ہوگا اور پوتا کل جائداد لیکر اپنے باپ کو محروم کردیگا

(یہی قول سنیوں کا بھی ہے)

اگر کوئی شیعہ مسلمان اپنے مرنے کے بعد سب غیر مسلم ورثہ چھوڑ جائے تو وہ سب محجوب الارث ہونگے اور وراثت امامؑ سے متعلق ہوگی۔

(سنیوں کے نزدیک ایسے مسلمان کا متروکہ بیت المال میں چلا جائیگا)

ایکٹ ۲۱ء ۱۸۵۰ء نے مسلمانوں کے قانون وراثت میں کچھ تغیر و تبدل کیا ہے۔ وہ اصول جسکے بموجب غیر مسلم محجوب الارث کردیے گئے تھے اُن اشخاص پر بھی صادق آتا تھا جو کسی اور مذہب میں پیدا ہوئے ہوں اور اُن اشخاص پر بھی جنھوں نے اسلام ترک کردیا تھا یعنی مرتد ہوگئے ہوں۔ یعنی کافر فطری اور مرتد دونوں اس حکم شرع میں داخل تھے۔ پس اگر متوفی تین وارث چھوڑ جاتا اور ان میں سے ایک غیر مسلم اور دوسرا مرتد اور تیسرا مسلم ہوتا تو شرع شریف کی رو سے پہلے دو وارث بالکل محجوب الارث رہتے اور کل ترکہ وارث مسلم کو ملتا گو وہ متوفی سے کیسا ہی بعید القرابت ہوتا۔ جو تغیر اس قاعدہ میں ایکٹ ۲۱ ۱۸۵۰ء سے ہوا ہے وہ نہایت اہم ہے۔ اس ایکٹ میں صرف ایک دفعہ ہے مگر اُسکا اثر یہ ہوا ہے کہ اکثر مقدمات میں ضابطۂ وراثت اپنی ہیئت اصلی سے

جب والدین مین سے ایک مسلم ہو تو اولاد شرعاً مسلم قیاس کیجائیگی جبتک کہ وہ خود کوئی مذہب اختیار کرنے کے لائق ہو جائے اور اسکا حق وراثت تابع احکام شرع ہوگا

مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہین گو مختلف فرقون سے ہون —

(یہی سنیون کا بھی قول ہے)

وراثت مرتد کے باب مین بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا یعنی کو مرتد قرابتدار مسلم کا وارث نہوگا مگر ورثہ مسلم مرتد کے وارث ہونگے —

شافعیہ کے نزدیک مرتد کا متروکہ بیت المال مین چلا جائیگا خواہ اُسکا کوئی وارث ہو خواہ نہو

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی مرد مرتد ہو جائے تو جسوقت اُسنے جائداد حاصل کی تھی اسکی نسبت کچھ فرق رکھا جائیگا — مثلاً اگر مرتد ہونے کے قبل اُسنے جائداد حاصل کی ہو تو وہ ورثہ مسلم کو ملیگی لیکن اگر مرتد ہونے کے بعد حاصل کی ہو تو بیت المال مین چلی جائیگی — اسیطرح جو حصہ مرتد نے قبل ارتداد حاصل کیا ہو وہ ورثہ مسلم کو ملیگا اور جو حصہ بعد ارتداد حاصل کیا ہو وہ بیت المال مین چلا جائیگا —

یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ کا ہے اور جو اصول اُنھون نے قائم کردیا ہے اُسی کی پابندی اکثر بلاد اسلام مین کیجاتی ہے — مگر امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس مسئلہ مین امام اعظم سے اختلاف کیا ہے اور ان دونون صاحبون نے شیعون سے اِسمین اتفاق کیا ہے کہ کُل جائداد مرتد کی ورثہ مسلم کو ملیگی[1] لیکن اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اُسکی کُل جائداد خواہ قبل ارتداد خواہ بعد ارتداد حاصل ہوئی ہو ورثہ مسلم کو ملیگی[2] —

سنیون کے مذہب مین اختلاف ملک بھی جس سے دوسرے ملک کے بادشاہ کی رعیت ہونا لازم آوے مانع ارث ہے — مگر یہ صرف غیر مسلم پر صادق آتا ہے — مسلمین گو مختلف

[1] سر جان فیر صاحب جج ہائی کورٹ کلکتہ کا حکم مقدمہ زینب بی بی مصدرہ ۱۸۰۶ء جسکا رپورٹ نہین ہوا ہے ملاحظہ ہو

[2] سراجیہ صفحہ ۱۰۵ اور فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۶۳ — ۱۲ منہ

جب والدین مین سے ایک مسلم ہو تو اولاد شرعاً مسلم قیاس کیجائیگی جبتک کہ وہ خود
کوئی مذہب اختیار کرنے کے لائق ہو جائے اور اسکا حق وراثت تابع احکام شرع ہوگا۔
مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہین گو مختلف فرقون سے ہون۔

(یہی سنیون کا بھی قول ہے)

وراثت مرتد کے باب مین بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا یعنی گو مرتد قرابت دار مسلم کا وارث
نہوگا مگر ورثہ مسلم مرتد کے وارث ہونگے۔
شافعیہ کے نزدیک مرتد کا متروکہ بیت المال مین چلا جائیگا خواہ اُسکا کوئی وارث ہو خواہ نہو
حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی مرد مرتد ہو جائے تو جسوقت اُسنے جائداد حاصل کی تھی
اسکی نسبت کچھ فرق رکھا جائیگا۔ مثلاً اگر مرتد ہونے کے قبل اُسنے جائداد حاصل کی ہو تو
وہ ورثہ مسلم کو ملیگی لیکن اگر مرتد ہونے کے بعد حاصل کی ہو تو بیت المال مین چلی جائیگی۔ اسیطرح
جو حصہ مرتد نے قبل ارتداد حاصل کیا ہو وہ ورثہ مسلم کو ملیگا اور جو حصہ بعد ارتداد حاصل کیا ہو
وہ بیت المال مین چلا جائیگا۔
یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ کا ہے اور جو اصول اُنھون نے قائم کر دیا ہے اُسی کی پابندی
اکثر بلاد اسلام مین کیجاتی ہے۔ مگر امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس مسئلہ مین امام اعظم سے
اختلاف کیا ہے اور ان دونون صاحبون نے شیعون سے اِسمین اتفاق کیا ہے کہ کُل
جائداد مرتد کی ورثہ مسلم کو ملیگی[۱] لیکن اگر کوئی عورت مرتد ہو جائے تو اُسکی کُل جائداد خواہ قبل
ارتداد خواہ بعد ارتداد حاصل ہوئی ہو ورثہ مسلم کو ملیگی[۲]۔
سنیون کے مذہب مین اختلاف ملک بھی جس سے دوسرے ملک کے بادشاہ کی رعیت
ہونا لازم آوے مانع ارث ہے۔ مگر یہ صرف غیر مسلم پر صادق آتا ہے۔ مسلمین گو مختلف

---

[۱] سر جان پیر صاحب جج ہائی کورٹ کلکتہ کا حکم مقدمہ زینب بی بی مصدرہ ۱۸۶۳ء جسکا رپورٹ نہین ہوا ہے ملاحظہ ہو
[۲] دیکھو سراجیہ صفحہ ۵۰ اور فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۳۳ جلد ۲ (سنہ ۱۸۱۲ء؟)

متوفی سے ایسی ہی قرابت قریبہ رکھتا ہو۔ اگر کسی لونڈی یا غلام کی کوئی اولاد ہو اور وہ حر ہو تو وہ بہ ترجیح اپنی ماں یا باپ کے وارث ہوگی۔

۲۔ شیعوں کے مذہب میں حرامزادگی مانع ارث ہے۔ مگر ولدالزنا اور ولدالملاعنہ میں فرق کیا گیا ہے (ولدالملاعنہ وہ ہے جسکی ولدیت کا انکار اسکے باپ نے کیا ہو) ولدالزنا خواہ لڑکا ہو یا لڑکی نہ تو سمجھا جاتا اور والدین کی نسبت سے نہیں تصور کیا جاتا لہذا والدین میں سے کسیکا وارث نہیں ہو سکتا۔ اگر ولدالزنا مر جائے اور والدین یا ایسے اقربا چھوڑ جائے جو والدین کے ذریعہ سے اسکے قرابت دار ہوں تو انمیں سے کوئی اسکا وارث نہوگا۔

ولدالزنا کی اولاد حلال اور اسکی زوجہ یا شوہر اسکے وارث ہونگے اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہونگے۔ لکن جب ولدالزنا کوئی اولاد حلال یا کوئی شوہر یا زوجہ نہ چھوڑے تو اسکی جائداد امام کو ملیگی۔ مگر ولدالملاعنہ کے باب میں حکم شرع اور ہے۔ ایسی اولاد اپنی ماں اور اسکے عزیزوں سے نسب رکھتی ہے لہذا انکی وارث ہوتی ہے اور وہ اسکے وارث ہوتے ہیں پدر ملاعن اور جو لوگ اسکے ذریعہ سے قرابت رکھتے ہوں ولدالملاعنہ کے وارث نہیں ہوتے گو بعد ازاں باپ اسکی ولدیت کا اقرار بھی کرلے۔ لکن اگر ولدیت کا انکار کرنے کے بعد پھر اسکا اقرار کرلیا جائے یعنی باپ اپنے انکار ولدیت کو واپس کرلے تو وہ لڑکا باپ کا ترکہ تو پائیگا مگر اقربائے پدری کا ترکہ نہ پائیگا۔[سلہ]

سنیوں کے مذہب میں ولدالزنا اور ولدالملاعنہ دونوں برابر ہیں۔ ولدالزنا اور ولدالملاعنہ دونوں اپنی ماں اور اقربائے مادری کا ترکہ پاتے ہیں اور وہ بھی اسکا ترکہ پاتے ہیں مگر یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ بعض علمائے شیعہ علمائے اہل سنت سے اسمیں متفق ہیں کہ ولدالزنا اپنی ماں اور اقربائے مادری کا ترکہ پانے کا مستحق ہے۔ ہندوستان کی عدالتوں نے پہلے مسئلہ کو اختیار کرکے اسکے موافق عمل کیا ہے۔

سلہ شرائع الاسلام جامع الشتات ۱۲ منہ سلہ فتاوای عالمگیری صفحہ ۶۲۹ ۔ ۱۲ منہ سلہ سدرلینڈ صاحب کا ویکلی رپورٹر صفحہ ۱۲ ۵ ۔ ۱۲ منہ

محجوب الارث ہونے کے اصول

حجب دو قسم کا ہے — الحجب عن بعض الفرض۔ اور الحجب عن الاصل

عام اصول یہ ہے کہ عزیز قریب عزیز بعید کا حاجب ہوتا ہے —

(یہی اصول سنیون کا بھی عصبات کی میراث مین ہے)

طبقۂ ثانیہ کے وارث کا حاجب طبقۂ اولیٰ کا وارث ہوتا ہے اسمین کچھ ذکور و اناث کا امتیاز نہین ہے — مثلاً بیٹی پوتی کی حاجب ہوتی ہے —

جب متعدد اولاد صلبی کئی طبقون کے ہون تو قریب بعید کا حاجب ہوتا ہے۔

اولاد حقیقی اور سب اقربا کی حاجب ہوتی ہے سوائے والدین اور شوہر یا زوجہ کے

بھائی اور بہنین بھانجون بھتیجون اور بھانجیون بھتیجیون کی حاجب ہوتی ہین —

اقربائے نسبی مین بھی قریب بعید کا حاجب ہوتا ہے — مثلاً طبقۂ ثانیہ کے اقربائے نسبی یعنی بھائی اور بہنین اور اُنکی اولاد طبقۂ ثالثہ کے اقربا یعنی چچا اور پھوپی اور ماموں اور خالہ اور اُنکی اولاد کی حاجب ہوتی ہے —

اقربائے عینی اقربائے علاتی کے حاجب ہوتے ہین بشرطیکہ ایک طبقہ کے ہون

اول درجہ کے اجداد دوسرے درجہ کے اجداد کے حاجب ہوتے ہین —

قرابت دار نسبی چاہے کیسا ہی دور کا رشتہ دار ہو عاتق کو محجوب الارث کر دیتا ہے —

(سنیون کے مذہب مین عاتق ذوی الارحام پر ترجیح رکھتا ہے)

الحجب عن بعض الفرض یعنی سہام شرعیہ مین کمی تین صورتون مین ہوتی ہے —

(۱) جب متوفی کی اولاد زوجہ یا شوہر کے حصہ کو ایک ربع یا ایک نصف سے کم کر کے ایک ثمن یا ایک ربع کر دیتی ہے —

(۲) جب متوفی کی اولاد اُسکی مان کے حصہ کو ایک ثلث سے گھٹا کر ایک سدس کر دیتی ہے گو خود اُس اولاد کو کچھ نہ ملے —

محجوب الارث ہونے کے اصول

حجب دو قسم کا ہے — الحجب عن بعض الفرض - اور الحجب عن الاصل

عام اصول یہ ہے کہ عزیز قریب عزیز بعید کا حاجب ہوتا ہے —

(یہی اصول سینون کا بھی عصبات کی میراث مین ہے)

طبقۂ ثانیہ کے وارث کا حاجب طبقۂ اولیٰ کا وارث ہوتا ہے اسمین کچھ ذکور واناث کا امتیاز نہین ہے — مثلاً بیٹی پوتی کی حاجب ہوتی ہے —

جب متعدد اولاد صلبی کئی طبقون کے ہون تو قریب بعید کا حاجب ہوتا ہے —

اولاد حقیقی اور سب اقربا کی حاجب ہوتی ہے سوائے والدین اور شوہر یا زوجہ کے

بھائی اور بہنین بھانجون بھتیجون اور بھانجیون بھتیجیون کی حاجب ہوتی ہین —

اقربائے نسبی مین بھی قریب بعید کا حاجب ہوتا ہے - مثلاً طبقۂ ثانیہ کے اقربائے نسبی یعنی بھائی اور بہنین اور اُنکی اولاد طبقۂ ثالثہ کے اقربا یعنی چچا اور پھوپی اور ماموں اور خالہ اور اُنکی اولاد کی حاجب ہوتی ہے —

اقربائے عینی اقربائے علاتی کے حاجب ہوتے ہین بشرطیکہ ایک طبقہ کے ہون

اوّل درجہ کے اجداد دوسرے درجہ کے اجداد کے حاجب ہوتے ہین —

قرابت دار نسبی چاہے کیسا ہی دور کا رشتہ دار ہو عاتق کو محجوب الارث کر دیتا ہے —

(سینون کے مذہب مین عاتق ذوی الارحام پر ترجیح رکھتا ہے)

الحجب عن بعض الفرض یعنی سہام شرعیہ کی کمی تین صورتون مین ہوتی ہے —

(۱) جب متوفی کی اولاد زوجہ یا شوہر کے حصہ کو ایک ربع یا ایک نصف سے کم کر کے ایک ثمن یا ایک ربع کر دیتی ہے —

(۲) جب متوفی کی اولاد اُسکی مان کے حصہ کو ایک ثلث سے گھٹا کر ایک سدس کر دیتی ہے گو خود اُس اولاد کو کچھ نہ ملے —

اولاد اور باپ اور دادا ہے - ان سب[1] دادیون اور نانیون کی حاجب ہے -

عام احکام میراث

محجوب الارث ہونے کے اسباب جو کفر اور قتل انسان ہین انکا اثر اُس شخص کی ذات خاص پر محدود ہے جو کافر ہو یا ہو گیا ہو یا جو مرتکب جرم قتل عمد کا ہوا ہو دیگر جملہ اشخاص کی نسبت اِن دونون سببون کا اثر ایسا ہوتا ہے کہ گویا وہ شخص مرگیا ہے - مگر اُن دو اصولِ حجب کا اثر جو ایسی خاص ورثہ کے موجود ہونے سے پیدا ہوے ہین جو دیگر ورثہ پر وراثتًا ترجیح رکھتے ہین یہ ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص محجوب الارث ہو جاتے ہین یعنی جب ایک شخص کو دوسرے شخص نے محجوب الارث کر دیا ہے تو یہ محجوب اورون کا یا بالکل حاجب ہو سکتا ہے یا اُنکے حصون کو کم کر دیتا ہے - یا یون کہیے کہ جو شخص متوفی کی قرابت سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے اورون کے حجب کا باعث ہو سکتا ہے گو حجب کلی نہین حجب جزئی سہی[2] -

عام احکام میراث مختصر طور سے اسطرح بیان ہو سکتے ہین

(۱) جو شخص متوفی سے قرابت قریبہ رکھتا ہو وہ بترجیح اُس شخص کے پاتا ہے جو اُس سے قرابت بعیدہ رکھتا ہو - (۲) جو وارث متوفی سے دوہری قرابت رکھتا ہو وہ اُس وارث پر ترجیح رکھتا ہے جو اُس سے ایک ہی قرابت رکھتا ہو (یا باپ کی جانب سے) - (۳) جو شخص دوسرے شخص کے ذریعہ سے متوفی سے قرابت رکھتا ہو اُسکا وارث نہ ہوگا درانحالیکہ وہ دوسرا شخص زندہ ہو - (۴) جب قرابت مساوی درجہ کی ہو تو مرد عورت کا دوچند[3] پائیگا -

عول یعنی اضافہ میراث کا مسئلہ جو سنیون مین جاری ہے شیعون کے نزدیک ناجائز ہے

[1] حجب کی مثالین فتاواے عالمگیری جلد ۶ صفحہ ۶۳۰ مین لکھے ہین - [illegible] صفحہ ۸۶ - ۱۲۰

[3] ان قواعد عامہ کے قائل کسیقدر اختلاف کیساتھ اہل سنت بھی ہین لیکن اختلاف اس وجہ سے ہے کہ اہل سنت نے ذوالارحام کا دوسرا درجہ قرار دیا ہے

عول فقہاے اہل سنت کی اصطلاح مین اسکو کہتے ہین کہ سہام مطلوبہ حاصل کرنے کیلیے مقسم مشترک مین ایک نسبتی اضافہ کردیا جاتا ہے — مثلاً اگر کوئی عورت ایک شوہر دو بیٹیان اور ایک مان چھوڑ جاے تو اُنکی سہام شرعیہ ایک ربع دو ثلث اور ایک سُدس ہونگے — اِس صورت مین مقسم مشترک بارہ ہے جس سے وہ سہام نکلتے ہین جنمین جائداد تقسیم کرنی پڑیگی — یعنی شوہر کا حصہ تین اور بیٹیون کا حصہ آٹھ اور مان کا حصہ دو ہوگا مگر تین اور دو اور آٹھ کا مجموع تیرہ ہوتا ہے — لہذا اہل سنت جائداد کو تیرہ[13] حصو نمین تقسیم کرتے ہین تاکہ ہر ایک وارث کو اسکا پورا اور ٹھیک سہم شرعی ملے — شیعہ اس خود رایانہ تقسیم کو جائز نہین جانتے — بلکہ جب وہ دیکھتے ہین کہ جائداد تقسیم مین سہام مطلوبہ سے کم پڑتی ہے تو وہ کمی اُس وارث یا اُن ورثہ پر عائد ہوتی ہے جنکا حصہ یا حق تغیر پذیر یا اختلاف پذیر ہو — مثلاً صورتِ مذکورۂ بالا مین شیعون کے نزدیک مان اور شوہر اپنے پورے حصے بلا کم و کاست پائینگے اور باقی $\frac{۷}{۱۲}$ دونون بیٹیون پر تقسیم کردیا جائیگا[1] —

---

[1] صاحب مفاتیح اور صاحب روضۃ الاحکام دونون کو اتفاق ہے کہ ایسی کمی بیٹی یا بیٹیون پر یا اُن اشخاص پر (جیسے بہن یا بہنین) — عائد ہوگی جو مان اور باپ دونون کی طرف سے قرابت رکھتے ہون یا صرف باپ کی جانب سے قرابت رکھتے ہون مان کی طرف کے عزیزون پر نہ عائد ہوگی ۱۲ منہ

عول فقہاے اہل سنت کی اصطلاح مین اسکو کہتے ہین کہ سہام مطلوبہ حاصل کرنے کیلیے
مقسم مشترک مین ایک نسبتی اضافہ کردیا جاتا ہے — مثلاً اگر کوئی عورت ایک شوہر دو بیٹیان
اور ایک مان چھوڑ جاے تو انکی سہام شرعیہ ایک ربع دو ثلث اور ایک سدس ہونگے —

اِس صورت مین مقسم مشترک بارہ ہے جس سے وہ سہام نکلتے ہین جنمین جائداد
تقسیم کرنی پڑیگی — یعنی شوہر کا حصہ تین اور بیٹیون کا حصہ آٹھ اور مان کا حصہ دو ہوگا
مگر تین اور دو اور آٹھ کا مجموعہ تیرہ ہوتا ہے — لہٰذا اہل سنت جائداد کو تیرہ $\frac{13}{13}$
حصون مین تقسیم کرتے ہین تاکہ ہر ایک وارث کو اسکا پورا اور ٹھیک سہم شرعی ملے —

شیعہ اس خود رایانہ تقسیم کو جائز نہین جانتے — بلکہ جب وہ دیکھتے ہین کہ
جائداد تقسیم مین سہام مطلوبہ سے کم پڑتی ہے تو وہ کمی اُس وارث یا اُن ورثہ پر عائد ہوتی ہے
جنکا حصہ یا حق تغیر پذیر یا اختلاف پذیر ہو — مثلاً صورت مذکورہ بالا مین شیعون کے
نزدیک مان اور شوہر اپنے پورے حصے بلا کم و کاست پائینگے اور باقی $\frac{7}{12}$ دونون
بیٹیون پر تقسیم کردیا جائیگا[1] —

---

[1] صاحب مفاتیح اور صاحب روضۃ الاحکام دونون کو اتفاق ہے کہ ایسی کمی بیٹی یا بیٹیون پر
یا اُن اشخاص پر (جیسے بہن یا بہنین) — عائد ہوگی جو مان اور باپ دونون کی طرف سے قرابت رکھتے
ہون یا صرف باپ کی جانب سے قرابت رکھتے ہون مان کی طرف کے عزیزون پر نہ عائد ہوگی ۱۲ منہ

تفصیل مختلف اقسام میراث بموجب شرع حنفی

سب ورثہ بنظر سہولت دو طبقون پر منقسم کیے گئے ہین —

طبقۂ اول مین اصحاب الفرائض یا ذوی الفروض داخل ہین —

طبقۂ ثانی مین اہل المیراث یعنی عصبات داخل ہین —

قسم اول

عصبات نسبیہ جنمین سب ورثہ فطری از قسم ذکور داخل ہین اور جو چار فرقون اور بے انتہا شعبون پر منقسم ہین اُنکے باب مین قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قریب القرابت ہمیشہ بعید القرابت کا حاجب ہوتا ہے

(الف) اولاد ذکور صُلبی (جزء المیت)

(ب) آبا و اجداد ذکور (اصل المیت)

(ج) اقربا بلا واسطہ (جزء المیت) یعنے (۱) برادران عینی (۲) برادران علاتی (۳) پسران برادران عینی (۴) پسران برادران علاتی —

(د) اقربا بالواسطہ یعنے (۱) عینی چچا — (۲) علاتی چچا — (۳) عینی چچا کے بیٹے (۴) علاتی چچا کے بیٹے — (۵) باپ کے عینی چچا — (۶) باپ کے علاتی چچا — (۷) باپ کے عینی چچا کے بیٹے — (۸) باپ کے علاتی چچا کے بیٹے — (۹) دادا کے عینی چچا (جزء جد المیت)

(واضح ہو کہ عصبات اُناث کے حقوق سابق مین بیان ہو چکے ہین) —

قسم دوم

عصبات سببیہ یعنی عاتق اور اُسکا قریب ترین عصبات ذکور —

قسم سوم

ذوی الفروض جو ردًّا پاتے ہین — (مَن یُرَدُّ الَیہ) جب اقسام مذکورہ بالا مین سے کوئی وارث نہو تو ذوی الفروض اُس جزء جائداد کے بھی مستحق ہو جاتے ہین جو اُنکے سہام

تفصیل مختلف اقسام میراث بموجب شرع حنفی

سب ورثہ بنظر سہولت دو طبقون پر منقسم کیے گئے ہین —

طبقۂ اول مین اصحاب الفرائض یا ذوی الفروض داخل ہین —

طبقۂ ثانی مین اہل المیراث یعنی عصبات داخل ہین —

قسم اول

عصبات نسبیہ جنمین سب ورثہ فطری از قسم ذکور داخل ہین اور جو چار فرقون اور بے انتہا شعبون پر منقسم ہین اُنکے باب مین قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قریب القرابت ہمیشہ بعید القرابت کا حاجب ہوتا ہے

(الف) اولاد ذکور صُلبی (جزء المیت)

(ب) آبا و اجداد ذکور (اصل المیت)

(ج) اقربا بلا واسطہ (جزء المیت) یعنے (۱) برادران عینی (۲) برادران علاتی (۳) پسران برادران عینی (۴) پسران برادران علاتی —

(د) اقربا بالواسطہ یعنے (۱) عینی چچا — (۲) علاتی چچا — (۳) عینی چچا کے بیٹے (۴) علاتی چچا کے بیٹے — (۵) باپ کے عینی چچا — (۶) باپ کے علاتی چچا — (۷) باپ کے عینی چچا کے بیٹے — (۸) باپ کے علاتی چچا کے بیٹے — (۹) دادا کے عینی چچا (جزء جد المیت) (واضح ہو کہ عصبات اُناث کے حقوق سابق مین بیان ہو چکے ہین) —

قسم دوم

عصبات سببیہ یعنی عاتق اور اُسکا قریب ترین عصبات ذکور —

قسم سوم

ذوی الفروض جو ردًا پاتے ہین — (مَن یُرَدُّ اِلَیہِ) جب اقسام مذکورہ بالا مین سے کوئی وارث نہو تو ذوی الفروض اُس جزء جائداد کے بھی مستحق ہو جاتے ہین جو اُنکے سہام

قسم ششتم

وہ شخص جسکی ولدیت کا اقرار متوفی نے کرلیا ہو —

قسم ہفتم

موصی لہٗ یعنی جسکے حق مین متوفی نے کچھ وصیت کی ہو —

قسم ہشتم

بیت المال (تمام مسلمانون کے فائدہ کے لیے)

نقشہ ذیل سے امام محمدؒ کے قول کی توضیح خوب ہوتی ہے —

(پ) سے پسر اور (د) سے دختر سمجھیے

پ	پ	پ	د	د	د	د	د	د	د	د	د
د	د	د	د	د	د	د	د	د	د	د	د
پ	د ۱	د ۲	پ	پ	پ	د	د	د	د	د	د
د	د	د	پ	د ۲	د ۳	پ	پ	پ	د	د	د
د	پ ۱	د ۳	د	د	د	پ	د	د	پ	د	د
د ۱	د ۲	د ۳	د ۴	د ۵	پ ۶	د ۷	د ۸	پ ۹	د ۱۰	پ ۱۱	پ ۱۲

اِس نقشہ مین بارہ ۱۲ ورثہ ذکور و اُناث ہین — تین ۳ ذکور اور نو ۹ اُناث — اور یہ سب چھٹی پشت مین ایک ہی درجہ کے وارث ہین — امام ابویوسف کے نزدیک جائداد پندرہ ۱۵ حصّون پر تقسیم ہوکر ایک ایک حصہ ہر عورت کو اور دو دو حصّے ہر مرد کو ملنے چاہئین مگر امام محمدؒ کے نزدیک جائداد کے ساٹھ ۶۰ حصّے ہونے چاہئین اور اِس تفصیل سے تقسیم ہونے چاہئین کہ وارث نمبر ۱ کو ۱۲ حصّے — وارث نمبر ۲ کو ۸ حصّے — وارث نمبر ۳ کو ۴ حصّے — وارث نمبر ۴ کو ۹ حصّے — وارث نمبر ۵ کو ۳ حصّے — وارث نمبر ۶ کو ۶ حصّے

قسم ششتم

وہ شخص جسکی ولدیت کا اقرار متوفی نے کرلیا ہو —

قسم ہفتم

موصی لہ یعنی جسکے حق مین متوفی نے کچھ وصیت کی ہو —

قسم ہشتم

بیت المال (تمام مسلمانون سکے فائدہ کے لیے)

نقشۂ ذیل سے امام محمدؒ کے قول کی توضیح خوب ہوتی ہے —

(پ) سے پسر اور (د) سے دختر سمجھیے

پ	پ	پ	د	د	د	د	د	د	د	د	د
د	د	د	د	د	د	د	د	د	د	د	د
پ	د ۱	د ۲	پ	پ	پ	د	د	د	د	د	د
د	د	د	پ	د ۲	د ۳	پ	پ	پ	د	د	د
د	پ ۱	د ۳	د	د	د	پ	د	د	پ	د	د
د ۱	د ۲	د ۳	د ۴	د ۵	پ ۶	د ۷	د ۸	پ ۹	د ۱۰	پ ۱۱	پ ۱۲

اِس نقشہ مین بارہ ۱۲ ورثہ ذکور و اُناث ہین — تین ۳ ذکور اور نو ۹ اُناث — اور یہ سب چھٹی پشت مین ایک ہی درجہ کے وارث ہین — امام ابو یوسف کے نزدیک جائداد پندرہ ۱۵ حصون پر تقسیم ہوکر ایک ایک حصہ ہر عورت کو اور دو دو حصے ہر مرد کو ملنے چاہئین مگر امام محمدؒ کے نزدیک جائداد کے ساٹھ ۶۰ حصے ہونے چاہئین اور اِس تفصیل سے تقسیم ہونے چاہئین کہ وارث نمبر ۱ کو ۱۲ حصے — وارث نمبر ۲ کو ۸ حصے — وارث نمبر ۳ کو ۴ حصے — وارث نمبر ۴ کو ۹ حصے — وارث نمبر ۵ کو ۳ حصے — وارث نمبر ۶ کو ۶ حصے

لہذا اسکا حصہ ۱۲ اُسکی اولاد اُناث یعنی د۲ کو چھٹی پشت مین جاکر ملا ہے۔
تیسرے کالم کے د۱ اور د۲ کے ۲ حصے اُسی طرح سے اُس پشت مین جاکر تقسیم ہوئے ہین
جسمین اختلاف ذکور و اُناث ہوا ہے یعنی پانچوین پشت مین جس سے ب۱ کو پانچوین خانہ
کی ۸ ملے ہین جو اُسکی اولاد نے چھٹی پشت مین جاکر پائے ہین اور یہی کیفیت تیسرے
کالم کی د۲ کے پانچوین خانہ مین ہوئی ہے — یعنی یون سمجھیے کہ — ا۲ نے ۱۲ پائے
د۲ نے ۸ ″
د۲ نے ۴ ″

پہلی پشت کی ۹ عورتون نے جو ۳۶ حصے پائے ہین وہ تیسری پشت مین جاکر
تقسیم ہوئے ہین اس پشت مین پھر اختلاف ذکور و اُناث ہوا ہے، جس سے تین بیٹون نے
۱۸ حصے اور ۶ بیٹیون نے ۱۸ حصے پائے ہین —
چوتھی پشت مین تین مردون کے نیچے ایک مرد اور دو عورتین پائی جاتی ہین —
پس وہ ۱۸ حصے انمین اسی طرح تقسیم ہوئے ہین کہ چوتھے کالم مین ب۱ کو ۹ حصے ملے
ہین اور اُس سے منتقل ہوکر د۴ تک پہونچے ہین — پھر چوتھی پشت کی ۲ عورتون یعنی د۱ اور
د۲ کے ۹ حصے اُن دو آدمیون کو پہونچے ہین جو چھٹے کالم مین اُنکے نیچے ہین اور وہان پہونچکر
معمولی طور سے تقسیم ہوئے ہین جس سے د کو ۳ حصے اور پ کو ۶ حصے ملے ہین وقس علی ہذا —
ذوی الارحام کی میراث مین علاوہ نوع کے اسکا بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ کس جانب سے
متوفی سے قرابت رکھتے ہین[سلہ] — اس مسئلہ مین صاحبین یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف
مین اختلاف ہے — امام محمد کے نزدیک اُن اشخاص کے قرب نسب کا لحاظ کرنا چاہیے
جنکے ذریعہ سے اُن ورثہ نے جو زندہ ہین حق وراثت پایا ہے اور جنکو اصطلاح فقہا مین

سلہ شاماچرن کے لکچر شرع محمدی، پرسبلد ا صفحہ ۱۵۷ اور سراجیہ صفحہ ۳۴ — اور مزی صاحب
کی کتاب مین وہ باب جسمین اقربائے بعید کی وراثت کا بیان ہے ملاحظہ ہو ۱۲ — منہ

لہذا اسکا حصہ ۱۲ اُسکی اولاد اُناث یعنی د کو چھٹی پشت مین جاکر ملا ہے ۔
تیسرے کالم کے د اور ۂ کے ۱۲ حصے اُسی طرح سے اُس پشت مین جاکر تقسیم ہوے ہین
جسمین اختلاف ذکور و اُناث ہوا ہے یعنی پانچوین پشت مین جس سے ب کو پانچوین خانہ
کی ۶ ملے ہین جو اُسکی اولاد نے چھٹی پشت مین جاکر پاے ہین اور یہی کیفیت تیسرے
کالم کی ۂ کے پانچوین خانہ مین ہوئی ہے ۔ یعنی یون سمجھیے کہ ۔ ۂ نے ۱۲ پاے

د نے ۶ "

ۂ نے ۴ "

پہلی پشت کی ۹ عورتون نے جو ۳۶ حصے پاے ہین وہ تیسری پشت مین جاکر
تقسیم ہوے ہین اس پشت مین پھر اختلاف ذکور و اُناث ہوا ہے جس سے تین بیٹون نے
۱۸ حصے اور ۶ بیٹیون نے ۱۸ حصے پاے ہین ۔
چوتھی پشت مین تین مردون کے نیچے ایک مرد اور دو عورتین پائی جاتی ہین ۔
پس وہ ۱۸ حصے انمین اسی طرح تقسیم ہوے ہین کہ چوتھے کالم مین ب کو ۹ حصے ملے
ہین اور اُس سے منتقل ہوکر ۂ تک پہونچے ہین ۔ پھر چوتھی پشت کی ۲ عورتون یعنی ۂ اور
د کے ۹ حصے اُن دو آدمیون کو پہونچے ہین جو چھٹے کالم مین اُنکے نیچے ہین اور وہان پہونچکر
معمولی طور سے تقسیم ہوے ہین جس سے د کو ۳ حصے اور ب کو ۶ حصے ملے ہین وقس علی ہذا ۔
ذوی الارحام کی میراث مین علاوہ نوع کے اسکا بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ کس جانب سے
متوفی سے قرابت[1] رکھتے ہین ۔ اس مسئلہ مین صاحبین یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف
مین اختلاف ہے ۔ امام محمد کے نزدیک اُن اشخاص کے قرب نسب کا لحاظ کرنا چاہیے
جنکے ذریعہ سے اُن ورثہ نے جو زندہ ہین حق وراثت پایا ہے اور جنکو اصطلاح فقہا مین

---

[1] شا ما چرن کے لکچر شرع محمدی جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ اور سراجیہ صفحہ ۳۴ ۔ اور مزی صاحب
کی کتاب مین وہ باب جسمین اقرباے بعید کی وراثت کا بیان ہے ملاحظہ ہو ۱۲ ۔ منہ

سطر مین دو بیٹیون مین برابر تقسیم کر دیے جائینگے یعنی ہر ایک بیٹی کو ۱/۱۴ ملیگا۔

ایک اور صورت مین فرض کیجیے کہ زید کی دو بیٹیان تھین وہ دونون اُسکی زندگی مین مر گئین۔ ایک بیٹی نے ایک بیٹا عمرو اور دوسری بیٹی نے ایک بیٹی ہندہ چھوڑی۔ عمرو کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی اُس سے بکر پیدا ہوا۔ بعد ازآن جب ہندہ کا شوہر اوّل عمرو مر گیا تو اُسنے خالد کے ساتھ عقد کر لیا اُس سے ایک دختر زینب پیدا ہوئی۔ تب زید مر گیا اور صرف دو وارث چھوڑے بکر اور زینب پس اُسکی جائداد کیونکر تقسیم ہوگی

زید

دختر — دختر

عمرو — بکر — ہندہ — زینب — خالد

اِس صورت مین امام ابو یوسف کے نزدیک بیٹا جو دوہری قرابت رکھتا ہے بجاے چار بیٹیون کے لیا جائیگا اور جائداد تقسیم کیجائیگی تو بیٹے کو ایک حصہ ملیگا۔ مگر امام محمد کے نزدیک جائداد کے ۶ حصے کر کے ۵ حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو اِسطرح دیا جائیگا کہ دوسری سطر مین بیٹے کو ۲/۳ ملیگا اور اُس سے اُسکا بیٹا پائیگا۔ پھر دوسری سطر مین بیٹی ۱/۳ پائیگی اور اُسکا نصف بھی اُسکے بیٹے کو ملیگا۔ پس اُسکو بیٹے کو ۵/۶ ملیگا اور باقی ۱/۶ اپنی بیٹی پائیگی[1]

دوسری قسم یا درجہ کے ذوی الارحام جنمین مجحوب الارث دادا اور دادیان شامل ہین قاعدۂ ذیل کے بموجب ترکہ پائینگے ——

[1] بیلی صاحب کے شرح حنفی صفحہ ۷۰۷ — ۱۲ منہ

سطر مین دو بیٹیون مین برابر تقسیم کر دیے جائینگے یعنی ہر ایک بیٹی کو ۳/۱۴ ملیگا۔

ایک اور صورت مین فرض کیجیے کہ زید کی دو بیٹیان تھین وہ دونون اُسکی زندگی مین مرگئین۔ ایک بیٹی نے ایک بیٹا عمرو اور دوسری بیٹی نے ایک بیٹی ہندہ چھوڑی۔ عمرو کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی اُس سے بکر پیدا ہوا۔ بعد ازآن جب ہندہ کا شوہر اول عمرو مرگیا تو اُسنے خالد کے ساتھ عقد کر لیا اُس سے ایک دختر زینب پیدا ہوئی۔ تب زید مرگیا اور صرف دو وارث چھوڑے بکر اور زینب پس اُسکی جائداد کیونکر تقسیم ہوگی

زید

دختر — دختر

عمرو — بکر — ہندہ — زینب — خالد

اِس صورت مین امام ابو یوسف کے نزدیک بیٹا جو دوہری قرابت رکھتا ہے بجاے چار بیٹیون کے لیا جائیگا اور جائداد تقسیم کیجائیگی تو بیٹے کو ایک حصہ ملیگا۔ مگر امام محمد کے نزدیک جائداد کے ۳ حصے کر کے ۲ حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو اِسطرح دیا جائیگا کہ دوسری سطر مین بیٹے کو ۱/۲ ملیگا اور اُس سے اُسکا بیٹا پائیگا۔ پھر دوسری سطر مین بیٹی ۱/۲ پائیگی اور اُسکا نصف بھی اُسکے بیٹے کو ملیگا۔ پس اُسکو بیٹے کو ۳/۴ ملیگا اور باقی ۱/۴ بیٹی پائیگی

دوسری قسم یا درجہ کے ذوی الارحام جنہین محجوب الارث دادا اور دادیان شامل ہین قاعدہ ذیل کے بموجب ترکہ پائینگے ___

سلہ بیلی صاحب کے شرع حنفی صفحہ ۷۰۷ ـــ ۱۲ منہ

سب سے اعلیٰ طبقہ مین ہوا ہے جیسا کہ پہلی قسم مین ہوتا ہے —

تیسرے درجے کے اقارب بعید یعنی حقیقی بہن کی اولاد اور بھائی کی بیٹیان اور برادران اخیافی کے بیٹے داخل ہین اسی اصول کے موافق ترکہ پائینگے کہ قریب کو بعید پر ترجیح دیجائیگی۔ لیکن جب سب درجہ قرابت مین برابر ہون تو عصبہ کی اولاد کو غیر عصبہ کی اولاد پر ترجیح دیجائیگی — مثلاً اگر کوئی شخص ایک بھائی کا بیٹا اور ایک حقیقی بہن کی بیٹی چھوڑ جائے کہ یہ دونون اُس سے درجہ قرابت مین برابر ہین تو کل جائداد حقیقی کے بیٹی کو ملیگی اسواسطے کہ وہ ایک عصبہ کی اولاد ہے یعنی بھائی[1] کے بیٹے کی۔

برادران وخواہران اخیافی کی اولاد مین ذکور واناث سب برابر حصے پاتے[2] ہین —

حاشیہ ۳

اہل سنت کے مذہب مین یہ ہے کہ جب ذوی الفروض اور عصبات نہون تو ذوی الفروض کے سہام شرعیہ دینے کے بعد جو کچھ جائداد باقی رہے وہ اصول رد کے بموجب انھین مین انکے حصص کے موافق تقسیم کر دیجائیگی —

علماے متقدمین کا یہ قول ہے کہ شوہر و زوجہ ردّ ا پانے کے مستحق نہین ہین مگر متاخرین کے نزدیک یہ ہے کہ جب دیگر ورثہ نہون تو شوہر یا زوجہ ردّا پائینگے —

جو ورثہ ردّا پا سکتے ہین وہ سات ہین — (۱) مان (۲) دادی (۳) بیٹی (۴) پوتی (۵) خواہر عینی (۶) خواہر علاتی (۷) برادر یا خواہر اخیافی — ایک یا دو یا تین قسم کے ورثہ کو ایک ہی وقت مین ردّا مل سکتا ہے — مگر تین سے زیادہ ایک ہی وقت مین ردّا نہین پا سکتے —

سہام شرعیہ نکالنے کے بعد باقی اشخاص مذکورہ بالا کو اُنکے حصص کی مقدار سے

[1] ہدایہ صفحہ ۵۴ — ۲ سطر [2] سراجیہ صفحہ ۴۵ — ۱۲ سطر ۵۳ درالمختار صفحہ ۹۶۱ — ۹۶۹ — ۱۲ سطر

دوہری میراث

فرض کیجیے کہ متوفی نے چند وارث چھوڑے اور اُنمین سے ایک ترکہ تقسیم ہونے سے بیشتر مرگیا اور چند ورثہ چھوڑ گیا - اِس صورت مین یہ ورثہ ہر دو متوفی کا ترکہ پائینگے اگر وہ دونون کے وارث شرعی ہین اور اگر ایک ہی کے وارث ہین تو ایک ہی کا ترکہ پائینگے

مثلاً ایک شخص نے اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور ایک برادر علاتی چھوڑا - اس صورت مین بیٹا برادر علاتی کا حاجب ہے مگر ترکہ تقسیم ہونے کے بیشتر وہ بیٹا مرگیا تو اب اُسکے وارث صرف اُسکی بہن اور اسکا علاتی چچا رہا - پس اُس بیٹے کا حصہ $\frac{۲}{۳}$ اُسکی بہن اور اُسکے چچا مین برابر تقسیم ہوگا اور بہن $\frac{۱}{۳}$ یعنی $\frac{۱}{۳}$ پائیگی اور چچا باقی $\frac{۱}{۳}$ پائیگا —

ایک اور پیچیدہ مثال سراجیہ سے لکھی جاتی ہے -

(۱) ایک عورت نے اپنی وفات کے بعد اقربائے ذیل چھوڑے —

(الف) ایک شوہر = $\frac{۱}{۴}$

(ب) بیٹی اور ماں = $\frac{۱}{۲} : \frac{۱}{۶} = ۳:۱$

بیٹی = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۳}{۴} = \frac{۹}{۱۶}$

ماں = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۱}{۴} = \frac{۳}{۱۶}$

(۲) شوہر نے اپنی وفات کے بعد اقربائے ذیل چھوڑے —

(الف) بیٹی = $\frac{۹}{۱۶} + \frac{۱}{۴}$ کا $\frac{۱}{۲} = \frac{۱۱}{۱۶}$

(ب) زوجہ = $\frac{۱}{۴}$ کا $\frac{۱}{۸} = \frac{۱}{۳۲}$

(ج) ماں = $\frac{۱}{۴}$ کا $\frac{۱}{۶} = \frac{۱}{۲۴}$

(د) باپ = $\frac{۱}{۴} - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۳۲} + \frac{۱}{۲۴}) = \frac{۲۴ - ۱۹}{۹۶} = \frac{۵}{۹۶}$

(۳) بیٹی نے اپنے مرنے کے بعد اقربائے ذیل چھوڑے —

(الف) دادا = $\frac{۵}{۹۶} + \frac{۱۱}{۱۶}$ کا $\frac{۱}{۱۶} = \frac{۱۶}{۹۶}$

(ب) دادی = $\frac{۱}{۲۴} \times \frac{۱۱}{۱۶}$ کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۱۵}{۹۶}$

(ج) نانی = $\frac{۳}{۱۶} \times \frac{۱۱}{۱۶}$ کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۲۹}{۹۶}$

(د) دو بیٹے (ہر ایک) = $\frac{۱۱}{۳۲}$ کا $\frac{۲}{۵}$ = $\frac{۱۱}{۸۰}$

(ر) ایک بیٹی = $\frac{۱۱}{۳۲}$ کا $\frac{۱}{۵}$ = $\frac{۱۱}{۱۶۰}$

ان سب کا مقسوم علیہ اعظم اس طرح نکالا

۱۶۰ — ۸۰ — ۹۶ — ۳۲ — ۱۶
۴ | ۴۱ ۹۶ — ۱۶۰
۴ | ۲۴ — ۴۰
۲ | ۶ — ۱۰
۳ — ۵

۴ × ۴ × ۲ × ۳ × ۵ = ۴۸۰

متوفی اول کی ماں یعنی متوفی دوم کی نانی = ۴۸۰ کا $\frac{۲۹}{۹۶}$ = ۱۴۵

باپ کی زوجہ = ۴۸۰ کا $\frac{۱}{۳۲}$ = ۱۵

دادی = ۴۸۰ کا $\frac{۱۵}{۹۶}$ = ۷۵

دادا = ۴۸۰ کا $\frac{۱۶}{۹۶}$ = ۸۰

دو بیٹے فی کس $\frac{۱۱}{۸۰}$ = ۱۳۲ +

بیٹی = $\frac{۱۱}{۱۶۰}$ = $\frac{۳۳}{۴۸۰ \text{ میزان}}$

حاشیہ ۵

سنیوں کے مذہب میں متوفی کے پردادا کی اولاد ذکور عصبات میں داخل ہے اور متوفی کی خواہران عینی کی اولاد کی حاجب ہے ۔ اسی طرح سے دادا کے بھائی کی اولاد بھی عصبات میں داخل ہے اور بترجیح اولاد دختر کے ترکہ پانے کی مستحق ہے[۱] ۔

حاشیہ ۶

برادران[۲] و خواہران عینی اور برادران و خواہران علاتی کا حاجب بیٹا اور پوتا اور پروتا وغیرہ اور باپ اور دادا بھی ہے ۔ برادران[۳] و خواہران علاتی کے حاجب برادران عینی ہیں

[۱] سدرلینڈ صاحب کا وکیلی پوڑ صفحہ ۴۹ ۔ [۲] سنہ ۵ درالمختار صفحہ ۸۲۲ اور میکنی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۹۸۹ ۔ [۳] سنہ ۵ درالمختار صفحہ ۸۲۲

اور خواہر عینی بھی اُسوقت حاجب ہے جب کوئی بیٹی یا پوتی اُسکے ساتھ موجود ہو۔

حاشیہ ۷

مالکیہ اور شافعیہ حنفیہ سے اُن اصول میں متفق ہیں جنپر تقسیم ورثہ اہل سنت کے نزدیک مبنی ہے مثلاً اُنھون نے بھی حنفیہ کی طرح ورثہ کی تین قسمین کی ہین یعنی ذوی الفروض و عصبات اور ذوی الارحام ذوی الفروض کے باب مین تو کچھ اختلاف نہین ہے۔ مگر عصبات کے بارہ مین حنفیہ اور مالکیہ وشافعیہ مین اکثر امور مین اختلاف ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عصبہ بنفسہ کو حق وراثت صرف بھتیجے درجہ تک حاصل ہے (جیسا اُس نقشہ سے ظاہر ہے جو دوسرے صفحہ پر لکھا ہے) اُنکے نزدیک شوہر یا زوجہ اور دادی اور برادران و خواہران اخیافی اپنی سہام شرعیہ لینے کے بعد مابقی جائداد کبھی نہین پاتے۔ اور دادا بھائیون کا حاجب نہین ہے (جیسا حنفیہ کے نزدیک ہے) دادا ایک ثلث پاتا ہے اور مابقی بھائیون کو ملتا ہے خواہ وہ عینی ہون خواہ علاتی۔

جب کوئی عصبہ نہو یعنی عصبہ بنفسہ یا عصبہ بغیرہ یا عصبہ مع غیرہ نہو یا کوئی خاص سبب نہو جیسا عاتق یا اُسکا عصبہ تو متوفی کی جائداد بیت المال مین چلی جائیگی۔

حاشیہ ۸

مشرکین عرب کے دستورات کے موافق متوفی کی میراث مین صرف ایک امر عظیم کا لحاظ رکھا جاتا تھا یعنی اس امر کا کہ اسکی جائداد اُسی کے خاندان مین رہے۔ اِسوجہ سے میراث صرف اقربا ے ذکور مین محدود و محصور کردی گئی تھی اور اُنمین بھی اُن لوگون کو دیجاتی تھی جو ہتھیار باندھ سکتے تھے۔ بیٹیان اور بیبیان اور مائین اور نابالغ ذکور و اُناث قطعاً یا صریحاً محجوب الارث کردیے گئے تھے۔ بیٹیان اسوجہ سے محجوب الارث تھین کہ اُنکا پیدا ہونا عذاب الٰہی سمجھا جاتا تھا اور یہ وجہ بھی تھی کہ جب اُنکی شادی ہوگئی تو پھر اپنے خاندان سے

اور سراجیہ صفحہ ۱۸۔ ۱۲ منہ سلہ المحرر۔ ۱۲ منہ۔

اُنکو کیا واسطہ رہا — زنان بیوہ اسوجہ سے محجوب الارث کردی گئی تھیں کہ وہ لونڈیان سمجھی جاتی تھیں اور اپنے شوہرون کی جائداد کا ایک جزو قرار پاکر اُنکے ورثہ کے حوالہ کردیجاتی تھیں — اور نابالغ اسوجہ سے محجوب الارث تھے کہ وہ اس قابل نہوتے تھے کہ اپنے قبیلہ کے حقوق و مواجب کا تحفظ بزور شمشیر کر سکیں لہذا اُنکی جائداد اُنکی معلمون کی سمجھی جاتی تھی —

قبائل یہود مین جو اپنے علما کی تحریر پر چلتے تھے میراث سب سے پہلے بیٹون اور اولاد ذکور کو ملتی تھی اسکے بعد بیٹیون اور اُنکی اولاد کو اُسکے بعد باپ کو چوتھے درجہ مین بھائیون اور اُنکی اولاد کو — پانچوین درجہ مین بہنون اور اُنکی اولاد کو اور چھٹے درجہ مین دادا اور چچا اور پھوپھی وغیرہ کو اور متوفی کی اولاد مین بیٹے بیٹیون پر فوقیت رکھتے تھے باپ بھائیون کی اولاد کے بعد بیٹیون کا درجہ تھا — جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایسے پوتے اور پوتیان چھوڑ جاتا تھا جنکا باپ پیشتر ہی مر چکا ہوتا اُسکی جائداد اسطرح تقسیم ہوتی تھی کہ ہر ایک گروہ کو اُس شخص کا حصہ دیدیا جاتا تھا جسکے ذریعہ سے وہ متوفی کی توریث کا مستحق ہوتا تھا — دیگر اقربا کی نسبت بھی یہی قاعدہ جاری تھا — مان اپنی اولاد کا ترکہ نہ پاتی تھی اور جب حرامزادون کی ولدیت کا اقرار کرلیا جاتا تھا تو اُنکے حقوق حلال زادون کے حقوق کے برابر ہوجاتے تھے — ولد الحرام کا ترکہ پہلے باپ کو ملتا تھا اور جب باپ نہوتا تھا تو حاکم وقت کو یا قومی سرمایہ مین دیدیا جاتا تھا — مان کو کبھی ایک حبہ بھی نہ ملتا تھا — برادران و خواہران اخیافی کوئی حق وراثت نہین رکھتے تھے —

شارع اسلام نے زمانہ جاہلیت کے کل رسوم و قوانین مین اصلاح فرمائی — شرع شریف مین حقوق وراثت اُن اشخاص کو دیے گئے ہین جو آئین قدیم کے بموجب بالکل محجوب الارث تھے — اِس شرع جدید سے ایک بہت بڑا نتیجہ یہ پیدا ہوا ہے کہ تہذیب و شائستگی مین عورتوں کا پایہ بلند ہوگیا اور اُنکے اخلاقی اور تمدنی حالت مین ترقی ہوئی اور بی بی و ماں و بیٹیون اور بہنون کو حقوق وراثت حاصل ہوئے — فقط

انکو گیا واسطہ رہا ۔ نانی بیوہ اسوجہ سے محجوب الارث کردی گئی تھین کہ وہ لونڈیان سمجھی جاتی تھین اور اپنے شوہرون کی جائداد کا ایک جزو قرار پاکر انکے ورثہ کے حوالہ کردیجاتی تھین ۔ اور نابالغ اسوجہ سے محجوب الارث تھے کہ وہ اس قابل نہوتے تھے کہ اپنے قبیلہ کے حقوق ومواجب کا تحفظ بزور شمشیر کر سکین لہذا انکی جائداد انکی معلمون کی سمجھی جاتی تھی ۔

قبائل یہود مین جو اپنے حلال کی تہرم پر چلتے تھے میراث سب سے پہلے بیٹون اور اولاد ذکور کو ملتی تھی اسکے بعد بیٹیون اور انکی اولاد کو اسکے بعد باپ کو چوتھے درجہ مین بھائیون اور انکی اولاد کو ۔ پانچوین درجہ مین بہنون اور انکی اولاد کو اور چھٹے درجہ مین دادا اور چچا اور پھوپھی وغیرہ کو اور متوفی کی اولاد مین بیٹے بیٹیون پر فضیلت رکھتے تھے باپ بھائیون کی اولاد کے بعد بیٹیون کا درجہ تھا ۔ جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایسے پوتے اور پوتیان چھوڑجاتا تھا جنکا باپ پیشتر ہی مرچکا ہوتا انکی جائداد اسطرح تقسیم ہوتی تھی کہ ہر ایک گروہ کو اس شخص کا حصہ دیدیا جاتا تھا جسکے ذریعہ سے وہ متوفی کی توریث کا مستحق ہوتا تھا ۔ دیگر اقربا کی نسبت بھی یہی قاعدہ جاری تھا ۔ مان اپنی اولاد کا ترکہ کچھ نہ پاتی تھی اور جب حرامزادون کی ولدیت کا اقرار کر لیا جاتا تھا تو انکے حقوق حلال زادون کے حقوق کے برابر ہوجاتے تھے ۔ ولد الحرام کا ترکہ پہلے باپ کو ملتا تھا اور جب باپ نہوتا تھا تو حاکم وقت کو یا قومی سرمایہ مین دیدیا جاتا تھا ۔ مان کو کبھی ایک حبہ بھی نہ ملتا تھا ۔ برادران وخواہران اخیافی کوئی حق وراثت نہین رکھتے تھے ۔

شارع اسلام نے زمانہ جاہلیت کے کل رسوم وقوانین مین اصلاح فرمائی ۔ شرع شریف مین حقوق وراثت ان اشخاص کو دیے گئے ہین جو آئین قدیم کے بموجب بالکل محجوب الارث تھے ۔ اس شرع جدید سے ایک بہت بڑا نتیجہ یہ پیدا ہوا ہے کہ تہذیب وشائستگی مین عورتوں کا پایہ بلند ہوگیا اور انکے اخلاقی اور تمدنی حالت مین ترقی ہوئی اور بی بی اور مان اور بیٹیون اور بہنون کو حقوق وراثت حاصل ہوئے ۔ فقط

دوسرا باب

اختلاف قوانین

یہانتک تو ہمنے مسلمانون کا قانون وراثت خاص کر سنی اور شیعہ کے اختلافات کا لحاظ کرکے بیان کیا۔ اب ہم مسلمانون کے قانون شخصی مین بحث کرتے ہین یعنی وہ قانون جو اُن اشخاص کی حیثیت پر موثر ہے جو شرع شریف کے پابند ہین۔

باستثنار چند اصول کے جنکا عمل ممالک اسلامیہ پر محدود و منحصر ہے مسلمانون کا قانون عموماً ایک شخصی قانون ہے یعنی اسکی احکام ہر مسلمان کی ذات خاص سے جہان کہین وہ بود و باش رکھتا ہو اسوقت تک متعلق رہتے ہین جبتک وہ ظاہر مین بھی دائرہ اسلام کے اندر رہتا ہے۔ چنانچہ کفایہ[1] مین لکھا ہے کہ ہر مسلمان مطلقاً احکام شرع کا پابند ہے جہان کہین بود و باش رکھتا ہو۔۔۔ یہ صرف مسلمانان فطری پر منحصر نہین ہے۔ جو ہین کوئی شخص اپنے مذہب اصلی کو تبدیل کرکے دین اسلام قبول کرلیتا ہے یا شرع شریف کا پابند ہوجاتا ہے اُسی وقت اُس نومسلم سے تمام فرائض و تکالیف جو شرع مین منصوص ہین اور تمام حقوق و مواجب جو شرع نے بخشے ہین متعلق ہوجاتی ہین۔ لہذا شرع شریف مین صرف موطن و مسکن کے بدل جانے سے جبتک کہ اُسکے ساتھ طریق مذہب بھی تبدیل ہوجاے کسی مسلمان کی حیثیت شرعی مین کچھ فرق و تغیر نہین ہوسکتا۔ مگر واضح ہو کہ یہ خاص استحقاق صرف اسلام سے مخصوص نہین ہے اقل مراتب ایسے ہی اصول یورپ کے بعض قوانین مین بھی موجود ہین۔ علما سے اسلام کے نزدیک اسلام کی پابندی سے سلطنت اسلامیہ کی اطاعت مراد ہے لہذا ایسی ہی اطاعت مسلمانون کے حقوق اور ذمہ داریون کا معیار ہے۔ اطالیہ اور فرانس کے قانون کے بموجب بھی ایسا ہی ہے کہ حقوق دنیوی حاکم وقت کی رعیت ہونے پر موقوف ہین

[1] کفایہ صفحہ ۶۲۳۔ ۱۲ منہ

دوسرا باب

اختلاف قوانین

یہانتک تو ہمنے مسلمانون کا قانون وراثت خاص کر سنی اور شیعہ کے اختلافات کا لحاظ کرکے بیان کیا۔ اب ہم مسلمانون کے قانون شخصی مین بحث کرتے ہین یعنی وہ قانون جو اُن اشخاص کی حیثیت پر موثر ہے جو شرع شریف کے پابند ہین ۔

باستثنار چند اصول کے جنکا فعل ممالک اسلامیہ پر محدود و منحصر ہے مسلمانون کا قانون عموماً ایک شخصی قانون ہے یعنی اسکی احکام ہر مسلمان کی ذات خاص سے جہان کہین وہ بود و باش رکھتا ہو اُسوقت تک متعلق رہتے ہین جبتک وہ ظاہر مین بھی دائرہ اسلام کے اندر رہتا ہے ۔ چنانچہ کفایہ[1] مین لکھا ہے کہ "وہ ہر مسلمان مطلقاً احکام شرع کا پابند ہے جہان کہین بود و باش رکھتا ہو ..." یہ صرف مسلمانان فطری پر منحصر نہین ہے ۔ جو ہین کوئی شخص اپنے مذہب اصلی کو تبدیل کرکے دین اسلام قبول کرلیتا ہے یا شرع شریف کا پابند ہوجاتا ہے اُسی وقت اُس نومسلم سے تمام فرائض و تکالیف جو شرع مین منصوص ہین اور تمام حقوق و مواجب جو شرع نے بخشے ہین متعلق ہوجاتی ہین ۔ لہذا شرع شریف مین صرف موطن و مسکن کے بدل جانے سے جبتک کہ اُسکے ساتھ طریق مذہبی بھی تبدیل ہوجاوے کسی مسلمان کی حیثیت شرعی مین کچھ فرق و تغیر نہین ہوسکتا ۔ مگر واضح ہو کہ یہ خاص استحقاق صرف اسلام سے مخصوص نہین ہے اتفاقاً اب ایسے ہی اصول یورپ کے بعض قوانین مین بھی موجود ہین ۔ علماے اسلام کے نزدیک اسلام کی پابندی سے سلطنت اسلامیہ کی اطاعت مراد ہے لہذا ایسی ہی اطاعت مسلمانون کے حقوق اور ذمہ داریون کا معیار ہے ۔ اطالیہ اور فرانس کے قانون کے بموجب بھی ایسا ہی ہے کہ حقوق دنیوی حاکم وقت کی رعیت ہونے پر موقوف ہین

[1] کفایہ صفحہ ۶۲۳ ، سطر ۱۲ منہ

وغیرہ کی غرض سے داخل ہوتی تھین انکو شرع محمدی نے حفاظت شخصی کے اسباب و وسائل اُن ذرایع حفاظت سے بہتر و وسیع تر بخشے تھے جو ممالک عیسائی مین مہیا کیے گئے تھے —

جب کوئی غیر مسلم کسی مسلمان ملک مین داخل ہوتا تھا تو مہمان سمجھا جاتا تھا اور جو امان اُسکو سرحد مین ملتی تھی وہی امان اُسکو برد ہتھان دیتا تھا - سال بھر وہ اُس ملک مین بے کھٹکے رہتا تھا اور کوئی اُسکو ایذا نہ پہونچا سکتا تھا - مگر سال بھر کے بعد اُسکو وہ ملک چھوڑ دینا پڑتا تھا یا کافر ذمی کی حیثیت قبول کر کے جزیہ یا معمولی خراج دینا پڑتا تھا - تب وہ اُن تمام حقوق و مواجب کا مستحق ہو جاتا تھا جو شرع محمدی نے رعایائے مسلم کو بخشے ہین —

جب کوئی مسلمان کسی غیر ملک مین چلا جاتا تھا تو اُسکی نسبت ہمیشہ یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ ضرور اپنے ملک مین واپس آئیگا اور وہ کسی صورت سے سلطنت اسلامیہ کی بود و باش نہین ترک کر سکتا تھا اور اگر وہان کی بود و باش ترک کر کے دار الحرب کی سکونت اختیار کر لیتا تھا تو مرتد سمجھا جاتا تھا اور شرعًا احکام میت اُسپر جاری ہوتے تھے - قومون کے باہمی راہ و رسم ایسی قید شدید لگا تا اُن لڑائیون کا نتیجہ ضروری و لابدی تھا جنمین اپنے پیغمبرم کی وفات کے بعد مسلمان گرد و نواح کی قومون سے مبتلا ہو گئے تھے - مگر جبسے سلاطین اسلام نے یورپ کے عیسائی بادشاہون سے شرائط معالحہ طے کر لیے ہین اور جبسے خود عیسائیون نے اپنے تعصب مذہبی کو چھوڑ کر مسلمان قومون کو عدل و انصاف فطری مین اپنا شریک و سہیم کر لیا ہے اُسوقت سے شرع شریف کی شدت مین بہت خفت ہو گئی ہے - بس اب ہر مسلمان غیر ملک مین بود و باش کر سکتا ہے بے اِسکے کہ وہ مسلمان نہ باقی رہے —
علاوہ اسکے اب نئی نئی ملکی ضرورتین اور ملکی حالتین پیدا ہوئی ہین اور اب لاکھا مسلمان غیر مسلم سلطنتون کی رعایا ہین اور مستامن ہین یعنی اُنکے حقوق و مواجب کی حفاظت کیجاتی ہے

بھی اسی قول کی تائید کی ہے کہ قومی قانون یعنی وہ قانون جو ایک قوم کو دوسری قوم کی نسبت برتنا چاہئیے ممالک عیسائی پر محدود و منحصر ہے — ولزبی صاحب کا قومی قانون صفحہ ۵ — ۱۲ منہ

پس اسکا بھی بہت بڑا اثر مسلمانون کے قدیم خیالات شرعی پر ہوا ہے — اب ان
جدید حالات مین ممکن ہے کہ جو مسلمان کسی خاص صوبہ مین رہتا ہو جہان احکام شرع بخوبی
اور تمامہ جاری و نافذ ہین وہ اُسی سلطنت کے دوسرے صوبہ مین چلا جاے جہان احکام
شرع کی پابندی بہت کم کیجاتی ہے اور اُس ملک مین وہ دائمی اور مستقل بود و باش
حاصل کرلے اور شرع کے اصل منشا کے خلاف نہ لازم آئے۔ مثلاً جو مسلمان حدود
برٹش انڈیا کے اندر پیدا ہوا ہو وہ برطن اعظم یا آیرلینڈ مین سکونت اختیار کرسکتا ہے بے اِسکے
کہ وہ مسلمان نہ باقی رہے کیونکہ اِس صورت مین سکونت کے تغیر سے یہ نہ لازم آیگا کہ اُسکا
ایمان بھی بدل گیا ہے —

معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین علماے اسلام کے پیش نظر ایسی ہی صورتین تھین
جب انھون نے یہ فرمایا کہ مسلمین اپنے اصل موطن و مسکن کو قطعاً تو ترک نہین کرسکتے
مگر وہ ایک ہی ملک مین جو ایک ہی بادشاہ کا محکوم ہو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ مین جا سکتے ہین
قانون انگلستان کے بموجب حیثیت شخصی بادی النظر مین بود و باش پر موقوف ہے مگر
اس کلیہ کے مستثنیات اور قیود اسقدر ہین کہ اُنکی تفصیل لکھنا بہت دشوار ہے۔ چنانچہ
ڈایسی صاحب فرماتے ہین کہ "قانون بود و باش اُن حقوق پر جو حیثیت شخصی سے اور نکاح اور
طلاق اور جائداد منقولہ سے متعلق ہین مؤثر ہوتا ہے مگر وہ حقوق اُسی قانون کے بالکل تابع نہین
ہین" پس جس مسلمان نے سکونت چندروزہ انگلستان مین اختیار کرلی ہو اُسکی حیثیت احکام
شرع کے تابع ہوگی الا اسکے کہ وہ احکام شرع قانون انگلستان کے خلاف یا انصاف فطری کے
مخالف ہون — اُس مسلمان کی حقوق قانونی حاصل کرنے اور انکو عمل مین لانے اور قانونی
کارروائیان کرنے کی قابلیت البتہ اُس ملک کے قانون پر موقوف ہوگی جسمین اُسنے بود و باش
اختیار کی ہے۔ شرع محمدی کے روسے برٹش انڈیا تمام مقاصد و اغراض کے لیے بلادالاسلام
مین داخل ہے۔ اور چونکہ قانون ۳۹۔ دفعہ ۱۷۔ شاہ جارج سوم مین صاف لکھا ہے

پس اسکا بھی بہت بڑا اثر مسلمانون کے قدیم خیالات شرعی پر ہوا ہے — اب ان جدید حالات مین ممکن ہے کہ جو مسلمان کسی خاص صوبہ مین رہتا ہو جہان احکام شرع بخوبی اور تمامہ جاری و نافذ ہین وہ اسی سلطنت کے دوسرے صوبہ مین چلا جاے جہان احکام شرع کی پابندی بہت کم کیجاتی ہے اور اُس ملک مین وہ دائمی اور مستقل بود و باش حاصل کرلے اور شرع کے اصل منشا کے خلاف نہ لازم آئے - مثلاً جو مسلمان حدود برٹش انڈیا کے اندر پیدا ہوا ہو وہ برٹن اعظم یا آیرلینڈ مین سکونت اختیار کرسکتا ہے بے اسکے کہ وہ مسلمان نہ باقی رہے کیونکہ اس صورت مین سکونت کے تغیر سے یہ نہ لازم آئیگا کہ اُسکا ایمان بھی بدل گیا ہے —

معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین علماے اسلام کے پیش نظر ایسی ہی صورتین تھین جب انھون نے یہ فرمایا کہ مسلمین اپنے اصل موطن و مسکن کو قطعًا تو ترک نہین کرسکتے مگر وہ ایک ہی ملک مین جو ایک ہی بادشاہ کا محکوم ہو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ مین جا سکتے ہین

قانون انگلستان کے بموجب حیثیت شخصی بادی النظر مین بود و باش پر موقوف ہے مگر اس کلیہ کے مستثنیات اور قیود اسقدر ہین کہ اُنکی تفصیل لکھنا بہت دشوار ہے - چنانچہ ڈایسی صاحب فرماتے ہین کہ ”قانون بود و باش اُن حقوق پر جو حیثیت شخصی سے اور نکاح اور طلاق اور جائداد منقولہ سے متعلق ہین موثر ہوتا ہے مگر وہ حقوق اسی قانون کے بالکل تابع نہین ہین“ پس جس مسلمان نے سکونت چندروزہ انگلستان مین اختیار کرلی ہو اُسکی حیثیت احکام شرع کے تابع ہوگی الا اسکے کہ وہ احکام شرع قانون انگلستان کے خلاف یا انصاف فطری کے مخالف ہون — اُس مسلمان کی حقوق قانونی حاصل کرنے اور انکو عمل مین لانے اور قانونی کارروائیان کرنے کی قابلیت البتہ اُس ملک کے قانون پر موقوف ہوگی جسمین اُسنے بود و باش اختیار کی ہے - شرع محمدی کے روسے برٹش انڈیا تمام مقاصد و اغراض کے لیے بلاد الاسلام مین داخل ہے - اور چونکہ قانون - ۳۹ - دفعہ ۱۷ - شاہ جارج سوم مین صاف لکھا ہے

جائداد غیر منقولہ کے وقف اور ہبہ مین بھی یہی کلیہ جاری ہوگا - یہان پر قانون انگلستان اور شرع محمدی مین پھر اختلاف ہوا ہے - شرع شریف مین کوئی شخص اپنا سارا مال اپنے ورثہ شرعی کی نقصان رسانی کر کے کسی کو بذریعہ وصیت نہین دے سکتا ہے مگر قانون انگلستان کے موافق وہ ایسا کر سکتا ہے - پس اگر وہ جائداد انگلستان مین ہو تو خواہ کوئی مسلمان اُس ملک مین سکونت دائمی خواہ قیام چند روزہ رکھتا ہو اپنی ساری جائداد غیر منقولہ بذریعہ وصیت کسی کو دے سکتا ہے بلا لحاظ حقوق ورثہ شرعی کے - اگر وصیت جائداد منقولہ کے باب مین ہو اور موصی انگلستان مین بود و باش نہ رکھتا ہو تو اُسمین شرع محمدی جاری ہوگی مگر کلام اسمین ہے کہ آیا مال غیر منقولہ اگر وقف کیا جائے تو قانون انگلستان کے موافق اُسمین شرع محمدی جاری ہوگی یا اُس مقام کا قانون جہان وہ جائداد ہے ج - غالباً اُسی مقام کا قانون جاری ہوگا - اِسی طرح جائداد غیر منقولہ واقعہ انگلستان کی وراثت مین قانون انگلستان جاری ہوگا خواہ اُسکا مالک متوفی انگلستان کا متوطن ہو خواہ نہو - مثلاً اگر کوئی مسلمان اُس ملک مین کچھ جائداد غیر منقولہ چھوڑ کر مر جائے اور دو بیٹے چھوڑے اُنمین سے بڑا بیٹا غیر مسلم ہو تو وہ بڑا بیٹا ساری جائداد پائیگا اور اُسکے چھوٹے بھائی کو کچھ نہ ملیگا گو شرع مین کفر یا ارتداد مانع ارث ہے -

قانون انگلستان کے موافق جائداد غیر منقولہ ہمیشہ وارث حقیقی کو ملتی ہے اور وارث حقیقی کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ بیٹا جو اکبر اولاد ہو اور زندہ ہو اور ولد الحلال ہو یعنی اُس منکوحہ کے بطن سے ہو جو قانون انگلستان مین منکوحہ کہلاتی ہے - پس اِس سے ظاہر ہے کہ جو جائداد غیر منقولہ انگلستان مین واقع ہو اُسکی وراثت و جانشینی قانون انگلستان کی بموجب قرار دیجائیگی مثلاً ایک مسلمان انگلستان مین سکونت پذیر ہو مگر وہان توطن یا سکونت دائمی نہ اختیار کر لی ہو اور اپنے مرنے کے بعد دو اولاد دو منکوحہ بیبیون کے بطن سے چھوڑے یعنی ایک بیٹی پہلی بی بی سے اور ایک بیٹا دوسری بی بی سے - اور کچھ جائداد

جائداد غیر منقولہ کے وقف اور ہبہ مین بھی یہی کلیہ جاری ہوگا۔ یہان پر قانون انگلستان اور
شرع محمدی مین پھر اختلاف ہوا ہے ۔ شرع شریف مین کوئی شخص اپنا سارا مال اپنے
ورثۂ شرعی کی نقصان رسانی کرکے کسی کو بذریعہ وصیت نہین دے سکتا ہے مگر قانون انگلستان
کے موافق وہ ایسا کرسکتا ہے۔ پس اگر وہ جائداد انگلستان مین ہو تو خواہ کوئی مسلمان
اُس ملک مین سکونت دائمی خواہ قیام چندروزہ رکھتا ہو اپنی ساری جائداد غیر منقولہ بذریعۂ
وصیت کسی کو دے سکتا ہے بلا لحاظ حقوق ورثۂ شرعی کے۔ اگر وصیت جائداد منقولہ کے
باب مین ہو اور موصی انگلستان مین بود و باش نہ رکھتا ہو تو اُسمین شرع محمدی جاری ہوگی
مگر کلام اسمین ہے کہ آیا مال غیر منقولہ اگر وقف کیا جائے تو قانون انگلستان کے موافق
اُسمین شرع محمدی جاری ہوگی یا اُس مقام کا قانون جہان وہ جائداد ہے ج۔ غالباً اُسی مقام کا
قانون جاری ہوگا۔ اسی طرح جائداد غیر منقولہ واقعۂ انگلستان کی وراثت مین قانون
انگلستان جاری ہوگا خواہ اُسکا مالک متوفی انگلستان کا متوطن ہو خواہ نہو۔ مثلاً
اگر کوئی مسلمان اُس ملک مین کچھ جائداد غیر منقولہ چھوڑکر مر جائے اور دو بیٹے چھوڑے
اُنمین سے بڑا بیٹا غیر مسلم ہو تو وہ بڑا بیٹا ساری جائداد پائیگا اور اُسکے چھوٹے بھائی کو
کچھ نہ ملیگا گو شرع مین کفر یا ارتداد مانع ارث ہے ۔

قانون انگلستان کے موافق جائداد غیر منقولہ ہمیشہ وارث حقیقی کو ملتی ہے اور وارث
حقیقی کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ بیٹا جو اکیلا اولاد ہو اور زندہ ہو اور ولد الحلال ہو یعنی اُس
منکوحہ کے بطن سے ہو جو قانون انگلستان مین منکوحہ کہلاتی ہے۔ پس اِس سے
ظاہر ہے کہ جو جائداد غیر منقولہ انگلستان مین واقع ہو اُسکی وراثت و جانشینی قانون
انگلستان کی بموجب قرار دیجائیگی مثلاً ایک مسلمان انگلستان مین سکونت پذیر ہو مگر وہان توطن یا سکونت
دائمی نہ اختیار کرلی ہو اور اپنے مرنے کے بعد دو اولاد دو منکوحہ بیبیون کے بطن سے
چھوڑے یعنی ایک بیٹی پہلی بی بی سے اور ایک بیٹا دوسری بی بی سے ۔ اور کچھ جائداد

قانون انگلستان کے موافق بھی ولد الحلال اپنے باپ کا نطفہ فرض کرلیا جاتا ہے
چونکہ شرع شریف مین مسلمان مردون کا نکاح غیر مسلمہ عورتون کے ساتھ جائز ہے
لکن اسکے بالعکس جائز نہین ہے لہذا جو اولاد پدر مسلم اور مادر غیر مسلمہ سے پیدا ہوا اُسکے
مذہب کے باب مین شرع محمدیؐ اور قانون انگلستان مین اختلاف ممکن نہین ہے —
اسواسطے کہ اگر کوئی مسلمان نصرانیہ کے ساتھ انگلستان مین شادی کرلے تو ایسا ازدواج
قانون انگلستان اور شرع محمدیؐ دونون کے بموجب جائز ہوگا اور ایسے ازدواج سے
جو اولاد بہم پہونچیگی وہ اپنے باپ کے ہم مذہب سمجھی جائیگی — اگر قبل وقوع عقد متناکحین نے
کوئی خاص معاہدہ یا قول وقرار درباب تعلیم وقومیت اطفال کرلیا ہو تو ایسا قول وقرار کرنا
شرع شریف کے بموجب جائز ہے یہانتک کہ یہ اقرار کرلینا بھی جائز ہے کہ بعض اولاد کی
پرورش وپرداخت بطور غیر مسلم کیجائیگی — مگر ایسی اولاد کو کفر اپنے پدر مسلم کے ارث سے
مانع ہوگا الا اسیکہ اُسکے باپ نے انگلستان مین دائمی بود وباش اختیار کرلی ہو یا اسکی جائداد
غیر منقولہ ہو اور انگلستان مین واقع ہو — لکن گو باپ بلاد الاسلام مین سکونت رکھتا ہو
اُسکو جائز نہین ہے کہ ایسی اولاد اور ایسی زوجہ کو اپنی کل جائداد کا ایک ثلث یا اِس سے کم
بذریعۂ وصیت دیجائے —

جب کسی مسلم کا نکاح کسی غیر مسلمہ کے ساتھ کسی غیر ملک مین ہوا ہو تو ایسا نکاح شرعًا
جائز ہے بشرطیکہ ایسا نکاح اُس مقام خاص کے قانون ازدواج کے موافق یا زوجہ کے
رسوم مذہبی کے مطابق پڑھا گیا ہو — یہ مسئلہ شرع محمدیؐ کا قانون انگلستان کے موافق ہے
قانون انگلستان کے بموجب قابلیت ازدواج اُس قانون کے موافق تجویز کیجائیگی
جو متناکحین کے وطن اصلی مین جاری ہو مگر انعقاد ازدواج کی صورت عمومًا اُسی مقام کے
قانون کے بموجب قرار دیجائیگی جہان عقد وقوع مین آیا ہو — اِسی طرح سے شرع
محمدیؐ مین بھی قابلیت ازدواج احکام شرع کے تابع ہے مگر ازدواج کی صورت رسوم

و دستورات مختص المقام پر موقوف ہے - مثلاً ایسے مرد اور عورت کا نکاح شرعاً
جائز ہے جو بالغ و رشید ہون اور جنکے نکاح کا کوئی عذر شرعی مانع نہو چاہے کسی صورت
اور کسی طرز سے وہ نکاح ہوا ہو --- ہر مسلمان یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح کر سکتا ہے
اور ایسے نکاح کا زوجہ کے رسوم مذہبی کے موافق ہونا شرعاً جائز ہے یا بطور ایک عہدہ
اُس عہدہ دار سرکاری کے روبرو بھی ہونا جائز ہے جسکو حاکم وقت نے نکاح پڑھنے یا اسکو
رجسٹری کرنے کا مجاز کیا ہو ---

مگر غور طلب یہ امر ہے کہ جب شوہر اپنے وطن اصلی مین مراجعت کرے تو آیا پہلے
نکاح کا جواز اسپر موقوف ہوگا کہ وہان آکر کوئی اور نکاح بھی پڑھا جائے ج ---
فرانسیس کی عدالتون نے اِس سوال کا جواب بصیغہ نفی دیا ہے اور اُنکے فیصلے اس
مقدمہ مین اصول شرع محمدی کے موافق ہین - کیونکہ مسلمانون کے نزدیک نکاح ایک
خالص دنیوی کارروائی ہے جسکا جواز اسپر موقوف ہے کہ متناکحین ایسا مستحکم معاہدہ
کرنے کی قابلیت شرعاً رکھتے ہون اور اُسکا جزو اعظم ایجاب وقبول ہے ---

اگر مرد بالغ و رشید ہے یعنی اُسکی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہے اور وہ اپنی نیک و
بد کو خوب سمجھ سکتا ہے یا یہ کہیئے کہ وہ سر سیر (نابالغ) یا سفیہ (فاتر العقل) نہین ہے
اور اگر عورت بھی بالغہ و رشیدہ ہے اور وہ دونون باہم نکاح کرلین تو ایسا نکاح شرعاً
جائز ہوگا خواہ گواہ ہون خواہ نہون --- پس جو نکاح کسی غیر ملک مین ایسے عہدہ دار
سرکاری کے روبرو ہوا ہو جو نکاحون کی تصدیق اور رجسٹری کرنے کا خاص طور سے مجاز
کیا گیا ہو وہ نکاح صحیح و جائز ہوگا اور اِسکی ضرورت نہوگی کہ جب شوہر اپنے وطن اصلی
مین مراجعت کرے تو اُسکی تجدید یا[1] اعادہ کرے

اگر کسی مسلمان نے کسی ایسے مُلک مین دائمی بود و باش اختیار کرلی ہو جہان تعدد ازواج

---

[1] اِس مسئلہ مین فقہ اسلامیہ کا اتفاق ہے جامع الشتات ملاحظہ ہو ---

ممنوع ہوا ور جسوقت اُسنے وہان سکونت دائمی اختیار کی تھی اُسوقت اسکی دو بیبیان موجود تھین تو فقط بود و باش کے بدلجانے سے اُسکا دوسرا نکاح باطل یا ناجائز نہو جائیگا مگر نہ وہ شوہر اور نہ ایسی زوجہ ایسے حقوق رکھینگی جنکا نفاذ ایک دوسرے کے مقابل مین ہوسکے اور گو وہ زوجہ اپنے شوہر پر نان ونفقہ یا حقوق زوجیت کی نالش کرنے کی مستحق نہو مگر کوئی قاعدہ ایسا نہین ہے جس سے وہ شوہر کی وفات کے بعد محجوب الارث ہوجائے یعنی اُسکی میراث نہ پائے — کیونکہ حق وراثت اُسکو اُسوقت ملا تھا جب اُسکا نکاح اُس مرد کے ساتھ ہوا تھا اور وہ نکاح جائز طور سے ہوا تھا اور کبھی فسخ نہین کیا گیا تھا — لہذا وہ زوجہ شوہر کی میراث پانے کی مستحق ہوگی گو یہ بات ہو کہ جس ملک مین اُسنے اب بود و باش اختیار کی ہے اُسکے قانون کے موافق وہ زوجہ نہ قرار پاسکے —

اگر کوئی مسلمان جسنے انگلستان مین سکونت چندروزہ اختیار کرلی ہو کوئی ایسا فعل کرے جو قانون انگلستان کے روسے جائز مگر شرع محمدی کے بموجب ناجائز ہو تو اُس فعل کا نتیجہ اسوقت کیا ہوگا جب وہ اپنے وطن اصلی کو مراجعت کریگا ج — مثلاً فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان ایک مشرکہ یعنی بت پرست عورت سے انگلستان مین شادی کرلے تو ایسی شادی قانون انگلستان کے بموجب جائز مگر شرع شریف کے روسے ناجائز ہوگی — پس جب وہ مسلمان بلاد الاسلام مین مراجعت کریگا تو اُس شادی کا کیا نتیجہ یا اثر ہوگا ج — غالباً مسلم کا نکاح مشرکہ کے ساتھ شرعاً ناجائز ہے مگر قانون انگلستان کے موافق یقیناً جائز ہوگا اور معتزلہ کے مذہب مین بھی جائز ہوگا — یہ خیال کرنا غلط ہے کہ شرع محمدی کے بموجب مسلم صرف ایسی عورت سے نکاح کرسکتا ہے جو کوئی الہامی دین رکھتی ہو یعنی کتابیہ یا اہل کتاب ہو — بلکہ مسلمین کو جو اہل الہوا (یعنی حکیم مشرب عورت) اور مجوسیہ اور یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ عقد کرنا جائز ہے —

شارع اسلام کا مقصد اصلی یہ تھا کہ شرک وبت پرستی گروہ اہل اسلام سے بالکل خارج رہے اسوجہ سے اُنھون نے مسلمانون کا مشرکین عرب کی بت پرست عورتون سے

ساتھ عقد کرنا حرام مطلق کر دیا ۔ شارع اسلام صلعم نے ایسے نکاح کو اُنھین وجوہ سے
حرام کر دیا جن وجوہ سے انبیاے سلف مین سے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کا نکاح
اہل فنیسیہ یعنی عمالقہ اور بت پرست قومون کے ساتھ حرام کر دیا تھا ۔

چونکہ قانون انگلستان کے بموجب تعدّد ازواج حرام ہے لہذا جو مسلمان قیام
چندروزہ انگلستان مین رکھتا ہو وہ ایک ہی زمانہ مین دو عورتون سے نکاح نہین
کر سکتا گو اُسکے وطنِ اصلی کے قانون کے موافق ایسا کرنا جائز ہے ۔ اگر اُس ملک مین وہ
دو عورتون سے ایک ہی وقت مین نکاح کر لے تو دو بیبیان کرنے کے جرم مین ماخوذ ہوگا ۔

مگر یہ سوال ہے کہ جو مسلمان انگلستان مین سکونت دائمی اختیار کر چکا ہو آیا وہ بلاد الاسلام
مین چندروز کے لیے واپس آنے کے بعد بھی اختیار تعدد ازواج کو عمل مین لا سکتا ہے ج

فرانسیسی عدالتون نے اس سوال کا جواب بصیغہ نفی دیا ہے اور غالباً انگلستان کی
عدالتون کی بھی یہی راے قرار پائیگی ۔

از روے شرع محمدیؐ متناکحین کو بہ پابندی چند شرائط مخصوصہ اختیار ہے کہ برضا
و رغبت خود اور بلا اجبار و اکراہ فسخ نکاح کر لین ۔ قول مشہور یہی ہے کہ ایسی صورت مین
کسی عدالت مین جا کر طلاق کی کارروائی کرنا کچھ ضرور نہین ہے ۔ کلام اسمین ہے کہ
جو مسلمان انگلستان مین سکونت پذیر ہو مگر سکونت دائمی بلاد الاسلام مین رکھتا ہو آیا وہ
فسخ نکاح بلا دست اندازی عدالتہاے طلاق انگلستان کر سکتا ہے ج ۔

ل ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم ولا تنکحوا
المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم یعنے نہ نکاح کرو مشرک عورتون سے
جبتک کہ وہ ایمان نہ لائین ہر آئینہ مسلمان عورت مشرک عورت سے بہتر ہے گو اُسکو تم پسند کرو اور نہ
نکاح کرو مشرک مردون سے جبتک کہ وہ اسلام نہ قبول کرین ہر آئینہ مرد مسلمان مشرک سے بہتر ہے
گو وہ تمکو اچھا معلوم ہوتا ہو ۔ قران مجید سورۃ البقر آیت ۲۲۰ ۔ مشرک اور مشرکہ سے وہ مرد اور
عورت مراد ہین جو حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات پاک مین دوسرے کو شریک بناتے ہون اور یہ لفظ عموماً سب بت پرست مردون اور عورتون کی نسبت
استعمال کیے جاتے ہین ۔ ۱۲ مترجم

ساتھ عقد کرنا حرام مطلق کر دیا۔ شارع اسلامؐ نے ایسے نکاح کو اُنھین وجوہ سے
حرام کر دیا جن وجوہ سے انبیاے سلف مین سے حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کا نکاح
اہل فنیشیہ یعنی عمالقہ اور بت پرست قومون کے ساتھ حرام کر دیا تھا۔

چونکہ قانون انگلستان کے بموجب تعدد ازدواج حرام ہے لہذا جو مسلمان قیام
چند روزہ انگلستان مین رکھتا ہو وہ ایک ہی زمانہ مین دو عورتون سے نکاح نہین
کر سکتا گو اُسکے وطن اصلی کے قانون کے موافق ایسا کرنا جائز ہے۔ اگر اُس ملک مین وہ
دو عورتون سے ایک ہی وقت مین نکاح کر لے تو دو بیبیان کرنے کے جرم مین ماخوذ ہوگا۔

مگر یہ سوال ہے کہ جو مسلمان انگلستان مین سکونت دائمی اختیار کر چکا ہو آیا وہ بلاد الاسلام
مین چند روز کے لیے واپس آنے کے بعد بھی اختیار تعدد ازدواج کو عمل مین لا سکتا ہے؟

فرانسیسی عدالتون نے اس سوال کا جواب بصیغہ نفی دیا ہے اور غالباً انگلستان کی
عدالتون کی بھی یہی راے قرار پائیگی۔

از روے شرع محمدیؐ متناکحین کو بہ پابندی چند شرائط مخصوصہ اختیار ہے کہ برضا
و رغبت خود اور بلا اجبار و اکراہ فسخ نکاح کر لین۔ قول مشہور یہی ہے کہ ایسی صورت مین
کسی عدالت مین جا کر طلاق کی کارروائی کرنا کچھ ضرور نہین ہے۔ کلام اسمین ہے کہ
جو مسلمان انگلستان مین سکونت پذیر ہو مگر سکونت دائمی بلاد الاسلام مین رکھتا ہو آیا وہ
فسخ نکاح بلا دست اندازی عدالتہاے طلاق انگلستان کر سکتا ہے؟

۱؎ ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن ولامة مؤمنة خیر من مشرکة ولو اعجبتکم ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم یعنے نہ نکاح کرو مشرک عورتون سے جبتک کہ وہ ایمان نہ لائین ہر آئینہ مسلمان عورت مشرک عورت سے بہتر ہے گو اُسکو تم پسند کرو اور نہ نکاح کرو مشرک مردون سے جبتک کہ وہ اسلام نہ قبول کرین ہر آئینہ مرد مسلمان مشرک سے بہتر ہے گو وہ تمکو اچھا معلوم ہوتا ہو — قرآن مجید سورۃ البقر آیت ۲۲۰ - مشرک اور مشرکہ سے وہ مرد اور عورت مراد ہین جو حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات پاک مین دوسرے کو شریک بناتے ہون اور یہ لفظ عموماً سب بت پرست مردون اور عورتون کی نسبت استعمال کیے جاتے ہین ۱۲ مترجم

رکھتی ہے — درصورت اُس نکاح کے جو حقیقۃً ایک ہی زوجہ پر محدود ہو اور جسمین
اُن شرائط کی تکمیل بخوبی ہوگئی ہو جو عالم جج نے بمقدمہ ہائڈ بنام ہائیڈ قرار دیے ہین
یعنی نکاح کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ ایک عورت کا ایک مرد سے تاحیات دونون کے اور
برضا ورغبت خود اور باخراج جملہ دیگر اشخاص کے وصل ہونا ہا کوئی اصول قانونی ایسا
نہین معلوم ہوتا جسکے بموجب انگلستان کی عدالت طلاق کی اُس نالش کی سماعت سے
انکار کر سکتی ہے جو اُن وجوہ سے دائر کی گئی ہو جو خود اُس عدالت کے نزدیک مسلم ہین
جو فیصلہ بمقدمہ ہائیڈ بنام ہائڈ صادر ہوا ہے اُسمین بخوبی غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے
کہ لارڈ پینزانس صاحب نے جو اِس مقدمہ مین دادرسی کی درخواست کو نامنظور کیا ہے تو ضمناً
یا صریحاً یہ کہین نہین فرمایا ہے کہ انگلستان کی عدالت طلاق ایسی نالش کی سماعت نہین کرسکتی
جو اُس نکاح کو فسخ کرانے کے لیے دائر کی گئی ہو جو ایک زوجہ پر محدود و مشروط ہو اور
انگلستان مین ہوا ہو اور جسمین ناکح عیسائی مذہب کے سوا اور کوئی مذہب رکھتا ہو مگر
انگلستان مین دائمی بود و باش رکھتا ہو — لکن جب کوئی مسلمان صرف قیام چند روزہ یا
سکونت غیر مستقل انگلستان مین رکھتا ہو تو اختیار طلاق جو ازروی شرع شریف فریقین کو ہر حال
مین حاصل ہے کیونکر عمل مین لایا جائیگا — فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان زوجہ سے ناموافقت
مزاج کی وجہ سے طلاق کا خواہان ہو یا کوئی زوجہ اپنے خاوند کی درشتی اور بدسلوکی کی وجہ سے
اُس سے طلاق لینا چاہیے تو کیا فریقین باہمی رضامندی سے فسخ نکاح کر سکتے ہین جو ازرو
شرع محمدی جائز ہے یا یہ کہ انکو فسخ نکاح کی ایک باضابطہ ڈگری حاصل کرنی پڑیگی — اگر وہ
نکاح انگلستان مین ہوا تھا تو اُس ملک کی عدالتین ایسی طلاق کو نہ تسلیم کرینگی جو کسی مسلمان قاضی
یا مفتی نے پڑھ دیا ہو تا وقتیکہ ایسا طلاق کسی وجہ ایسے[1] سبب سے نہ دیا گیا ہو جو اُس ملک مین سبب
معقول طلاق کا سمجھا جاتا ہو اور کسی غیر ملک کی کارروائی کر کے اور اُس ملک کی عدالتون سے

---

[1] شا بنام اٹرنی جنرل لا رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ — ۱۲ منہ [2] شا بنام گولڈ لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۵ — ۱۲ منہ

سازش کرکے مقدمہ طلاق مین مدد نہ لیگئی ہو ۔ مثلاً اگر نکاح بلاد الاسلام مین ہوا ہو اور فریقین انگلستان
مین رہتے ہون تو بھی انگلستان کی عدالتین اُس طلاق کو جائز نہ رکھینگی جو کسی عدالت مجازہ کے
ذریعہ سے نہ حاصل ہوا ہو ۔ پس جو مسلمان انگلستان مین رہتا ہو وہ فسخ نکاح اپنی مرضی سے
نہین کرسکتا گو اپنے وطن مین اُسکو ایسا کرنا جائز ہو ۔

جب کوئی مسلم کسی مسلمہ سے عقد کرے تو حکم شرع یہ ہے کہ گواہ بھی مسلمان ہون ۔
مگر جب متناکحین مین اختلاف مذہب ہو تو گواہون کا مسلمان ہونا کچھ ضرور نہین ہے ۔

شرع محمدی مین بھی قانون اسکاٹ لینڈ کی طرح اگر متناکحین خود آپسمین نکاح پڑھ لین
تو وہ نکاح ایک معاہدہ جائز سمجھا جائیگا ۔ لیکن اگر نکاح انگلستان مین کیا جائے تو ضرور ہے
کہ اُسی طور اور اُنھین رسوم کے ساتھ کیا جائے جو قانون انگلستان کے بموجب نکاح جائز کے لیے
لازم ہین ۔ والدین یا اولیار کی رضامندی جو مسلمانون کے نزدیک بعض شرائط سے جواز نکاح کو
لازم ہے قانون انگلستان کے موافق ایک جز صرف رسم نکاح کا سمجھا جاتا ہے ۔ مثلاً ایک حنفی
یا شیعہ مرد یا عورت اگر بالغ و رشید ہو تو بلا اجازت اولیار نکاح کرسکتی ہے مگر ایک شافعی عورت
کسی حال مین بلا رضامندی اپنے ولی شرعی کے نکاح نہین کرسکتی ۔ لکن اگر وہ بلا اجازت
و رضامندی والدین یا اولیا انگلستان مین اپنا نکاح کرلے تو وہ نکاح جائز ہوگا ۔

صوبہ الجیریا مین یہ تجویز ہوچکا ہے کہ قاضی پر فرض نہین ہے کہ مسلم اور غیر مسلمہ کے
نکاح کی تصدیق کرے مگر ایسا نکاح کسی عہدہ دار ملکی کے روبرو رجسٹری ہوسکتا ہے
جسپر قانوناً فرض ہے کہ فریقین کی خواہش کو عمل مین لاکر اُس نکاح کو محکمہ رجسٹری کے
کاغذات مین درج کرے ۔ ایکٹ رجسٹری نکاح اہل اسلام کے بموجب جو صوبہ
بنگالہ کے چند اضلاع مین جاری ہے مسلمانون کو اپنی شادیان رجسٹری
کرانے کا اختیار ہے ۔ اور چونکہ اس ایکٹ کے بموجب قاضی خاص اس
کام کے لیے مقرر کیے گئے ہین کہ مسلمانون کی شادیون کی رجسٹری کرین لہذا اُنکو

ضرور رجسٹری کرنا پڑیگا بشرطیکہ اُنسے رجسٹری کی درخواست کیجائے۔

پس فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان سکونت چند روزہ یا بود و باش دائمی صوبہ بنگالہ مین رکھتا ہو اور غیر مسلمہ سے شادی کرے اور اُسکی رجسٹری بموجب ایکٹ رجسٹری نکاح مسلمانان کرائے تو قاضی کو انکار کا اختیار نہوگا گو اگر ایسا قانون نافذ نہوتا یا اگر قاضی کا عہدہ ویسا ہی ہوتا جیسا پادشاہان اسلام کے عہد مین تھا تو قاضی کو ایسے نکاح کی رجسٹری سے انکار کرنا جائز ہوتا۔

اس مسئلہ مین ایک عجیب و غریب امر الجیریہ کی عدالت مین ۴ اکتوبر ۱۸۷۷ء کو پیش ہوا ایک مسلمان باشندۂ الجیریہ نے ایک اسپانیہ کی عورت سے جو مسلمان ہوگئی تھی نکاح کیا وہ نکاح قاضی کے روبرو ہوا اور اُس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ولد الحلال شوہر یوسف اور زوجہ مریم کا درج رجسٹر کیا گیا۔ یوسف کی وفات کے بعد اُسکی زوجہ مریم نے اپنی طرف سے اور اپنی اولاد کی جانب سے بھی اپنے شوہر متوفی کی جائداد پر قبضہ کرنا چاہا مگر اسکے شوہر کے بھائیون نے اسکا سخت مقابلہ کیا اور یہ بحث پیش کی کہ اُسکا نکاح جو قاضی کے سامنے ہوا تھا جائز تھا اسواسطے کہ گو اس عورت نے دین اسلام اختیار کر لیا تھا مگر یہ سلطنت اسپانیہ کے رعیت رہی لہذا رسم نکاح اسپانیہ کے سفیر یا حکام فرانسیسی کے روبرو ادا ہونا چاہیئے تھا۔ عدالت نے جسمین تین فرانسیس جج اور دو مسلمان اسیسر تھے بالاتفاق اُس نکاح کو جائز قرار دیا اور یہ حکم دیا کہ مریم اور اُسکا لڑکا شرع محمدی کے بموجب یوسف متوفی کی وراثت کے مستحق ہین۔

پس اگر کوئی مسلمان ایک غیر مسلمہ سے اُن صوبجات ہندوستان مین عقد کرنا چاہے جہان ایکٹ رجسٹری نکاح اہل اسلام جاری ہے تو وہ ایسا نکاح یا اُس قاضی کے روبرو کر سکتا ہے جو اُس ایکٹ کے بموجب مقرر کیا گیا ہو یا ترنج کے طور پر دو گواہون کے سامنے کر سکتا ہے خواہ وہ ناکح کے ہم مذہب ہون خواہ منکوحہ کے۔ اگر وہ عورت کسی

ضرور رجسٹری کرنا پڑیگا بشرطیکہ انسے رجسٹری کی درخواست کیجاے۔

پس فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان سکونت چند روزہ یا بود و باش دائمی صوبہ بنگالہ مین رکھتا ہو اور غیر مسلمہ سے شادی کرے اور اُسکی رجسٹری بموجب ایکٹ رجسٹری نکاح مسلمانان کرائے تو قاضی کو انکار کا اختیار نہوگا گو اگر ایسا قانون نافذ نہوتا یا اگر قاضی کا عہدہ ویسا ہی ہوتا جیسا پادشاہان اسلام کے عہد مین تھا تو قاضی کو ایسے نکاح کی رجسٹری سے انکار کرنا جائز ہوتا۔

اس مسئلہ مین ایک عجیب و غریب امر الجیرس کی عدالت مین ۴ اکتوبر ۱۸۸۶ع کو پیش ہوا ایک مسلمان باشندۂ الجیرس نے ایک اسپانیہ کی عورت سے جو مسلمان ہو گئی تھی نکاح کیا وہ نکاح قاضی کے روبرو ہوا اور اُس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ولد الحلال شوہر یوسف اور زوجہ مریم کا درج رجسٹر کیا گیا۔ یوسف کی وفات کے بعد اُسکی زوجہ مریم نے اپنی طرف سے اور اپنی اولاد کی جانب سے بھی اپنے شوہر متوفی کی جائداد پر قبضہ کرنا چاہا مگر اسکے شوہر کے بھائیون نے اسکا سخت مقابلہ کیا اور یہ بحث پیش کی کہ اُسکا نکاح جو قاضی کے سامنے ہوا تھا جائز نہ تھا اسواسطے کہ گو اس عورت نے دین اسلام اختیار کر لیا تھا مگر یہ سلطنت اسپانیہ کے رعیت رہی لہذا رسم نکاح اسپانیہ کے سفیر یا حکام فرانسیسی کے روبرو ادا ہونا چاہیئے تھا۔ عدالت نے جسمین تین فرانسیس جج اور دو مسلمان اسیسر تھے بالاتفاق اُس نکاح کو جائز قرار دیا اور یہ حکم دیا کہ مریم اور اُسکا لڑکا شرع محمدی کے بموجب یوسف متوفی کی وراثت کے مستحق ہین۔

پس اگر کوئی مسلمان ایک غیر مسلمہ سے اُن صوبجات ہندوستان مین عقد کرنا چاہے جہان ایکٹ رجسٹری نکاح اہل اسلام جاری ہے تو وہ ایسا نکاح یا اُس قاضی کے روبرو کر سکتا ہے جو اُس ایکٹ کے بموجب مقرر کیا گیا ہو یا ریخ کے طور پر دو گواہون کے سامنے کر سکتا ہے خواہ وہ ناکح کے ہم مذہب ہون خواہ منکوحہ کے۔ اگر وہ عورت کسی

حاشیہ ۲

ابراہیم حلبی کے نزدیک لفظ بیت المال بجائے مال المسلمین کو خلاصہ کرکے بنالیا ہے یعنی وہ مکان جسمین گروہ اہل اسلام کا مال جمع ہو۔ بیت المال چار جزون پر منقسم ہے یعنے

(۱) بیت الصدقہ

(۲) بیت الغنیمت

(۳) بیت الخراج

(۴) بیت المال لاوارث

بیت الصدقہ کے مداخل حسب تفصیل ذیل ہین۔

(الف) پانچوان حصہ مال غنیمت کا یعنی خمس

(ب) دسوان حصہ اُس مال کا جسکو مسلمان بطور مالکان اُس علاقہ کے ادا کرین جو انکو بطور فاتحان کوئی ملک فتح کرنے کے وقت عطا ہوا ہو یا جو علاقہ اُسی زمانہ مین نومسلم مالکان قدیم کے قبضہ مین چھوڑ دیا گیا ہو۔

(ج) وہ ٹیکس جو عشر اور زکات کے حق سے دیا جائے۔

بیت الغنیمت کے مال مین اشیاے ذیل داخل ہین۔

(الف) وہ تعلقے جو کوئی ملک فتح کرنے کے بعد بے مالک پائے گئے ہون اور وہ تعلقے جو غنیم سے چھین لیے گئے ہون اور وہ تعلقے جنکے مالکان قدیم اب صرف آسامی رہگئے ہون۔

(ب) کانیں اور خزانے وغیرہ۔

بیت الخراج مین وہ ٹیکس داخل ہین جنکو بادشاہ وقت نے مقرر کیا ہو جیسے مالگذاری آراضی اور سالانہ خراج اور مصالحہ کا تاوان وغیرہ۔

بیت المال لاوارث مین اُن اشخاص کا مال جو لاوارث مرگئے ہون اور اُس شخص کا

حاشیہ ۲

ابراہیم حلبی کے نزدیک لفظ بیت المال بجائے مال المسلمین کو خلاصہ کر کے بنالیا ہے یعنی وہ مکان جسمین گروہ اہل اسلام کا مال جمع ہو۔ بیت المال چار جزون پر منقسم ہے یعنے

(۱) بیت الصدقہ

(۲) بیت الغنیمت

(۳) بیت الخراج

(۴) بیت المال لاوارث

بیت الصدقہ کے مداخل حسب تفصیل ذیل ہین۔

(الف) پانچوان حصہ مال غنیمت کا یعنی خمس

(ب) دسوان حصہ اُس مال کا جسکو مسلمان بطور مالکان اُس علاقہ کے ادا کرین جو انکو بطور فاتحان کوئی ملک فتح کرنے کے وقت عطا ہوا ہو یا جو علاقہ اُسی زمانہ مین نومسلم مالکان قدیم کے قبضہ مین چھوڑ دیا گیا ہو۔

(ج) وہ ٹیکس جو عشر اور زکات کے حق سے دیا جائے۔

بیت الغنیمت کے مال مین اشیاے ذیل داخل ہین۔

(الف) وہ تعلقے جو کوئی ملک فتح کرنے کے بعد بے مالک پائے گئے ہون اور وہ تعلقے جو غنیم سے چھین لیے گئے ہون اور وہ تعلقے جنکے مالکان قدیم اب صرف آسامی رہگئے ہون۔

(ب) کانین اور خزانے وغیرہ۔

بیت الخراج مین وہ ٹیکس داخل ہین جنکو پادشاہ وقت نے مقرر کیا ہو جیسے مالگذاری آراضی اور سالانہ خراج اور مصالحہ کا تاوان وغیرہ۔

بیت المال لاوارث مین اُن اشخاص کا مال جو لاوارث مرگئے ہون اور اُس شخص کا

تقریر مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ انگلشیہ ہندوستان مین کوئی حق لاوارث مسلمانون کے مال مین نہین رکھتی ہے۔ پس ایسے مال کا دعوے کرنا سرکار کو سنی اور شیعہ دونون کے مذہب مین ناجائز ہے۔ صرف ایک وجہ سرکار ایسی جائداد کا دعوے کرسکتی ہے کہ یہ جائداد سرکار مین غربا و مساکین کی پرورش کے لیے امانت رکھی رہیگی۔ مگر شرع شریف مین تاکید ہے کہ ایسا مال صرف غربا و مساکین مسلمین کے فائدہ کے لیے صرف کیا جاوے اور گورنمنٹ انگلشیہ ایسا دعوی نہین کرسکتی کہ ایسے مال کو شرع محمدی کے منشا کے موافق صرف کرسکتی ہے۔ فقط

تیسرا باب

اولاد حلال کی حالت

جیسا تمام مہذب و شائستہ قوانین مین ہے اسی طرح شرع محمدی مین بھی اولاد حلال والدین کی ہمبستری کی تابع ہے یعنی ولد الحلال کی ولدیت اسکی مان کے شوہر مین قائم سمجھی جائیگی بغیر اسکے کہ اسکا باپ اسکی ولدیت کا اقرار یا تصدیق کرے اور ایسی اولاد اپنے باپ کی حیثیت کے تابع ہوگی۔

اہل سنت کے فرقون کے نزدیک ولد الحلال ہونے کا گمان ایسا ظن غالب ہے کہ اگر کوئی لڑکا اپنے والدین کی تاریخ نکاح سے چھ مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو یا اپنے مان کی طلاق یا اپنے باپ کی وفات کے دس مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو تو صرف اسکے باپ کا اسکی ولدیت سے انکار کرنا بھی ولد الحلال کی حیثیت کو اس سے سلب یا زائل نہین کرسکتا ہے۔

اس باب مین ائمہ ساطیر اصاحب فرماتے ہین کہ وہ جس زوجہ کا نکاح بپابندی رسوم و احکام شرع ہوا ہو اسکی نسبت شرع محمدی ایسا حسن ظن رکھتی ہے کہ اگر والدین اولاد کی ولدیت کو دوسرے شخص کی طرف منسوب کردین تو بھی جو

اولاد انکے زمانہ نکاح مین پیدا ہوئی ہو وہ اولاد حلال ہی سمجھی جائیگی الا اینکہ انکار
ولدیت بذریعہ لعان کیا جاے یعنی زوجہ کو زنا سے متہم کرے ۱۲
ولد الحلال کے باب مین قانون[1] انگلستان بھی شرع محمدی کے مشابہ ہے —
قانون انگلستان کے بموجب منکوحہ کی اولاد جہان کہین پیدا ہوئی ہو حلالی سمجھی
جائیگی الا اینکہ شوہر وزوجہ کی نارسائی کی یا اور کسی ایسے امر کی شہادت موجود ہو —
مگر قانون انگلستان کے رو سے تعدد ازواج یعنی ایک ہی زمانہ مین کئی عورتون سے
نکاح کرنا جائز نہین ہے اور ایسی کوئی سند موجود نہین ہے جس سے یہ بات ثابت ہو
کہ اگر کوئی مسلمان کئی بیبیان رکھتا ہو تو انکی اولاد کا کیا حال ہوگا اور آیا اس صورت مین
وہ عام قاعدہ جاری ہوگا جسکے بموجب جواز نکاح والدین کے وطن اصلی کے قانون پر
موقوف ہے — مثلاً اگر کوئی مسلمان صوبہ الجیریا مین جہان شافعی مذہب سُنّی ہت مین
دو عورتون سے نکاح کرے تو آیا دوسری زوجہ کی اولاد حلالی قرار دیجائیگی جیسا
مقتضی انصاف ہے اگرچہ قانون انگلستان کے بموجب ایک ہی زمانہ مین
دو عورتون سے نکاح کرنا جائز و مباح نہین ہے ج — اور اگر فرض کیا جائے کہ
ایسی اولاد حلالی سمجھی جائیگی تو اگر کوئی مسلمان جو انگلستان مین سکونت دائمی رکھتا ہو
صوبہ الجیریا مین جاکر دوسرا عقد کرے تو آیا اس عقد ثانی کی اولاد قانون انگلستان کے
بموجب حلالی ہوگی یا حرامی[2] ج —

[1] رستوری صاحب کی کتاب علم فقہ صفحہ ۹۷ — ۱۲ منہ [2] مقدمہ ہائڈ بنام ہائڈ لا رپورٹ
صفحہ ۱۳۰ — یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ازمن نکاح سے شوہر کو یہ حق نہین حاصل ہوتا کہ طلاق بعلت
زنا کے ڈگری حاصل کر سکے — مقدمہ بروک بنام بروک لا رپورٹ صفحہ ۱۹۳ — یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا
کہ دوسرے ملک مین شادی کرنے سے کوئی شخص اپنے وطن اصلی کے قانون سے اغماض نہین
کر سکتا — مگر عرض کیا جاتا ہے کہ ان مین سے کوئی اصول ان مسلمان والدین کی اولاد کے حلالی
ہونے مین موثر نہ سمجھا جائیگا جنکا عقد شرع محمدی کے موافق ہوا ہو اور جنھون نے اپنی شرع سے اغماض نہ کیا ہو ۱۲ — منہ

اولاد انکے زمانۂ نکاح مین پیدا ہوئی ہو وہ اولاد حلال ہی سمجھی جائیگی الا اینکہ انکار
ولدیت بذریعہ لعان کیا جاوے یعنی زوجہ کو زنا سے متہم کرے [1]

ولد الحلال کے باب مین قانون[2] انگلستان بھی شرع محمدی کے مشابہ ہے —
قانون انگلستان کے بموجب منکوحہ کی اولاد جہان کہین پیدا ہوئی ہو حلالی سمجھی
جائیگی الا اینکہ شوہر وزوجہ کی نارسائی کی یا اور کسی ایسے امر کی شہادت موجود ہو —
مگر قانون انگلستان کے رو سے تعدد ازواج یعنی ایک ہی زمانہ مین کئی عورتون سے
نکاح کرنا جائز نہین ہے اور ایسی کوئی سند موجود نہین ہے جس سے یہ بات ثابت ہو
کہ اگر کوئی مسلمان کئی بیبیان رکھتا ہو تو انکی اولاد کا کیا حال ہوگا اور آیا اس صورت مین
وہ عام قاعدہ جاری ہوگا جسکے بموجب جواز نکاح والدین کے وطن اصلی کے قانون پر
موقوف ہے — مثلاً اگر کوئی مسلمان صوبہ الجیریا مین جہان شافعی مذہب سُنّی ہے مین
دو عورتون سے نکاح کرے تو آیا دوسری زوجہ کی اولاد حلالی قرار دیجائیگی جیسا
مقتضی انصاف ہے اگرچہ قانون انگلستان کے بموجب ایک ہی زمانہ مین
دو عورتون سے نکاح کرنا جائز ومباح نہین ہے ؟— اور اگر فرض کیا جائے کہ
ایسی اولاد حلالی سمجھی جائیگی تو اگر کوئی مسلمان جو انگلستان مین سکونت دائمی رکھتا ہو
صوبہ الجیریا مین جاکر دوسرا عقد کرے تو آیا اس عقد ثانی کی اولاد قانون انگلستان کے
بموجب حلالی ہوگی یا حرامی ؟—

[1] رسٹوری صاحب کی کتاب علم فقہ صفحہ ۷۹ — ۱۲ منہ [2] مقدمہ ہانڈ بنام ہانڈ لا رپورٹ
صفحہ ۱۳۰ — یہ تجویز کیا گیا ہے کہ مارمن نکاح سے شوہر کو یہ حق نہین حاصل ہوتا کہ طلاق بعلت
زنا کے ڈگری حاصل کر سکے — مقدمہ برڈک بنام برڈک لا رپورٹ صفحہ ۱۹۳ — یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا
کہ دوسرے ملک مین شادی کرنے سے کوئی شخص اپنے وطن اصلی کے قانون سے اغماض نہین
کر سکتا — مگر عرض کیا جاتا ہے کہ ان مین سے کوئی اصول ان مسلمان والدین کی اولاد کے حلالی
ہونے مین مؤثر نہ سمجھا جائیگا جنکا عقد شرع محمدی کے موافق ہوا ہو اور جنھون نے اپنی شرع سے اغماض نہ کیا ہو ۱۲ — منہ

حنفیہ کے نزدیک دو سال اکثر مدت حمل[1] سمجھی جاتی تھی - یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ
اور اُنکے دونون شاگردون کا ہے اور ایک حدیث پر مبنی ہے جو حضرت عائشہ رضہ سے
منقول ہے - مگر شافعیہ کے نزدیک اکثر مدت حمل چار سال اور مالکیہ کے نزدیک پانچ
برس اور بعض اوقات سات سال ہے - امام شافعی اور امام مالک کا قول اس مسئلہ
مین ایک قدیم روایت پر مبنی ہے کہ یوراسپ جسکا لقب ضحاک تازی ہے حمل کے چار سال
بعد پیدا ہوا تھا اور اتنی ہی مدت کے بعد ابن ربیعہ اور ابن عجلان بھی پیدا ہوے[2] تھے
شیعون نے حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کو جو اُنھون نے اپنے عہد خلافت مین کیا تھا
بنا قرار دے کر دس قمری مہینون کو اکثر مدت حمل مقرر کر دیا[3] ہے -

بیلی صاحب فرماتے ہین کہ علماے متقدمین اہل سنت نے اتنی طولانی میعادین حمل کی
اُن غیر معمولی حالات پر نظر کر کے قرار دی ہین جنکے مشاہدہ سے بعض اوقات یورپ کے
بڑے بڑے حاذق ڈاکٹر عاجز و پریشان ہو گئے ہین - مگر ڈی اوہسن صاحب
اور سائیر[4] صاحب کی راے یہ ہے کہ دو قدماے فقہاے اہل سنت کو رحم و مروت اس
مسئلہ مین محرک ہوے تھے نہ یہ کہ نظام طبیعی یا قانون قدرت سے اُنھون نے چشم پوشی
کی ہو اور اُنکا مقصود اصلی ایسی طولانی مدت حمل مقرر کرنے سے یہ تھا کہ احکام شرع
جو طلاق اور انکار ولدیت سے متعلق ہین اُنکا عملدرآمد بیجا اور خلاف انصاف ہونے پائے[5]
باوجودیکہ صوبہ الجیریا مین مذہب شافعی اور مذہب مالکی جاری ہے اُس ملک کے
قاضیون نے ڈی اوہسن صاحب کی راے اختیار کر کے اپنے فیصلون مین ہمیشہ یہی

عطا کی ہے اور مین نیک کام کرون جس سے تو خوش ہو جاے اور میری اولاد کو نیک کر تحقیق مین نے توبہ کی تیری
جناب مین اور تحقیق کر مین مسلمانون مین سے ہون - قرآن مجید سورۃ الاحقاف آیت ۱۴ - ۱۲ مترجم [1] در مختار صفحہ ۲۴۲
اور فتاواے قاضی خان صفحہ ۲۲۴ - ۱۲ منہ [2] شرفیہ کے مصنف نے ان روایتون پر مسخر کیا ہے - بیلی صاحب کی شرح
محمدی صفحہ ۱۷۵ - ۱۲ منہ [3] جامع الشتات و مفاتیح اسرار شاد علامہ - ۱۲ منہ [4] تاریخ دولت عثمانیہ مصنفہ سائیر صاحب
جلد ۳ صفحہ ۲ [5] قدیم قوانین کے بموجب اکثر مدت حمل دس مہینہ تھے اور مجموعہ قوانین نپولین کے موافق اقل مدت حمل ۱۸۰ روز اور اکثر مدت ۳۰۰ دن ہین - منہ

حنفیہ کے نزدیک دو سال اکثر مدت حمل[1] سمجھی جاتی تھی - یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ اور اُنکے دونون شاگردون کا ہے اور ایک حدیث پر مبنی ہے جو حضرت عائشہ رضہ سے منقول ہے - مگر شافعیہ کے نزدیک اکثر مدت حمل چار سال اور مالکیہ کے نزدیک پانچ برس اور بعض اوقات سات سال ہے - امام شافعی اور امام مالک کا قول اِس مسئلہ مین ایک قدیم روایت پر مبنی ہے کہ بیوراسپ جسکا لقب ضحاک تازی ہے حمل کے چار سال بعد پیدا ہوا تھا اور اتنی ہی مدت کے بعد ابن ربیعہ اور ابن عجلان بھی پیدا ہوے[2] تھے شیعون نے حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کو جو اُنھون نے اپنے عہد خلافت مین کیا تھا بنا قرار دے کر دس قمری مہینون کو اکثر مدت حمل مقرر کر دیا[3] ہے -

بیلی صاحب فرماتے ہین کہ علماے متقدمین اہل سنت نے اتنی طولانی میعادین حمل کی اُن غیر معمولی حالات پر نظر کر کے قرار دی ہین جنکے مشاہدہ سے بعض اوقات یورپ کے بڑے بڑے حاذق ڈاکٹر عاجز و پریشان ہو گئے ہین - مگر ڈی او ہسن صاحب اور سائیٹیر[4] صاحب کی راے یہ ہے کہ در قدماے فقہاے اہل سنت کو رحم و مروت اِس مسئلہ مین محرک ہوے تھے نہ یہ کہ نظام طبیعی یا قانون قدرت سے اُنھون نے چشم پوشی کی ہو اور اُنکا مقصود اصلی ایسی طولانی مدت حمل مقرر کرنے سے یہ تھا کہ احکام شرع جو طلاق اور انکار ولدیت سے متعلق ہین اُنکا عملدرآمد بیجا اور خلاف انصاف ہونے پاے[5] باوجودیکہ صوبۂ الجیریا مین مذہب شافعی اور مذہب مالکی جاری ہے اُس ملک کے قاضیون نے ڈی او ہسن صاحب کی راے اختیار کر کے اپنے فیصلون مین ہمیشہ یہی

عطا کی ہے اور مین نیک کام کرون جس سے تو خوش ہو جاے اور میری اولاد کو نیک کر تحقیق مین نے توبہ کی تیری جناب مین اور تحقیق کہ مین مسلمانون مین سے ہون - قرآن مجید سورۃ الاحقاف آیت ۱۴ - ۱۲ منہ [1] ترجمہ درمختار صفحہ ۲۴۲ اور فتاواے قاضی خان صفحہ ۲۲۴ - ۱۲ منہ [2] شرح وقایہ کے مصنف نے ان روایتون پر مسخرہ کیا ہے - بیلی صاحب کا شرح محمدی صفحہ ۱۵۷ - ۱۲ منہ [3] جامع الشتات و مفاتیح اسرار شاد ملا آمہ - ۱۲ منہ [4] تاریخ دولت عثمانیہ مصنفہ سائیٹیر صاحب جلد ۲ صفحہ ۲ [5] قدیم قوانین کے بموجب اکثر مدت حمل دس مہینہ تھے اور مجموعہ قوانین نپولین کے موافق اقل مدت حمل ۱۸۰ روز اور اکثر مدت ۳۰۰ دن ہین

بعد اپنا حق وراثت قائم کرنے کے لیے دائر کیے ہین - مگر ایسے مقدمات مین بھی اصل امر
جسپر بحث ہوئی ہے زوجہ کی حالت ہے کہ آیا اُسکا نکاح حکم شرع کے موافق
ہوا تھا یا نہ ہوا تھا - جو اصول فیصلہ جات عدالت العالیہ پریوی کونسل مین بیان ہوے ہین
اُنمین صاف صاف اعلان اِس امر کا کر دیا ہے کہ شرع محمدیؐ کا منشا اولاد کو حرامی
بنا دینا نہین ہے درحالیکہ واقعات موجودہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ یہ لڑکا اپنے باپ کے
نطفہ سے ہے یا اُسکے باپ نے اُسکی ولدیت کو اپنی حیات مین قبول و تسلیم کر لیا ہو[1]
اُن مقدمات کو جنمین کسی لڑکے کے ولد الحلال ہونے مین بحث ہوئی ہے نظر غور سے دیکھیے
تو معلوم ہو جائیگا کہ امر متنازع فیہ یا اُسکے والدین کا جواز نکاح ہے یا اِس امر کا
ثبوت ہے کہ یہ لڑکا زوجیت شرعی کی حالت مین پیدا ہوا تھا -

یہود کی شرع مین حق انکار ولدیت شوہر کو مطلقاً حاصل ہے - فرانسیس کے
مجموعۂ قوانین دیوانی کے بموجب بھی انکار ولدیت عدم قابلیت مباشرت کی وجہ سے
جائز ہے - پس معلوم ہوا کہ شرع محمدیؐ رومی اور فرانسیسی قانون سے اِس
حیثیت سے مشابہ ہے کہ بعض خاص وجوہ اِس لڑکے کے انکار ولدیت کے
تسلیم کیے ہین جو زوجیت شرعی کی حالت مین پیدا ہوا ہو اور وہ وجوہ عدم قابلیت مباشرت
اور نارسائی ہین - مگر شرع محمدیؐ مین اِس سے بھی ترقی کر کے یہ قرار دیا گیا ہے کہ
انکار ولدیت کا حق بعض حالات مین جنکا لحاظ حاکم شرع کو ہمیشہ رکھنا چاہیے زائل
ہو جاتا ہے - مثلاً اگر باپ زچاخانہ کے رسوم مین شریک ہوا ہے جو مسلمانون کے

---

[1] خواجہ ہدایت اللہ بنام ریحن خانم سور صاحب کی انڈین اپیلس جلد ۳ - صفحہ ۲۹۵ - کھجور النسا
بنام روشن جہان انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ صفحہ ۱۸۹ - اس دوسرے مقدمہ مین جناب پریوی کونسل نے لڑکے کے ملازمی؟
اور اُسکی مان کی حالت کی نسبت یہ کلمات لکھے ہین - جب کسی لڑکے سے اُسکا باپ اور اہل خاندان ہمیشہ اولاد کے طور پر
پیش آئے ہون تو یہ گمان ہوتا ہے کہ اُس لڑکے کی مان اُسکے باپ کی زوجہ تھی ۱۱۱ - ۱۱۲ صفحہ [2] کتاب فقہ یہود مولفہ ابن عمر جلد ۲ صفحہ [illegible]

بعد اپنا حق وراثت قائم کرنے کے لیے دائر کیے ہین - مگر ایسے مقدمات مین بھی اصل امر جسپر بحث ہوئی ہے زوجہ کی حالت ہے کہ آیا اُسکا نکاح حکم شرع کے موافق ہوا تھا یا نہ ہوا تھا - جو اصول فیصلجات عدالت العالیہ پروی کونسل مین بیان ہوے ہین اُنمین صاف صاف اعلان اِس امر کا کردیا ہے کہ شرع محمدی کا منشا اولاد کو حرامی بنا دینا نہین ہے درحالیکہ واقعات موجودہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ یہ لڑکا اپنے باپ کے نطفہ سے ہے یا اُسکے باپ نے اُسکی ولدیت کو اپنی حیات مین قبول و تسلیم کرلیا ہو[1] اُن مقدمات کو جنمین کسی لڑکے کے ولد الحلال ہونے مین بحث ہوئی ہے نظر غور سے دیکھیے تو معلوم ہوجائیگا کہ امر متنازع فیہ یا اُسکے والدین کا جواز نکاح ہے یا اِس امر کا ثبوت ہے کہ یہ لڑکا زوجیت شرعی کی حالت مین پیدا ہوا تھا -

یہود[2] کی شرع مین حق انکار ولدیت شوہر کو مطلقاً حاصل ہے - فرانسیس کے مجموعۂ قوانین دیوانی کے بموجب بھی انکار ولدیت عدم قابلیت مباشرت کی وجہ سے جائز ہے - پس معلوم ہوا کہ شرع محمدی رومی اور فرانسیسی قانون سے اِس حیثیت سے مشابہ ہے کہ بعض خاص وجوہ اس لڑکے کے انکار ولدیت کے تسلیم کرنے میں جو زوجیت شرعی کی حالت مین پیدا ہوا ہو اور وہ وجوہ عدم قابلیت مباشرت اور نارسائی ہین - مگر شرع محمدی مین اِس سے بھی ترقی کرکے یہ قرار دیا گیا ہے کہ انکار ولدیت کا حق بعض حالات مین جنکا لحاظ حاکم شرع کو ہمیشہ رکھنا چاہیئے زائل ہوجاتا ہے - مثلاً اگر باپ زچاخانہ کے رسوم مین شریک ہوا ہے جو مسلمانون کے

---

[1] خواجہ ہدایت اللہ بنام ریحن خانم مور صاحب کی انڈین اپیلس جلد ۳ - صفحہ ۲۹۵ - کھجور النسا بنام روشن جہان انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ صفحہ ۱۸۹ - اس دوسرے مقدمہ مین جہان پروی کونسل نے لڑکے کے حلالی ہونے اور اُسکی ماں کی حالت کی نسبت یہ کلمات لکھے ہین - جب کسی لڑکے سے اُسکا باپ اور اہل خاندان ہمیشہ اولاد کے طور پر پیش آئے ہون تو یہ گمان ہوتا ہے کہ اُس لڑکے کی ماں اُسکے باپ کی زوجہ تھی ۱۱ - ۱۱ منہ [2] کتاب فقہ یہود مولفہ ابن ضمر جلد ۲ صفحہ

قانون انگلستان اور قانون ممالک متحدہ امریکا اور سب ملکون کے قانون سے موافق جنمین قانون انگلستان جاری ہے جو اولاد قبل ازدواج والدین پیدا ہوئی ہو وہ اُنکی مناکحت کے بعد حلال زادی نہین قرار پاسکتی۔ مگر قانون اسکاٹ لینڈ کی موافق اور اُن ملکون کے قوانین سے بموجب جنمین رومیون کا قانون اختیار کیا گیا ہے یا اُسکا اثر ہوا ہے جیسا فرانسیس ہے ایسی اولاد والدین کے بعد ولادت نکاح کر لینے سے حلالی ہو جاتی ہے۔ یعنی اِن سب قوانین کے رو سے یہ ہے کہ اگر والدین بعد ولادت اولاد نکاح کر لین تو وہ اولاد حلالی ہوگی۔

اِس مسئلہ مین شرع محمدیؐ قانون انگلستان سے مشابہت تامہ رکھتی ہے یعنی قانون انگلستان کی طرح شرع محمدیؐ مین بھی وہ اولاد حلالی نہین ہے جسکے والدین کا نکاح اُسکی ولادت کے بعد ہوا ہو۔ مگر شرع محمدیؐ نے اِس سے ترقی کر کے اُس اولاد کو بھی حلالی نہین قرار دیا ہے جسکا حمل حالت نکاح مین نہ رہا ہو گو وہ اسی حالت مین پیدا ہوئی ہو۔ قانون انگلستان کے بموجب جو لڑکا حالت نکاح صالح مین پیدا ہوا ہو وہ حلالی ہے گو اُسکا حمل قبل نکاح رہچکا ہو۔ مگر شرع محمدی مین تاکید ہے کہ وہ جماع جسکا ثمرہ وہ لڑکا ہے جب حالت نکاح صالح مین ہوا ہو تب وہ لڑکا ولدالحلال ہوگا چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ زنا کرے اور اُس عورت کو حمل رہجائے تب اُسکے ساتھ عقد کر لے اور نکاح سے چھ مہینہ کے اندر اُسکو لڑکا پیدا ہو تو وہ لڑکا اُس شخص کا نہ سمجھا جائیگا تاوقتیکہ

اگر اُسنے اِسکے بعد ولدیت کا انکار کیا ہو تو بھی اُس سے لعان لیا جائیگا مگر اِس لڑکے کا نسب اُسمین قائم ہو جائیگا لیکن اگر وہ اپنی زوجہ سے غائب رہا ہو اور لڑکا پیدا ہونے کا حال نہ جانتا ہو تو ابو حنیفہ کے نزدیک اُسکو اتنی میعاد انکار کی دیجائیگی جتنی مدت مین مبارکباد قبول ہوتی ہو اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک کل زمانہ نفاس کا جو یہ خبر ملنے کے بعد گذرے۔ ۱۲۔ فتاواے عالمگیری +

قانون انگلستان اور قانون ممالک متحدہ امریکا اور سب ملکون کے قانون کے
موافق جنمین قانون انگلستان جاری ہے جو اولاد قبل ازدواج والدین پیدا ہوئی ہو
وہ انکی مناکحت کے بعد حلال زادی نہین قرار پاسکتی ـ مگر قانون اسکاٹ لینڈ کی
موافق اور اُن ملکون کے قوانین کے بموجب جنمین رومیون کا قانون اختیار کیا گیا ہے
یا اُسکا اثر ہوا ہے جیسا فرانسیس ہے ایسی اولاد والدین کے بعد ولادت نکاح
کر لینے سے حلالی ہو جاتی ہے ـ یعنی اِن سب قوانین کے رو سے یہ ہے کہ اگر
والدین بعد ولادت اولاد نکاح کر لین تو وہ اولاد حلالی ہوگی ـ

اِس مسئلہ مین شرع محمدیؐ قانون انگلستان سے مشابہت تامہ رکھتی ہے
یعنی قانون انگلستان کی طرح شرع محمدیؐ مین بھی وہ اولاد حلالی نہین ہے جسکے والدین کا
نکاح اُسکی ولادت کے بعد ہوا ہو ـ مگر شرع محمدیؐ نے اِس سے ترقی کر کے اُس اولاد
کو بھی حلالی نہین قرار دیا ہے جسکا حمل حالت نکاح مین نہ رہا ہو گو وہ اسی حالت
مین پیدا ہوئی ہو ـ قانون انگلستان کے بموجب جو لڑکا حالت نکاح صالح مین
پیدا ہوا ہو وہ حلالی ہے گو اُسکا حمل قبل نکاح رہچکا ہو ـ مگر شرع محمدی مین تاکید ہے
کہ وہ جماع جسکا ثمرہ وہ لڑکا ہے جب حالت نکاح صالح مین ہوا ہو تب وہ لڑکا ولد الحلال
ہوگا چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ
زنا کرے اور اُس عورت کو حمل رہجاوے تب اُسکے ساتھ عقد کر لے اور نکاح سے
چھ مہینہ کے اندر اُسکو لڑکا پیدا ہو تو وہ لڑکا اُس شخص کا نہ سمجھا جائیگا تاوقتیکہ

اگر اُسنے اِسکے بعد ولادت کا انکار کیا ہو تو بھی اُس سے لعان لیا جائیگا مگر اس لڑکے کا نسب اُسمین قائم ہوجائیگا
لکن اگر وہ اپنی زوجہ سے غائب رہا ہو اور لڑکا پیدا ہونے کا حال نہ جانتا ہو تو ابو حنیفہ کے نزدیک اُسکو اتنی میعاد
انکار کی دیجائیگی جتنی مدت مین مبارکباد قبول ہوتی ہو اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک کل زمانہ
نفاس کا جو یہ خبر ملنے کے بعد گذرے ـ ۱۲ ـ فتاواے عالمگیری +

پس بطور قاعدۂ کلیہ کے یہ کہ سکتے ہین کہ شیعون کا قول سنیون کے قول سے سخت تر ہے اسواسطے کہ اہل سنت کے نزدیک تو یہ ہے کہ اگر اولاد نکاح کے چھ مہینہ کے بعد پیدا ہو تو وہ حلالی سمجھی جائیگی گو حمل اِس سے پیشتر ہی رہچکا ہو مگر شیعون کے نزدیک ولد الحلال وہی ہے جسکا حمل حالتِ زوجیت شرعی مین رہا ہو۔

بمقدمۂ احمد حسین خان بنام حیدر حسین خان (مور صاحب کے انڈین اپیل صفحہ ۴۹۴ جلد ۱۱) عدالت العالیہ پروی کونسل نے یہ اصول صریحًا مقرر کر دیا ہے کہ شرع محمدیؐ مین وہ ولد الحلال ہونے کا گمان زوجیت کے بعد ہوتا ہے زوجیت کے پیشتر نہین ہوتا" اِس اصول سے وہی بات ثابت ہوتی ہے جو سابق مین بیان کی گئی کہ شرع محمدی مین یہ مسئلہ معتبر نہین ہے کہ مابعد کے نکاح سے اولاد حلالی ہو جاتی ہے ۔ مگر اِس اصول کو قیود مصرحۂ بالا سے مقید سمجھنا چاہیئے ۔

نکاح مشکوک سے جو اولاد پیدا ہو وہ شرع محمدی مین حلالی سمجھی جاتی ہے ۔

مجموعۂ قوانین نپولین کے بموجب یہ ہے کہ جب معاہدۂ نکاح نیک نیتی سے ہوا ہو تو ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ قانونًا حلالی ہو گی گو بعد ازآن وہ نکاح باطل اور ناجائز قرار دیا جائے ۔

فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ نکاحِ فاسد بعض اعتبارات سے نکاح صحیح سے مشابہت رکھتا ہے اور منجملہ اُن اعتبارات کے ایک یہ ہے کہ دونون سے ولدیت ثابت ہو جاتی ہے "۔

شیعون کا قول اِس باب مین زیادہ تر صریح و واضح ہے ۔ فقہاے شیعہ[1] کے نزدیک نسب نکاح صحیح اور نکاح مشکوک دونون سے قائم ہو جاتا ہے ۔ مثلاً اگر

---

[1] جامع الشتات ۔ مفاتیح ۔ ارشاد علامہ ۔ شرایع الاسلام ۔ ۱۳ ۔ منہاج ۔ ۱۲ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲ ۔ ۱۲ منہ

کوئی شخص نیک نیتی سے نکاح کرے اور وہ نکاح ناجائز ثابت ہو یا کوئی شخص کسی عورت کو اپنی زوجہ سمجھکر سہواً اور نیک نیتی سے اسکے ساتھ مباشرت کرے تو جو اولاد ایسے نکاح یا ایسی مباشرت سے پیدا ہو وہ شرعاً حلالی ہوگی۔ اسی طرح سے نسب ثابت ہوجائیگا گو نکاح فی الاصل باطل و ناجائز ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایسی عورت سے عقد کرے جو شرعاً اُس پر حرام ہو یا جس سے نکاح کرنا حرام ہو خواہ اسوجہ سے کہ وہ عورت اُس مرد کے اقرباے نسبی یا محرماتِ شرعیہ مین داخل ہو خواہ کوئی اتفاقی سبب سے جیسے رضاعت یا قرابت زوجیت ہو تو ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ حلالی ہوگی بشرطیکہ نکاح سہواً کیا ہو اور متناکحین اُسکی حرمت شرعیہ سے واقف نہون۔ اگر کوئی شخص محرماتِ شرعیہ مین سے کسی عورت سے محض غلطی سے یا سہواً نکاح کرلے تو ایسا نکاح فی نفسہ باطل ہوگا مگر اس سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ حلالی ہوگی۔ اِس مسئلہ مین امام اعظم ابوحنیفہ علماے شیعہ سے متفق ہین مگر صاحبین یعنی امام ابویوسف اور امام محمد نے جنکے اقوال کو فقیہ جلیل ابواللیث نے اختیار کرلیا ہے اور جنکے مقلد ہندوستان کے حنفی مذہب لوگ ہین اُنکے خلاف فتوے دیا ہے۔ اُنکا قول یہ ہے کہ جو نکاح فی نفسہ ناجائز ہو اُس سے جو اولاد بہم پہونچے وہ بھی حرامی ہوگی خواہ ایسا نکاح سہواً ہوا ہو خواہ عمداً۔

اگر کوئی عورت جسکا شوہر اول زندہ ہو نیک نیتی سے اور یہ یقین کرکے کہ شوہر اول مرگیا ہے دوسرا عقد کرلے اور جس شخص سے اُسنے دوسرا نکاح کیا ہے اُسکو بھی یہی یقین ہو تو ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ شیعون کے نزدیک حلالی اور حنفیہ کے نزدیک حرامی ہوگی۔ لیکن اگر متناکحین یہ جانکر عقد کرلین کہ اِس عورت کا شوہر اول زندہ ہے تو زنا واقع ہوگا اور فریقین کے نزدیک ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہو وہ اپنے باپ سے نسب نہ رکھیگی۔

سلہ ارشاد علامہ و شرایع الاسلام صفحہ ۱۰۳۔۱۲۔ منہ عہ جامع الشتات و شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۵ منہ

سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۰۔۱۲ منہ

شیعون کے نزدیک ولد الزنا اپنے مان باپ سے نسب نہین رکھتا ہے — اسکی
ولدیت کالعدم سمجھی جاتی ہے — پس نہ وہ مرد جسنے حرام سے حمل رکھا اور نہ وہ عورت
جسنے زنا سے حمل رکھوایا ہے اور نہ اُنکا کوئی عزیز یا رشتہ دار ولد الزنا کی میراث پاسکتا ہے
اور نہ ولد الزنا اُنکا وارث ہو سکتا ہے —

حلت نسب کے اصول جو شیعون کے نزدیک معتبر ہین اُنمین بمقدمۂ صاحبزادی بیگم
بنام مرزا ہمت بہادر ہائی کورٹ کلکتہ مین خوب بحث ہو چکی ہے — اِس مقدمہ[۱] مین
ایک ہندو راجہ مدن نرائن سنگھ نامے نے ایک شیعہ عورت براتی بیگم سے تعلق کر لیا تھا —
اِس تعلق سے کئی اولادین پیدا ہوئین اور اُن سب نے دین اسلام اور مذہب شیعہ مین پرورش
پائی اُنہین سے ایک بیٹا مر گیا اور ایک بھائی اور ایک بہن اور ایک زوجہ مسمات
صاحبزادی بیگم چھوڑ گیا — بحث اِس بات پر ہوئی کہ آیا یہ ورثہ کوئی حق متوفی کی جائداد مین
رکھتے ہین — آخر کو یہ تجویز ہوا کہ چونکہ مذہب شیعہ کے بموجب یہ اشخاص کوئی نسب مالک
جائداد سے نہین رکھتے تھے لہذا کوئی حق وراثت اُسکی جائداد مین نہین رکھتے ہین —

پس شیعون کے مذہب مین ولد الزنا کوئی نسب مان یا باپ سے نہین رکھتا ہے مگر
ولد الملاعنہ کے باب مین حکم شرع اَور ہے اور ولد الملاعنہ سے وہ لڑکا مراد ہے جسکی ولدیت
لعان کی کارروائی سے قطع ہو گئی ہو —

ولد الملاعنہ کا نسب مرد سے قطع ہو جاتا ہے عورت سے نہین قطع ہوتا
پس اُسکی مان اور اقربائے مادری اُسکی جائداد مین حق وراثت رکھتے ہین اور وہ اُنکے
مال مین رکھتا ہے[۲] — لکن اگر باپ لعان کو منسوخ کر دے تو حلت نسب دوبارہ قائم ہو جائیگی
اور وہ لڑکا حق وراثت اپنے باپ کی جائداد مین رکھیگا مگر اِسکے بالعکس نہو گا یعنی لعان کو منسوخ

---

[۱] سدرلینڈ صاحب کا ویکلی رپورٹر صفحہ ۱۵۱ — اور بنگال لا رپورٹ — جلد ۳ صفحہ ۱۰۲ — ۱۲ منہ [۲] مسلمہ کا نکاح
غیر مسلم کے ساتھ شرعاً حرام ہے — ۱۲ [۳] ارشاد علامہ — جامع الشتات — شرایع الاسلام صفحہ ۳۴۹ — ۱۲ منہ

کرنے سے باپ کا حق وراثت اُس لڑکے کی جائداد مین دوبارا نہ قائم ہوگا —

مگر اہل سنت کے نزدیک ولد الزنا اور ولد الملاعنہ مین نسب کے اعتبار سے کچھ فرق نہین ہے — دونون کا نسب مان سے اور اقربا ے مادری سے قائم رہتا ہے اور دونون مان اور اقربا ے مادری سے میراث پاتے ہین اور وہ اُنکے وارث[1] ہوتے ہین — مثلاً اگر مقدمہ صاحبزادی بیگم بنام مرزا ہمت بہادر مین فریقین شیعہ نہوتے بلکہ سُنّی ہوتے تو بھائی اور بہن اپنے برادر متوفی کی جائداد مین یقیناً ترکہ پاتے۔

جب مرد اور عورت کا نکاح ہوگیا ہو اور نکاح مشہور ہوچُکا ہو اور بخوبی ثابت ہوسکتا ہو تو اولاد کے نسب مین جو نزاع پیدا ہو وہ صرف اِسقدر باقی رہجاتی ہے کہ آیا یہ اولاد حالت زوجیت شرعیہ مین پیدا ہوئی تھی اور اسی حالت مین اسکا حمل رہا تھا یا نہین — مگر بعض صورتون مین نکاح بآسانی نہین ثابت ہوسکتا — ممکن ہے کہ نکاح کسی دور و دراز کے ملک مین ہوا ہو یا ایسے حالات مین ہوا ہو کہ شہادت تحریری یا شہادت زبانی وقوع نکاح کی نسبت نہ بہم پہونچ سکے — ایسی صورتون مین دائمی یکجائی سے اور فریقین کے زن و شوہر مشہور ہوجانے سے شرعاً نکاح صحیح فرض کرلیا جائیگا بشرطیکہ ایسے فرض کا کوئی مانع قوی نہو اور بشرطیکہ زن و شوہر مین جو تعلق ہے وہ سرسری اور چند روزہ نہو بلکہ مستقل اور دائمی ہو جس سے یہ قیاس ہوسکے کہ انکا عقد بپابندی احکام شرع ہوا[2] تھا — مثلاً اگر کوئی عورت کسی مرد سے نکاح کرے اور اُسنے طلاق نہ دیا ہو پھر وہ عورت دوسرے شخص سے تعلق کرلے اور ہمیشہ اُسکے ساتھ رہا کرے تو ایسی دائمی یکجائی سے عقد شرعی کا گمان نہ کیا جائیگا درحالیکہ اِن دونون کے نکاح کا مانع شرعی موجود ہے — یا اگر وہ عورت اُس مرد سے قرابت نسبی رکھتی ہو یا اُسکی محرمات شرعیہ مین داخل ہو تو انکے زن و شوہر کے طور پر یکجا رہنے سے

---

[1] کنز الدقائق اور فتاوا ے عالمگیری صفحہ ۶۲۹ — ۱۲ منہ [2] باقر حسین بنام شرف النسا بیگم مور صاحب کے انڈین اپیلس جلد ۷ صفحہ ۱۵۹ — ۱۲ منہ

کرنے سے باپ کا حق وراثت اُس لڑکے کی جائداد مین دوبارا نہ قائم ہوگا —

مگر اہل سنت کے نزدیک ولد الزنا اور ولد الملاعنہ مین نسب کے اعتبار سے کچھ فرق نہین ہے — دونون کا نسب مان سے اور اقربا ے مادری سے قائم رہتا ہے اور دونون مان اور اقربا ے مادری سے میراث پاتے ہین اور وہ اُنکے وارث[۱] ہوتے ہین — مثلاً اگر مقدمہ صاحبزادی بیگم بنام مرزا ہمت بہادر مین فریقین شیعہ نہوتے بلکہ سُنّی ہوستے تو بھائی اور بہن اپنے برادر متوفی کی جائداد مین یقیناً ترکہ پاتے —

جب مرد اور عورت کا نکاح ہوگیا ہوا اور نکاح مشہور ہوچکا ہو اور بخوبی ثابت ہوسکتا ہو تو اولاد کے نسب مین جو نزاع پیدا ہو وہ صرف اسقدر باقی رہجاتی ہے کہ آیا یہ اولاد حالت زوجیت شرعیہ مین پیدا ہوئی تھی اور اسی حالت مین اسکا حمل رہا تھا یا نہین — مگر بعض صورتون مین نکاح بآسانی نہین ثابت ہوسکتا — ممکن ہے کہ نکاح کسی دور و دراز کے ملک مین ہوا ہو یا ایسے حالات مین ہوا ہو کہ شہادت تحریری یا شہادت زبانی وقوع نکاح کی نسبت نہ بہم پہونچ سکے — ایسی صورتون مین دائمی یکجائی سے اور فریقین کے زن و شوہر مشہور ہوجانے سے شرعاً نکاح صحیح فرض کرلیا جائیگا بشرطیکہ ایسے فرض کا کوئی مانع قوی نہو اور بشرطیکہ زن و شوہر مین جو تعلق ہے وہ سرسری اور چندروزہ نہو بلکہ مستقل اور دائمی ہو جس سے یہ قیاس ہوسکے کہ انکا عقد بپابندی احکام شرع ہوا[۲] تھا — مثلاً اگر کوئی عورت کسی مرد سے نکاح کرے اور اُسنے طلاق نہ دیا ہو پھر وہ عورت دوسرے شخص سے تعلق کرلے اور ہمیشہ اُسکے ساتھ رہا کرے تو ایسی دائمی یکجائی سے عقد شرعی کا گمان نہ کیا جائیگا درحالیکہ ان دونون کے نکاح کا مانع شرعی موجود ہے — یا اگر وہ عورت اُس مرد سے قرابت نسبی رکھتی ہو یا اُسکی محرمات شرعیہ مین داخل ہو تو انکے زن و شوہر کے طور پر یکجا رہنے

---

[۱] کنز الدقائق اور فتاوا ے عالمگیری صفحہ ۶۲۹ — ۱۲ منہ [۲] باقر حسین بنام شرف النسا بیگم مور صاحب کے انڈین اپیلس جلد ۸ صفحہ ۱۵۹ — ۱۲ منہ

چوتھا باب

تبنّی اور ولدیت اور اقرار ولدیت۔

تبنّی شرع محمدی میں اُس معنی سے معتبر نہیں ہے جو معنی ہنود سمجھتے ہیں یا جس معنی سے رومیوں میں اسکا رواج تھا۔ جیسا فی زماننا ہنود میں ہے ویسا ہی زمانہ سلف میں رومیوں میں تبنّی مذہبی خیالات سے تعلق تام رکھتی تھی۔ یعنی مردوں کی نجات اخروی اور گھر کے دیوتاؤں کا بقا اُسپر موقوف سمجھا جاتا تھا۔ مشرکین عرب میں بھی یہ دستور جاری تھا اور ایسی ہی اصل رکھتا تھا۔

مشرکین عرب اُس شخص کو جولاولد مرجاتا تھا اَلْاَبْتَر یعنی دُم بریدہ کے لقب مکروہ سے یاد کرتے تھے اسی سے بخوبی ثابت ہے کہ تبنّی کا رسم انکی نظروں میں کیسی عظمت و وقعت رکھتا تھا

معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے زید ابن حارث کو اپنا متبنّی بنایا تھا اُسوقت آپ صلعم کے نزدیک یہ رسم معتبر تھا۔ لیکن بعد ازآن جب آپ صلعم نے عرب کے بت پرست قبائل سے وہ رسوم قبیحہ ترک کرا دیئے جنکے وہ عادی تھے اور انکو بلند اور عمدہ خیالات قرابت خاندانی کی نسبت سکھائے تو صاف صاف اُسنے فرمادیا کہ جیسا دستور تبنّی کا ایام جاہلیت میں جاری تھا اُس سے متبنّی اور متبنّٰی یعنی پسر مجازی اور پدر مجازی میں ویسی قرابت نہیں پیدا ہوتی جیسی نسب سے پیدا ہوتی ہے۔

پس شریعت میں کسی قسم کی تبنّی معتبر نہیں ہے جبکہ معلوم ہو کہ متبنّٰی اُس شخص کی اولاد نہیں ہے جسنے اسکو متبنّٰی بنایا ہے بلکہ اور شخص کی اولاد ہے۔

---

[۱] تاریخ کاسن ڈی پرسول اور تاریخ عرب صفحہ ۲۶۴ ۔ ۲۶۳ [۲] مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ اللَّائِيْ تُظَاهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ یعنی نہیں پیدا کیے خدا نے دو دل کسی شخص کے سینہ میں اور نہیں کیا خدا نے تمہاری اُن بیبیوں کو جنکو تم ظہار کر دیا ہو تمہاری مائیں اور نہیں کیا اللہ نے اُن لڑکوں کو جنکو تم اپنا بیٹا کہتے ہو تمہارے بیٹے یہ بات تم اپنے

چوتھا باب

تبنّی اور ولدیت اور اقرار ولدیت۔

تبنّی شرع محمدی میں اُس معنی سے معتبر نہیں ہے جو معنی ہنود سمجھتے ہین یا جس معنی سے رومیون مین اسکا رواج تھا۔ جیسا فی زماننا ہنود مین ہے ویساہی زمانہ سلف مین رومیون مین تبنّی مذہبی خیالات سے تعلّق تام رکھتی تھی۔ یعنی مردون کی نجات اخروی اور گھر کے دیوتاؤن کا بقا اُسپر موقوف سمجھا جاتا تھا۔ مشرکین عرب[1] مین بھی یہ دستور جاری تھا اور ایسی ہی اصل رکھتا تھا۔

مشرکین عرب اُس شخص کو جو لاولد مرجاتا تھا اَلاَبتر یعنی دُم بریدہ کے لقب مکروہ سے یاد کرتے تھے اِسی سے بخوبی ثابت ہے کہ تبنّی کا رسم اُنکی نظرون مین کیسی عظمت و وقعت رکھتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے زید ابن حارث کو اپنا متبنّی بنایا تھا اُسوقت آپؐ کے نزدیک یہ رسم معتبر تھا۔ لکن بعدازآن جب آپؐ نے عرب کے بت پرست قبائل سے وہ رسوم قبیحہ ترک کرادیے جنکے وہ عادی تھے اور اُنکو بلند اور عمدہ خیالات قرابت خاندانی کی نسبت سکھائے تو صاف صاف اُسنے فرمادیا کہ جیسا دستور تبنّی کا ایام جاہلیت مین جاری تھا اُس سے متبنّی اور متبنّیٰ یعنی پسر مجازی اور پدر مجازی مین ویسی قرابت نہین پیدا ہوتی جیسی نسب سے پیدا ہوتی ہے۔

پس شریعت مین کسی قسم کی تبنّی معتبر نہین ہے جبکہ معلوم ہو کہ متبنّیٰ اُس شخص کی اولاد نہین ہے جسنے اسکو متبنّیٰ بنایا ہے بلکہ اور شخص کی اولاد ہے۔

---

[1] تاریخ کا سن ڈی پرسول اور تاریخ عرب صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳ ۔ ۱۲ مـ[2] مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ اللّٰٓئِیْ تُظٰہِرُوْنَ مِنْھُنَّ اُمَّھٰتِکُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاھِکُمْ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ یعنی نہین بنایے خدا نے دو دل کسی شخص کے سینہ مین اور نہین کیا خدا نے تمہاری اُن بیبیون کو جنکو تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائین اور نہین کیا اللہ نے اُن لڑکون کو جنکو تم اپنا بیٹا کہتے ہو تمہارے بیٹے یہ بات تم اپنے

جو لڑکا ایسا صغیر السن ہو کہ باپ بیٹے کی قرابت کے معنی نہ سمجھ سکتا ہو یا اپنی کچھ کیفیت نہ بیان کر سکتا ہو اسکو اقرار ولدیت قبول کر لینا شرعاً ضرور نہین ہے نہ اُسکی رضامندی ایسے اقرار کے جواز کی شرط ہے جیسا کہ بالغ ورشید کی رضامندی شرط ہے —

کتاب جوہرۃ النائرہ مین لکھا ہے کہ "وہ ولدیت کو قبول کر لینا صرف اُس لڑکے کو ضرور ہے جو صاحب تمیز اور ذی شعور ہو اور اپنی کیفیت بیان کر سکتا ہو صغیر السن لڑکے کے واسطے یہ بھی ضرور نہین[1] ہے"

جامع الشتات مین لکھا ہے کہ "وہ صغیر السن لڑکے کی رضامندی کا کچھ لحاظ نہ کیا جائیگا" — اور شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "وہ اگر کسی صغیر السن لڑکے کی ولدیت کا اقرار کر لیا گیا ہو اور بعد بلوغ وہ اُبوت سے انکار کرے تو ایسا انکار شرعاً بیکار ہوگا[2]" — اقرار اُبوت سے تمام نتائج شرعی ابوت حقیقی کے پیدا ہوتے ہین اور اُس لڑکے کو مقر کی میراث پانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے — پس اقرار ابوت بعض نتائج شرعی کے اعتبار سے مسئلہ حلت نسب بعد وقوع نکاح کے مشابہ ہو سکتا ہے — مگر اِن دونون مسئلون مین فرق بین یہ ہے کہ اقرار ولدیت سے تقدم نکاح سمجھا جاتا ہے لیکن مسئلہ حلت نسب بعد وقوع نکاح (یعنی نکاح کے پیشتر جو حمل رہا ہو اُسکی اولاد معہ نکاح کرنے کے حلالی ہو) بالکل ایک مختلف بنا پر مبنی ہے — تاہم جہانتک حلت نسب متعلق ہے اِن دونون مسئلون سے ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے یعنی حلالی بنا دینا اُس اولاد کا جو نا جائز نکاح سے پیدا ہوئی ہو یا ایسے نکاح سے پیدا ہوئی ہو جسکے جائز طور سے ہونے کا کوئی ثبوت نہو — اگر کوئی زن منکوحہ اقرار ولدیت کرے تو وہ شرعاً معتبر نہین ہے کیونکہ اُسکا اقرار دوسرے شخص پر یعنی شوہر پر مؤثر ہوتا ہے

[1] شاما چرن سرکار کے لکچر شرع محمدی جلد ۱ صفحہ ۳۷۸ — ۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام ۳۷۶ — ارشاد علامہ — جامع الشتات — ۱۲ — منہ

جو لڑکا ایسا صغیر السّن ہو کہ باپ بیٹے کی قرابت کے معنی نہ سمجھ سکتا ہو یا اپنی کچھ کیفیت نہ بیان کرسکتا ہو اُسکو اقرار ولدیت قبول کر لینا شرعًا ضرور نہین ہے نہ اُسکی رضامندی ایسے اقرار کے جواز کی شرط ہے جیسا کہ بالغ و رشید کی رضامندی شرط ہے ۔

کتاب جوہرة النّائرہ مین لکھا ہے کہ "وہ ولدیت کو قبول کر لینا صرف اُس لڑکے کو ضرور ہے جو صاحب تمیز اور ذی شعور ہو اور اپنی کیفیت بیان کرسکتا ہو صغیر السّن لڑکے کے واسطے یہ بھی ضرور نہین[1] ہے"

جامع الشّتات مین لکھا ہے کہ ۔ "وہ صغیر السّن لڑکے کی رضامندی کا کچھ لحاظ نہ کیا جائیگا" ۔ اور شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "وہ اگر کسی صغیر السّن لڑکے کی ولدیت کا اقرار کر لیا گیا ہو اور بعد بلوغ وہ اُبوّت سے انکار کرے تو ایسا انکار شرعًا بیکار ہوگا[2]" ۔ اقرار اُبوّت سے تمام نتائج شرعی اُبوّت حقیقی کے پیدا ہوتے ہین اور اُس لڑکے کو مقر کی میراث پانے کا حق حاصل ہوجاتا ہے ۔ پس اقرار اُبوّت بعض نتائج شرعی کے اعتبار سے مسئلہ حلّت نسب بعد وقوع نکاح کے مشابہ ہو سکتا ہے ۔ مگر اِن دونوں مسئلون مین فرق بیّن یہ ہے کہ اقرار ولدیت سے تقدم نکاح سمجھا جاتا ہے لکن مسئلہ حلّتِ نسب بعد وقوع نکاح (یعنی نکاح کے پیشتر جو حمل رہا ہو اُسکی اولاد مع نکاح کرنے کے حلالی ہو) بالکل ایک مختلف بنا پر مبنی ہے ۔ تاہم جہانتک حلّت نسب متعلق ہے اِن دونوں مسئلون سے ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے یعنی حلالی بنا دینا اُس اولاد کا جو نا جائز نکاح سے پیدا ہوئی ہو یا ایسے نکاح سے پیدا ہوئی ہو جسکے جائز طور سے ہونے کا کوئی ثبوت نہو ۔ اگر کوئی زن منکوحہ اقرار ولدیت کرے تو وہ شرعًا معتبر نہین ہے کیونکہ اُسکا اقرار دوسرے شخص پر یعنی شوہر پر مؤثر ہوتا ہے

---

[1] شاما چرن سرکار کے لکچر شرع محمدی یہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۸ ۔ ۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام ۳۷۶ ۔
ارشاد علامہ ۔ جامع الشّتات ۔ ۱۲ ۔ منہ

اگر لڑکے کی ولادت مورد نزاع نہو اور اسکے صحت نسب مین کچھ کلام نہو اور اگر ماں کے اِس کہنے کو کہ یہ لڑکا جو مجھے پیدا ہوا ہے میرے شوہر متوفی کا ہے اُسکے ورثہ صریحًا یا ضمنًا قبول کر لین تو اِس صورت مین وہ لڑکا اُسکے شوہر کے نطفہ سے سمجھا جائیگا گو اُسکی ولادت کا شاہد کوئی نہو۔[1]

البتہ ایسا لڑکا اپنے پدر متوفی کی میراث پائیگا۔ مگر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب اُسکی ولدیت اِسطرح ثابت ہو گئی ہو تو جن ورثہ نے اسکو متوفی کی اولاد قبول کر لیا ہے آیا اُنکے سوا اور ورثہ کے حقوق پر بھی اُسکی ولدیت موثر ہو گی۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا اُن ورثہ کے اقرار ولدیت سے اُس لڑکے کی حلال زادگی فی الواقع ناطق طور سے ثابت ہو جائیگی اور اُسکا حق مطلقًا قائم ہو جائیگا۔ اِس مسئلہ مین علما کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر اقرار کرنے والے وارثون کے صادق القول اور معتبر ہونے مین کوئی شک نہو اور اُنکے اقرار پر کسی قسم کا اعتراض نہو سکے تب جو ولدیت اُنکے اقرار سے ثابت ہو وہ دیگر ورثہ کے حقوق پر بھی مانند خود اُنکے حقوق کے موثر ہو گی اور تمام دنیا کے مقابل مین ناطق ہو گی۔[2]

شیعون کے مذہب مین بھی شوہر دار عورت اپنے اور دوسرے شخص کے درمیان وہ قرابت پیدا کر سکتی ہے جو ماں اور اُسکے اولاد مین ہوتی ہے بشرطیکہ تمام شرائط ضروریہ کی تکمیل ہو جائے اور اُسکا شوہر اُسکے اقرار کی تصدیق کر دے۔ شیعہ[3] اور سنی دونون کا اتفاق

---

[1] ہدایہ صفحہ ۔ ۱۶۰ ۔ ۲۳ ۔ ۱۲ امنہ [2] ہدایہ صفحہ ۔ ۱۸۰ ۔ ۳ ۔ ۱۲ امنہ [3] امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہین کہ اگر کوئی عورت جو اپنے شوہر سے جدا ہو گئی ہو عدہ کے زمانہ مین لڑکا جنے تو اُسکی ولدیت شوہر مین نہ قائم ہو گی تا وقتیکہ اُسکی ولدیت دو مرد گواہون یا ایک مرد اور دو عورت گواہون کی گواہی سے نہ ثابت کیجائے۔ مگر مصنف ہدایہ نے اِس قول مین یہ تاویل کی ہے کہ یہ قاعدہ اُس صورت مین جاری ہوگا جب کہ ظاہر احمل نہو۔ مگر امر واقعی یہ ہے کہ یہ مسئلہ طے ہو گیا ہے کہ دایہ کی شہادت شرعًا اثبات ولدیت کو کافی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے قول کا مقابلہ شیعہ کے اقوال کے ساتھ کیجئے۔ ۱۲۔ منہ

اُن شرائط کے باب مین ہے جو ولدیت کے اقرار صالح کو لازم ہین شیعون کے نزدیک بھی یہی ہے کہ اول تو جس لڑکے کی ولدیت کا اقرار ہوا ہے وہ مجہول النسب یا مجہول الابوّت ہونا چاہیئے اگر یہ عموماً مشہور ہو کہ مقر اور مقرلہ باہم وہ قرابت نہین رکھتے ہین جسکے وہ مدعی ہین یا اگر یہ معلوم ہو کہ وہ دونون مختلف خاندانون سے ہین یا یہ کہ اُس لڑکے کا باپ یا مان مقر کے سوا اور کوئی شخص مشہور ہو تو ایسا اقرار صحیح نہوگا۔

ثانیاً مقر اور مقرلہ کے سن مین ایسا فرق ہونا چاہیئے کہ جس قرابت کا اقرار ہوا ہے وہ ممکن عقلاً ہو سکے ۔ شیعون کے مذہب مین اُس عمر کی کوئی خاص حد نہین مقرر ہے بلکہ ایسی صورتون مین اس اصول کا اعتبار کیا ہے جو قانون طبیعی سے پیدا ہوا ہے ۔ باپ کا اقرار ولدیت اُس حال مین بھی صحیح نہوگا جبکہ اس لڑکے کی عمر مین اُسکی رسائی اُسکی ماں تک ممکن نہوئی ہو

ثالثاً[۳] اُس لڑکے کی ابوّت مورد نزاع نہو یعنی اور کوئی شخص مدعی نہو کہ یہ میری اولاد ہے کا ایسی صورت مین اقرار ولدیت بلا ثبوت صحیح[ع] نہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ زن شوہر دار کا اقرار ولدیت شرعاً اسوقت صحیح ہوگا جبکہ اُسکا شوہر اُسکے اقرار کی تصدیق کر دے اور شرائط مصرحہ بالا کی تکمیل ہو جائے۔

لکن جب شوہر کے مرنے کے بعد زوجہ کے یہان لڑکا پیدا ہو تو یہ مسئلہ بہت مشکوک معلوم ہوتا ہے - اگر اُس لڑکے کی ولادت کی نسبت کچھ نزاع نہو تو اسکی ولدیت یقیناً اس عورت کے شوہر متوفی کی طرف منسوب کیجائیگی ۔ مگر جب اُس لڑکے کی حلال زادگی مین نزاع ہو تو ایسی دقتین پیدا ہوتی ہین جو مسائل شیعہ کے لفظی معنی کہنے سے بآسانی رفع نہین ہوسکتین۔

اِس صورت مین عدل و انصاف کا لحاظ کیا جائیگا اور متاخرین علماے ایران نے جو حکم شرع قرار دیا ہے اُسکی پابندی[ع] کیجائیگی۔

---

[۱] شرائع الاسلام صفحہ ۳۰۷ سطر ۳ اور ارشاد علامہ اور بنگال لاء رپورٹ جلد ۴ صفحہ ۵۵ ۱۲ منہ

[۲] جامع الشتات ۱۲ منہ [۳] جامع الشتات مین جو مسائل لکھے ہین اُنکو ملاحظہ کیجیے ۱۲ منہ

اُن شرائط کے باب مین ہے جو ولدیت کے اقرار صالح کو لازم ہین شیعون کے نزدیک بھی یہی ہے
کہ اول تو جس لڑکے کی ولدیت کا اقرار ہوا ہے وہ مجہول النسب یا مجہول الابوّت ہونا چاہیئے
اگر یہ عموماً مشہور ہو کہ مقر اور مقرلہ باہم وہ قرابت نہین رکھتے ہین جسکے وہ مدعی ہین یا
اگر یہ معلوم ہو کہ وہ دونون مختلف خاندانون سے ہین یا یہ کہ اُس لڑکے کا باپ یا مان مقر کے سوا
اور کوئی شخص مشہور ہو تو ایسا اقرار صحیح نہوگا —
ثانیاً مقر اور مقرلہ کے سن مین ایسا فرق ہونا چاہیئے کہ جس قرابت کا اقرار ہوا ہے وہ ممکن
عقلاً ہو سکے — شیعون کے مذہب مین اُس عمر کی کوئی خاص حد نہین مقرر ہے بلکہ ایسی
صورتون مین اس اصول کا اعتبار کیا ہے جو قانون طبیعی سے پیدا ہوا ہے — باپ کا اقرار
ولدیت اُس حال مین بھی صحیح نہوگا جبکہ اس لڑکے کی عمر مین اُسکی رسائی اُسکی ان تک ممکن نہوئی ہو
ثالثاً[1] اُس لڑکے کی ابوّت مورد نزاع نہو یعنی اور کوئی شخص مدعی نہو کہ یہ میری اولاد ہے ایسی
صورت مین اقرار ولدیت بلا ثبوت صحیح نہوگا[2] —
پس معلوم ہوا کہ زن شوہردار کا اقرار ولدیت شرعاً اسوقت صحیح ہوگا جبکہ اُسکا شوہر
اُسکے اقرار کی تصدیق کردے اور شرائط مصرحہ بالا کی تکمیل ہو جاوے —
لیکن جب شوہر کے مرنے کے بعد زوجہ کے یہان لڑکا پیدا ہو تو یہ مسئلہ بہت مشکوک
معلوم ہوتا ہے — اگر اُس لڑکے کی ولادت کی نسبت کچھ نزاع نہو تو اسکی ولدیت یقیناً اس
عورت کے شوہر متوفی کی طرف منسوب کیجائیگی — مگر جب اُس لڑکے کی حلال زادگی مین نزاع
ہو تو ایسی دقتین پیدا ہوتی ہین جو مسائل شیعہ کے لفظی معنی کہنے سے بآسانی رفع نہین ہوسکتین —
اِس صورت مین عدل و انصاف کا لحاظ کیا جائیگا اور متاخرین علماے ایران نے جو
حکم شرع قرار دیا ہے اُسکی پابندی کیجائیگی[3] —

---

[1] شرائع الاسلام صفحہ ۴۶۷ — اور ارشاد علامہ اور بنگال لاء رپورٹ — جلد ۴ صفحہ ۵۵ — ۱۲ منہ
[2] جامع الشتات ۱۲ — منہ [3] جامع الشتات مین جو مسائل لکھے ہین اُنکو ملاحظہ کیجیے — ۱۲ — منہ

کیا ہے دوسرا ثمن اسکو دیا جائیگا گو اُسکے نسب مین متوفی کے بھائیون کو کلام ہو۔ لیکن جب اسکا نسب حاکم شرع کے سامنے ثابت کر دیا جاوے یا اُسکے بھائی اسکو قبول کر لین تو وہ لڑکا مابقی کل جائداد پاویگا۔

بے شوہر عورت صرف اقرار ولدیت کر کے اپنے اور دوسرے شخص کے درمیان مان اور بیٹے کے قرابت پیدا کر سکتی ہے بشرطیکہ اور شرائط بھی متحقق ہون۔

اقرار سے ولدیت کے سوا اور بعض قرابتین بھی ثابت ہو جاتی ہین۔ اور ایسی صورتون مین اُس اقرار مین جو مرد نے کیا ہو اور اُس اقرار مین جو عورت نے کیا ہو کچھ فرق نہین ہے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کی نسبت یہ اقرار کر سکتا ہے کہ یہ میرا باپ یا مان یا شوہر یا زوجہ یا بھائی یا پھوپھی یا خالہ ہے پس اگر ایسے اقرار کو مقر لہ مقر کی زندگی مین یا اُسکی وفات کے بعد قبول یا تصدیق کرلے تو جہانتک مقر اور مقر لہ خود متعلق ہین وہانتک وہ اقرار صالح قرابت کا سمجھا جائیگا۔ مگر ایسے اقرار سے قرابت صحیحہ جبھی پیدا ہوتی ہے کہ جب مقر لہ اسکو صریحاً قبول کرلے۔ اور جب اسکا قبول کرنا نہ ثابت ہو تو وہ اقرار باطل ہو جائیگا اور کوئی حق اُس سے طرفین کا نہ قائم ہوگا۔

ایسی صورتون مین بھی طرفین کو چاہیئے کہ مجہول النسب ہون تاکہ ایک دوسرے سے وہ قرابت رکھ سکے جسکا دعوےٰ کیا گیا ہے اور بدیہیات کے خلاف نہ لازم آئے۔[۵۵]

شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ اولاد کے سوا کسی اور شخص کا نسب بغیر قبول یا تصدیق مقر لہ کے نہ ثابت ہوگا اور جو حق وراثت ایسے اقرار سے پیدا ہو وہ اُن اشخاص پر محدود[۵۶] رہیگا جنھون نے اقرار کیا ہے دیگر ورثہ پر حاوی نہوگا۔ مگر باپ اور اُسکی اولاد کے باب مین حکم شرع اور ہے۔ اگر کوئی شخص اقرار کرلے کہ دوسرے شخص کا باپ ہے اور یہ دوسرا شخص اگر اس سے ہو سکے تو اُس شخص کے اقرار بنوت کی تصدیق کرے یا اُسکو

---

[۵۱] ہدایہ کتاب ۲۔ باب ۳۔ ۱۲ سنہ [۵۲] شرائع الاسلام صفحہ ۶ ۴ جامع الشتات ۱۲ سنہ [۵۳] شرائع الاسلام صفحہ ۳۰۷۔ ۳۰۸

کیا ہے دوسرا ثمن اُسکو دیا جائیگا گو اُسکے نسب مین متوفی کے بھائیون کو کلام ہو۔ لیکن جب اُسکا نسب حاکم شرع کے سامنے ثابت کر دیا جاوے یا اُسکے بھائی اُسکو قبول کر لین تو وہ لڑکا مابقی کل جائداد پاویگا۔

بے شوہر عورت صرف اقرار ولدیت کر کے اپنے اور دوسرے شخص کے درمیان ماں اور بیٹے کے قرابت پیدا کر سکتی ہے بشرطیکہ اور شرائط بھی متحقق ہون۔

اقرار سے ولدیت کے سوا اور بعض قرابتین بھی ثابت ہو جاتی ہین۔ اور ایسی صورتون مین اُس اقرار مین جو مرد نے کیا ہو اور اُس اقرار مین جو عورت نے کیا ہو کچھ فرق نہین ہے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کی نسبت یہ اقرار کر سکتا ہے کہ یہ میرا باپ یا ماں یا شوہر یا زوجہ یا بھائی یا پھوپھی یا خالہ ہے پس اگر ایسے اقرار کو مقر لہ مقر کی زندگی مین یا اُسکی وفات کے بعد قبول یا تصدیق کر لے تو جہانتک مقر اور مقر لہ خود متعلق ہین وہانتک وہ اقرار صالح قرابت کا سمجھا جائیگا۔ مگر ایسے اقرار سے قرابت صحیحہ جبھی پیدا ہوتی ہے کہ جب مقر لہ اُسکو صریحًا قبول کر لے۔ اور جب اُسکا قبول کرنا نہ ثابت ہو تو وہ اقرار باطل ہو جائیگا اور کوئی حق اُس سے طرفین کا نہ قائم ہوگا۔

ایسی صورتون مین بھی طرفین کو چاہیئے کہ مجہول النسب ہون تاکہ ایک دوسرے سے وہ قرابت رکھ سکے جسکا دعوے کیا گیا ہے اور بدیہیات کے خلاف نہ لازم[۵] آئے۔

شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ اولاد کے سوا کسی اور شخص کا نسب بغیر قبول یا تصدیق مقر لہ کے نہ ثابت ہوگا اور جو حق وراثت ایسے اقرار سے پیدا ہو وہ اُن اشخاص پر محدود[۶] رہیگا جنھون نے اقرار کیا ہے دیگر ورثہ پر حاوی نہوگا۔ مگر باپ اور اُسکی اولاد کے باب مین حکم شرع اور ہے۔ اگر کوئی شخص اقرار کر لے کہ دوسرے شخص کا باپ ہے اور یہ دوسرا شخص اگر اس سے ہو سکے تو اُس شخص کے اقرار بُنوّت کی تصدیق کرے یا اُسکو

---

۵ ہدایہ کتاب ۲- باب ۳- ۱۲ منہ ۶ شرائع الاسلام صفحہ ۴۴۶ جامع الشتات ۱۲ منہ ۷ شرائع الاسلام صفحہ ۴۲۷-۱۲ منہ

امام زمان کے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو اور دوسرا شخص یہ بیان کرے کہ متوفی میری اولاد تھی یا تو اُس شخص کی میراث اُس مقر کو ملیگی امام کو نہ ملیگی۔

لاوارث لڑکون کا تکفل کرنا سب مسلمانون کو چاہیئے اور جو شخص اُنکی حراست کرے وہ شرعًا بمنزلہ اُنکے باپ کے سمجھا جائیگا اور اُنکی میراث پانے کا مستحق ہوگا فقط۔

پانچوان باب

حق الجبر

مشرکین عرب اور اُن قبائل یہود مین جو عرب مین سکونت پذیر تھے باپ کا اختیار اپنی اولاد پر بلکہ تمام اہل خاندان پر ویسا ہی مطلق و قطعی تھا جیسا رومیون مین تھا۔ اختیار پدری کی کوئی حد و پایان نہ تھی اور خود سر مُیان خاندان کی تنک مزاجی اور تلوّن طبعی کی روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ شریعت اسلامیہ نے اِس اختیار مطلق کو معقول حدود کے اندر محدود کر دیا۔

مسلمانون مین باپ کو بہ پابندی چند شرائط معینہ کے اختیار ہے کہ اپنی اولاد کی شادی جبرًا کر دے یا ایک عمر معین تک اُنکو اپنے گھر مین جبرًا رکھے یا عند الضرورت اُنکو تنبیہ و تادیب کرے۔

اکثر احکام متعلقہ اختیار پدری شرع محمدی سے مخصوص نہین ہین۔ فقہ اسلام اور اقسام فقہ جدید مین فرق یہ ہے کہ شرع شریف مین باپ اپنی نابالغ اولاد کی شادی جبرًا کر سکتا ہے۔ اِسکو اصطلاح فقہا مین حق الجبر کہتے ہین اور مسلمانون کے سب فرقون نے اسکو چند اختلافات کے ساتھ تسلیم کر لیا ہے۔

حق الجبر اُس اختیار پدری پر مبنی ہے جو قدیم الایام سے قبائل عرب مین موجود تھا عرب مین دستور تھا کہ باپ کو بیٹون کی شادی جبرًا کر دینے کا اختیار اسوقت تک رہتا تھا جبتک وہ ہتھیار باندھنے کے قابل ہوتے تھے اور بیٹیون کی شادی جبرًا کر دینے کا اختیار

امام زمان کے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو اور دوسرا شخص یہ بیان کرے کہ متوفی میری اولاد تھی یا تو اُس شخص کی میراث اُس مقر کو ملیگی امام کو نہ ملیگی ـ

لاوارث لڑکون کا تکفل کرنا سب مسلمانون کو چاہیئے اور جو شخص اُنکی حراست کرے وہ شرعًا بمنزلہ اُنکے باپ کے سمجھا جائیگا اور اُنکی میراث پانے کا مستحق ہوگا فقط ـ

پانچوان باب

حق الجبر

مشرکین عرب اور اُن قبائل یہود مین جو عرب مین سکونت پذیر تھے باپ کا اختیار اپنی اولاد پر بلکہ تمام اہل خاندان پر ویسا ہی مطلق و قطعی تھا جیسا رومیون مین تھا ـ اختیار پدری کی کوئی حد و پایان نہ تھی اور خودسر مُکھیان خاندان کی تنک مزاجی اور تلوّن طبعی کی روکنے والی کوئی چیز نہ تھی ـ شریعت اسلامیہ نے اِس اختیار مطلق کو معقول حدود کے اندر محدود کردیا ـ

مسلمانون مین باپ کو بہ پابندی چند شرائط معینہ کے اختیار ہے کہ اپنی اولاد کی شادی جبرًا کردے یا ایک عمر معین تک اُنکو اپنے گھر مین جبرًا رکھے یا عند الضرورت اُنکو تنبیہ و تادیب کرے ـ

اکثر احکام متعلقہ اختیار پدری شرع محمدی سے مخصوص نہین ہین ـــ فقہ اسلام اور اقسام فقہ جدید مین فرق یہین یہ ہے کہ شرع شریف مین باپ اپنی نابالغ اولاد کی شادی جبرًا کرسکتا ہے ـ اِسکو اصطلاح فقہا مین حق الجبر کہتے ہین اور مسلمانون کے سب فرقون نے اسکو چند اختلافات کے ساتھ تسلیم کرلیا ہے ـ

حق الجبر اُس اختیار پدری پر مبنی ہے جو قدیم الایام سے قبائل عرب مین موجود تھا عرب مین دستور تھا کہ باپ کو بیٹون کی شادی جبرًا کردینے کا اختیار اسوقت تک رہتا تھا جبتک وہ ہتھیار باندھنے کے قابل ہوتے تھے اور بیٹیون کی شادی جبرًا کردینے کا اختیار

اختیار باعتبار اصول کے مطلق اور غیر محدود ہے مگر اس اختیار مین اتنے شرائط اور قیود لگا دیے ہین کہ جو ضرر اس سے پیدا ہوسکتا تھا وہ عملاً بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ حق الجبر کی جو قسم بہت سخت ہے وہ عملدرآمد مین بلوغ پر ختم ہوجاتی ہے۔

اکثر فرق اسلام مین بلوغ کا قیاس[1] پندرھوان سال تمام ہونے پر کیا جاتا ہے تاوقتیکہ شہادت اسکے خلاف نہو — قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص پندرہ برس کا ہوچکا ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت وہ بالغ اور رشید اور تصرفات شرعیہ کے قابل سمجھا جائیگا۔

جب پندرہ برس کی عمر ہوجائے تو ہر ایک نکاح جو مرد یا عورت کی طرف سے کیا جاوے اُنکی صریحی رضامندی پر موقوف ہوگا اور حنفیہ اور شیعہ[2] کے نزدیک لڑکا اور لڑکی دونون بعد بلوغ شرعی اپنا نکاح بلا رضامندی اپنے اولیاے شرعی کے کرسکتے ہین —

یہ مسئلہ بھی سب فرقون کا متفق علیہ ہے کہ بیٹا جب پورا پندرہ برس کا ہوچکے تو اپنا نکاح خود کرسکتا ہے مگر بیٹی کے اختیار نکاح مین اختلاف عظیم[3] ہے —

حنفیہ اور شیعہ کا اتفاق ہے کہ حق الجبر اولاد ذکور و اُناث دونون کی نسبت اُنکے بلوغ[4] تک باقی رہتا ہے —

ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ولی کو شرعاً جائز نہین ہے کہ باکرہ بالغہ رشیدہ کا نکاح جبراً کردے" — کوئی شخص حتی کہ باپ اور بادشاہ وقت بھی یہ اختیار نہین رکھتا کہ بالغہ رشیدہ و صحیح العقل کا نکاح بغیر اُسکی اجازت[5] کے کردے خواہ وہ باکرہ ہو خواہ ثیبہ[6]

---

[1] ہدایہ جلد ۱ - صفحہ ۴۸۲ - ۴۸۳ - جامع الشتات - مگر اس قیاس کی تردید ہوسکتی ہے - ۱۲ - منہ

[2] فصول عمادیہ - جامع الشتات - ارشاد علامہ - المحرر (شافعیہ) - ۱۲ - منہ - [3] الوافی اختلافات الائمہ - ۱۲ - منہ - [4] ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۹۹ - کنز الدقائق شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳ - جامع الشتات - ۱۲ - منہ - [5] فتاواے عالمگیری جلد ۱ - صفحہ - ۴۰۵ - ۱۲ - منہ -

اختیار باعتبار اصول کے مطلق اور غیر محدود ہے مگر اس اختیار مین اتنے شرائط اور قیود لگا دیے ہین کہ جو ضرر اس سے پیدا ہو سکتا تھا وہ عملاً بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ حق الجبر کی جو قسم بہت سخت ہے وہ عملدرآمد مین بلوغ پر ختم ہو جاتی ہے۔

اکثر فرق اسلام مین بلوغ کا قیاس[1] پندرھوان سال تمام ہونے پر کیا جاتا ہے تاوقتیکہ شہادت اسکے خلاف نہو — قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص پندرہ برس کا ہو چکا ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت وہ بالغ اور رشید اور تصرفات شرعیہ کے قابل سمجھا جائیگا۔

جب پندرہ برس کی عمر ہو جائے تو ہر ایک نکاح جو مرد یا عورت کی طرف سے کیا جاوے اُنکی صریح رضامندی پر موقوف ہوگا اور حنفیہ اور شیعہ[2] کے نزدیک لڑکا اور لڑکی دونون بعد بلوغ شرعی اپنا نکاح بلا رضامندی اپنے اولیاے شرعی کے کر سکتے ہین —

یہ مسئلہ بھی سب فرقون کا متفق علیہ ہے کہ بیٹا جب پورا پندرہ برس کا ہو چکے تو اپنا نکاح خود کر سکتا ہے مگر بیٹی کے اختیار نکاح مین اختلاف عظیم[3] ہے —

حنفیہ اور شیعہ کا اتفاق ہے کہ حق الجبر اولاد ذکور و اُناث دونون کی نسبت اُنکے بلوغ[4] تک باقی رہتا ہے —

ہدایہ مین لکھا ہے کہ دو ولی کو شرعاً جائز نہین ہے کہ باکرۂ بالغۂ رشیدہ کا نکاح جبراً کر دے // — کوئی شخص حتی کہ باپ اور بادشاہ وقت بھی یہ اختیار نہین رکھتا کہ بالغۂ رشیدہ وصحیح العقل کا نکاح بغیر اُسکی اجازت[5] کے کر دے خواہ وہ باکرہ ہو خواہ ثیبہ[6]

---

[1] ہدایہ جلد ۱ — صفحہ ۴۸۲ — ۴۸۳ — جامع الشتات — مگر اس قیاس کی تردید ہو سکتی ہے — ۱۲ — منہ

[2] فصول عمادیہ — جامع الشتات — ارشاد علامہ — المحرر (شافعیہ) — ۱۲ — منہ — [3] الوافی اختلافات الائمہ — ۱۲ — منہ — [4] ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ — فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۹۹ — کنز الدقائق شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳ — جامع الشتات — ۱۲ — منہ — [5] فتاواے عالمگیری جلد ۱ — صفحہ ۴۰۵ — ۱۲ — منہ —

کہ حق الجبر صغیر السن لڑکے کے ضرر یا نقصان کے لیے کبھی عمل مین نہ لایا جاسکے اور باپ کا ہر فعل جس سے نابالغ کی حق تلفی یا نقصان کا گمان ہونا جائز سمجھا جائیگا اور قاضی اسمین دست اندازی کرنے کا شرعاً مجاز ہوگا تا کہ ایسے فعل کی تکمیل نہ ہونے پاسے اور اگر تکمیل ہوچکی ہو تو منسوخ کیا جاے اور باپ اپنے اختیار کو اسطرح بھی بیجا عمل مین نہین لاسکتا کہ اولاد کی شادی کی کسی طرح اجازت ہی نہ دے ایسی صورتین خواہ مخواہ شاذ و نادر وقوع مین آتی مین اسواسطے کہ اسلام مین تجرد اور رہبانیت ممنوع ہے ۔ مگر جب طمع زر باپ کو ایسی دامنگیر ہو کہ متواتر خواستگارون کو رد کردے اور کسی کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد نہ کرے تو قاضی یا حاکم شرع دست اندازی کرنے کا مجاز ہے بشرطیکہ تحقیقات کرنے سے اسکو کوئی سبب کافی اور وجہ وجیہ دست اندازی کرنے کی معلوم ہو ۔ ہندوستان مین یہ کام عدالت دیوانی غالباً اسوقت کریگی جب باپکے بعد جو ولی ہو وہ درخواست کرے ۔ مثلاً ایسا مقدمہ پیش ہو جسمین مان بالکل راضی ہو کہ میری بیٹی کی شادی ایک لائق خواستگار کے ساتھ ہو جاے مگر باپ بغیر کسی وجہ وجیہ کے اور محض تلون مزاجی کی راہ سے راضی نہو ۔ اس صورت مین عدالت دیوانی از روے شرع محمدی اسکی مجاز ہے کہ باپ کو نکاح مین ایسی دست اندازی سے مانع ہو اور حکم عدالت بمنزلہ باپ کی رضامندی کے ہو گا ۔

یہ امر کہ سبب معقول اور وجہ وجیہ حاکم عدالت کی مداخلت کرنے کی کیا ہے ہر خاص مقدمہ کے حالات مخصوصہ پر موقوف ہو گا ۔

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک اولاد بعد بلوغ باپ کے اختیار سے نکل جاتی ہے ۔ ان دونون فرقون کا قول یہ ہے کہ جب اولاد بالغ و رشید ہو تو باپ کے اختیار کا بیجا عمل مین آنا غیر ممکن ہے ۔ اگر کوئی باپ اپنی دختر بالغہ کے نکاح سے کسی طرح راضی نہوتا ہو تو وہ لڑکی باپکی

سلہ سائیرا ۔ بخاری ۔ جامع الشتات ۔ فصول عمادیہ ۔ ۱۲ ۔ منہ سلہ ۲ ڈٹمی منرول صاحب کی فقہ اسلام در صوبۂ الجیرس صفحہ ۲۵ ۔ ۱۲ ۔ منہ

کہ حق الجبر صغیر السن لڑکے کے ضرر یا نقصان کے لیے کبھی عمل میں نہ لایا جاسکے اور باپ کا ہر فعل جس سے نابالغ کی حق تلفی یا نقصان کا گمان ہونا جائز سمجھا جائیگا اور قاضی اسمین دست اندازی کرنے کا شرعاً مجاز ہوگا تاکہ ایسے فعل کی تکمیل نہ ہوسنے پاسے اور اگر تکمیل ہوچکی ہو تو منسوخ کیا جاوے اور باپ اپنے اختیار کو اسطرح بھی بیجا عمل میں نہیں لاسکتا کہ اولاد کی شادی کی کسی طرح اجازت ہی نہ دے ایسی صورتین خواہ مخواہ شاذونادر وقوع مین آتی ہین اسواسطے کہ اسلام میں تجرد اور رہبانیت ممنوع ہے۔ مگر جب طمع زر باپ کو ایسی دامنگیر ہو کہ متواتر خواستگارون کو رد کردے اور کسی کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد نہ کرے تو قاضی یا حاکم شرع دست اندازی کرنے کا مجاز ہے بشرطیکہ تحقیقات کرنے سے اسکو کوئی سبب کافی اور وجہ وجیہ دست اندازی کرنے کی معلوم ہو۔ ہندوستان میں یہ کام عدالت دیوانی غالباً اسوقت کریگی جب باپکے بعد جو ولی ہو وہ درخواست کرے۔ مثلاً ایسا مقدمہ پیش ہو جسمین ماں بالکل راضی ہو کہ میری بیٹی کی شادی ایک لائق خواستگار کے ساتھ ہوجاسے مگر باپ بغیر کسی وجہ وجیہ کے اور محض تلون مزاجی کی راہ سے راضی نہو۔ اس صورت مین عدالت دیوانی از روے شرع محمدی اسکی مجاز ہے کہ باپ کو نکاح میں ایسی دست اندازی سے مانع ہو اور حکم عدالت بمنزلہ باپ کی رضامندی کے ہوگا۔

یہ امر کہ سبب معقول اور وجہ وجیہ حاکم عدالت کی مداخلت کرنے کی کیا ہے ہر خاص مقدمہ کے حالات مخصوصہ پر موقوف ہوگا۔

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک اولاد بعد بلوغ باپ کے اختیار سے نکل جاتی ہے۔ ان دونون فرقون کا قول یہ ہے کہ جب اولاد بالغ ورشید ہو تو باپ کے اختیار کا بیجا عمل مین آنا غیر ممکن ہے۔ اگر کوئی باپ اپنی دختر بالغہ کے نکاح سے کسی طرح راضی نہوتا ہو تو وہ لڑکی باپکی

سلہ سائیرا۔ بخاری۔ جامع الشتات۔ فصول عمادیہ۔ ۱۲۔ منہ سلہ ڈٹی منرول صاحب کی فقہ اسلام در صوبۂ الجیرس صفحہ ۲۵۔ ۱۲۔ منہ

شرع روکنے کی نالش کی تو اصل بحث اس مسئلہ شرعیہ مین ہوئی کہ آیا مدعی کا نکاح جو اس لڑکی کے ساتھ ہوا ہے اِسوجہ سے ناجائز ہے کہ لڑکی کے باپ کی رضامندی سے نہین ہوا ہے۔ اُسوقت ہائی کورٹ بمبئی مین ہاس صاحب چیف جسٹس اور کوچ صاحب جسٹس کا اجلاس تھا۔ اُنھون نے ایک مبسوط اور متین فیصلہ لکھا اور یہ تجویز کیا کہ[۱] (۱) مسلمان لڑکی جو اہل سنت کے چار فرقون مین سے کسی فرقہ سے ہو بعد بلوغ اس فرقہ سے نکلکر اور جس فرقہ مین چاہے داخل ہو سکتی ہے اور اُسکے مابعد کے افعال کا جواز اُس امام کے فتوے پر موقوف ہوگا جسکی تقلید اُسنے اب اختیار کی ہے۔ (۲) مذہب حنفی مین یہ ہے کہ اگر کسی مسلمہ کا عقد اُسکے باپ یا ولی شرعی نے نہ کر دیا ہو تو بعد بلوغ اُسکو اختیار ہے کہ جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کرلے اور اپنے باپ یا ولی شرعی کے اذن کا مطلق خیال نہ کرے اگرچہ امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ باکرہ نہ قبل بلوغ نہ بعد بلوغ اپنا عقد بغیر اذن اپنے باپ کے کر سکتی ہے (۳) لہذا جو نکاح خدیجہ نے خود اپنی مرضی سے کرلیا ہے وہ شرعاً صحیح و جائز ہے۔ اور اُسکی پابندی لازم ہے۔

جب باپ ناقص العقل ہونے کی وجہ سے اس قابل نہو کہ حق الجبر کو عمل مین لا سکے تو اُسکے بعد جو ولی شرعی ہو وہ اُس حق کو عمل مین لائیگا اور اسی طرح سے جب باپ اتنے فاصلہ پر ہو کہ کوئی کارروائی نہ کر سکتا ہو تب بھی اُسکے بعد جو ولی ہو وہ شرعاً اُسکی اولاد کا نکاح کر سکتا ہے جامع الشتات مین چند مثالین ایسی لکھی ہین کہ جب باپ کہین دور چلا گیا ہے تو اُسکی غیبت مین ماں نے اولاد نابالغ کا عقد کر دیا ہے اور وہ عقد شرعاً جائز قرار دیا گیا ہے۔ فقہاء نے خاص اس امر کو تحقیق کیا ہے کہ کس قسم کی غیبت یا فاصلہ سے اُس شخص کو جو باپ کے

---

[۱] اس فیصلہ مین عالم جحون نے یہ لکھا ہے کہ۔ وہ کوئی خاص رسم شرعی نہین ادا کیا جاتا جس سے معلوم ہو کہ اِس شخص نے ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسرا فرقہ اختیار کر لیا ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ میں فرق ظاہری صرف اتنا ہے کہ شافعیہ نماز کے بعد لفظ آمین باآواز بلند کہتے ہین اور حنفیہ چپکے سے کہتے ہین اور شافعیہ ہاتھ کھولکر مگر حنفیہ ہاتھ باندھکر نماز پڑھتے ہین۔ ۱۲ منہ

شرع روکنے کی نالش کی تو اصل بحث اس مسئلہ شرعیہ میں ہوئی کہ آیا مدعی کا نکاح جو اس لڑکی کے ساتھ ہوا ہے اِسوجہ سے ناجائز ہے کہ لڑکی کے باپ کی رضامندی سے نہین ہوا ہے۔ اُسوقت ہائی کورٹ بمبئی مین ہاس صاحب چیف جسٹس اور کوچ صاحب جسٹس کا اجلاس تھا۔ اُنھون نے ایک مبسوط اور متین فیصلہ لکھا اور یہ تجویز کیا کہ (۱) مسلمان لڑکی جو اہل سنت کے چار فرقون مین سے کسی فرقہ سے ہو بعد بلوغ اس فرقہ سے نکلکر اور جس فرقہ مین چاہے داخل ہوسکتی ہے اور اُسکے مابعد کے افعال کا جواز اُس امام کے فتوے پر موقوف ہوگا جسکی تقلید اُسنے اب اختیار کی ہے۔ (۲) مذہب حنفی مین یہ ہے کہ اگر کسی مسلمہ کا عقد اُسکے باپ یا ولی شرعی نے نکر دیا ہو تو بعد بلوغ اُسکو اختیار ہے کہ جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کرلے اور اپنے باپ یا ولی شرعی کے اذن کا مطلق خیال نکرے اگرچہ امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ باکرہ نہ قبل بلوغ نہ بعد بلوغ اپنا عقد بغیر اذن اپنے باپ کے کرسکتی ہے (۳) لہذا جو نکاح خدیجہ نے خود اپنی مرضی سے کرلیا ہے وہ شرعاً صحیح و جائز ہے۔ اور اُسکی پابندی لازم ہے۔ جب باپ ناقص العقل ہونے کی وجہ سے اس قابل نہو کہ حق الجبر کو عمل مین لاسکے تو اُسکے بعد جو ولی شرعی ہو وہ اُس حق کو عمل مین لائیگا اور اسی طرح سے جب باپ اتنے فاصلہ پر ہو کہ کوئی کارروائی نکرسکتا ہو تب بھی اُسکے بعد جو ولی ہو وہ شرعاً اُسکی اولاد کا نکاح کرسکتا ہے جامع الشتات مین چند مثالین ایسی لکھی ہین کہ جب باپ کہین دور چلا گیا ہے تو اُسکی غیبت مین ماں نے اولاد نابالغ کا عقد کردیا ہے اور وہ عقد شرعاً جائز قرار دیا گیا ہے۔ فقہاء نے خاص اس امر کو تحقیق کیا ہے کہ کس قسم کی غیبت یا فاصلہ سے اُس شخص کو جو باپ کے

سلہ اس فیصلہ مین عالم ججون نے یہ لکھا ہے کہ۔ وہ کوئی خاص رسم شرعی نہین ادا کیا جاتا جس سے معلوم ہو کہ اس شخص نے ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسرا فرقہ اختیار کرلیا ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ میں فرق ظاہری صرف اتنا ہے کہ شافعیہ نماز کے بعد لفظ آمین باآواز بلند کہتے ہین اور حنفیہ چپکے سے کہتے ہین اور شافعیہ ہاتھ کھولکر مگر حنفیہ ہاتھ باندھکر نماز پڑھتے ہین ۔۔۔ ۱۲ منہ

جو اُسکی ماں کا مذہب تھا تربیت پائی تھی مگر اُسکے پیدا ہونے کے تھوڑی مدت کے بعد اسکا باپ مرتد ہوکر یہودی ہوگیا تھا۔ بعد ازآں ماں نے اُس لڑکی کا عقد ایک شیعہ مسلمان کے ساتھ کردیا باپ نے اِس مضمون کی ایک درخواست گذرانی کہ چونکہ بغیر میری رضامندی کے اِس لڑکی کی ماں نے اسکا نکاح کردیا ہے لہذا اسکا نکاح ناجائز ہے اور یہ لڑکی مجھے دلا ملے۔ اِس درخواست کا فیصلہ جسٹس میکفرسن صاحب نے یہ کیا کہ شرع محمدی کے بموجب مرتد اسکا مستحق نہیں ہے کہ اُس اولاد کے نکاح سے رضامندی ظاہر کرنے کا حق عمل میں لائے جسکا نکاح اُسکے بعد جو ولی شرعی ہو اُسنے کردیا ہو۔ لہذا سائل کی بیٹی کا عقد جو بغیر اُسکی رضامندی کے ہو صحیح و جائز تھا[1]

جامع الشتات میں بھی ایک ایسا ہی مقدمہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے مجتہد سے پوچھا کہ آیا وہ نکاح جو ماں نے اپنی بیٹی کا بلا اجازت اُسکے باپ کے جو نصرانی ہوگیا ہے کردیا ہو شرعًا جائز ہے یا نہیں۔ مجتہد نے جواب دیا کہ جائز ہے۔

شافعیہ اور شیعہ کے نزدیک باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو حق الجبر حاصل ہوجاتا ہے مگر مالکیہ کے نزدیک حق الجبر حق شخصی مخصوص ہے اور خاص باپ سے باین حیثیت کہ وہ باپ ہے متعلق ہے اور جب باپ موجود نہو تو اِس فرقہ کے نزدیک حق الجبر اُسکے وصی یا قاضی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حق الجبر نہ صرف ولی و وصیّتی کو حاصل ہے بلکہ سب اولیاء شرعی کو حاصل ہے چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ۔ وا اولیاء نکاح ذوی الفروض یا عصبات اسی ترتیب سے ہوتے ہیں جس ترتیب سے وہ میراث پاتے ہیں یا محجوب الارث ہوجاتے ہیں عصبات سے مراد عصبات بنفسہ ہیں یعنے اقرباء ذکور جو بلا وساطت اُناث متوفی سے قرابت رکھتے ہوں۔ یعنی پہلے ان پھر دور کے رشتہ دار باعتبار قرب و بُعد قرابت۔ اُسکے بعد مولے الموالات

---

[1] بمقدمہ مہین بی بی لا رپورٹ بنگالہ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۰۔ ۱۲۔ منہ۔ [2] المحرر۔ کتاب الانوار۔ مفاتیح۔ شرائع الاسلام۔ اختلافات الائمہ۔ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۵۔ ۴۰۷۔ ۱۲۔ منہ

جو اُسکی ماں کا مذہب تھا تربیت پائی تھی مگر اُسکے پیدا ہونے کے تھوڑی مدت کے بعد اسکا باپ مرتد ہو کر یہودی ہوگیا تھا۔ بعد از آن ماں نے اُس لڑکی کا عقد ایک شیعہ مسلمان کے ساتھ کردیا باپ نے اِس مضمون کی ایک درخواست گذرانی کہ چونکہ بغیر میری رضامندی کے اِس لڑکی کی ماں نے اسکا نکاح کردیا ہے لہذا نکاح ناجائز ہے اور یہ لڑکی مجھے دلا ملے۔ اِس درخواست کا فیصلہ جسٹس میکفرسن صاحب نے یہ کیا کہ شرع محمدی کے بموجب مرتد اسکا مستحق نہیں ہے کہ اُس اولاد کے نکاح سے رضامندی ظاہر کرنے کا حق عمل میں لائے جسکا نکاح اسکے بعد جو ولی شرعی ہو اُسنے کردیا ہو۔ لہذا سائل کی بیٹی کا عقد جو بغیر اُسکی رضامندی کے ہو صحیح وجائز تھا[1]

جامع الشتات میں بھی ایک ایسا ہی مقدمہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے مجتہد سے پوچھا کہ آیا وہ نکاح جو ماں نے اپنی بیٹی کا بلا اجازت اسکے باپ کے جو نصرانی ہوگیا ہے کردیا ہو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ مجتہد نے جواب دیا کہ جائز ہے۔

شافعیہ اور شیعہ کے نزدیک باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو حق الجبر حاصل ہوجاتا ہے مگر مالکیہ کے نزدیک حق الجبر حق شخصی مخصوص ہے اور خاص باپ سے بایں حیثیت کہ وہ باپ ہے متعلق ہے اور جب باپ موجود نہو تو اِس فرقہ کے نزدیک حق الجبر اُسکے وصی یا قاضی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حق الجبر نہ صرف ولی وصیتی کو حاصل ہے بلکہ سب اولیاء شرعی کو حاصل ہے چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ۔ ۱۱ اولیاء نکاح ذوی الفروض یا عصبات اسی ترتیب سے ہوتے ہیں جس ترتیب سے وہ میراث پاتے ہیں یا محجوب الارث ہوجاتے ہیں عصبات سے مراد عصبات بنفسہ ہیں یعنے اقربا ذکور جو بلا وساطت اُناث متوفی سے قرابت رکھتے ہوں۔ یعنی پہلے ان پھر دور کے رشتہ دار باعتبار قرب وبُعد قرابت۔ اُسکے بعد مولے الموالاۃ

---

[1] بمقدمہ مہین بی بی لاء رپورٹ بنگالہ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۰ – ۱۱ – منہ – ۲ المحرر – کتاب الانوار – مفاتیح – شرائع الاسلام – اختلافات الائمہ – فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۵ – ۴۰۷ – ۱۲ – منہ

شیعون کے مذہب مین مان کچھ اختیار اپنی اولاد کا نکاح کرنے کا نہین رکھتی ہے حتی کہ اگر وہ اُنکے باپ کی وصیتہ ہو تو بھی کچھ اختیار نہین رکھتی ہے —

عام قاعدہ یہ ہے کہ جب ولی الجبر[۵] موجود ہو اور حق الجبر کو عمل مین لانے کی قابلیت رکھتا ہو یا جو نکاح نابالغ اولاد کی طرف سے کرلیا گیا ہو اُسکا اذن دے سکتا ہو تو مان کو یہ اختیار نہین ہے کہ ایسی اولاد کا عقد ولی مرجح کی مرضی کے خلاف کردے — مگر سب مذاہب کا اتفاق اسمین معلوم ہوتا ہے کہ جب ولی الجبر اولاد نابالغ کی نقصان رسانی یا حق تلفی کے لیے حق الجبر عمل مین لاوے تو مان دست اندازی کرنے کا حق رکھتی ہے — سید خلیل[۶] فرماتے ہین کہ جب باپ اپنے غریب لڑکی کی شادی کسی ایسے ہی غریب آدمی کے ساتھ کرنا چاہے تو مان دست اندازی کا حق رکھتی ہے "

اسی مضمون کی عبارتین کتب شیعہ مین سے جامع الشتات مین اور کتب حنفیہ مین سے فصول عمادیہ اور فتاوائے قاضی خان مین موجود ہین — اِس باب مین مختلف مذاہب اسلام کے علما کے اقوال دیکھنے سے کچھ شک وشبہ باقی نہین رہتا کہ مان کا حق مداخلت ہر خاص صورت کی ضرورتون کے موافق قرار دیا جائیگا —

حاشیہ ۱

اِس کتاب کے ہندوستانی ناظرین شاید یہ بات سنکر تعجب کرینگے کہ فرانسیس کے قانون کے بموجب کوئی مرد اٹھارہ برس کے سن تک شادی نہین کرسکتا اور کوئی عورت پندرہ برس کی عمر تک شادی نہین کرسکتی — اور اگر بیٹے کا سن پچیس برس سے کم ہو اور بیٹی کی عمر اکیس[۲۱]

مشکوک ہے — انجمین لکھا ہے کہ — الوصی لا ولایۃ لہ فی انکاح الصغیر والصغیرۃ سواء اوصی الیہ الاب [۳] اولم یوص لا اذا کان الوصی ولیہما فیملک الانکاح بحکم الولایۃ لا بحکم الوصایۃ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وصی یہ اختیار نہین رکھتا ہے کہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردے الا اسکے کہ وصی ولی شرعی ہو تب اسکو بحق ولایت نہ بحق وصیت اسکا عقد کردینے کا اختیار ہوگا — مگر یان بھی اگر ولی شرعی ہے — کتاب فقہ الجبیرین مطبوعہ ۱۲۶۳ء لاحظہ ہو — ۱۲ منہ — یعنی وہ ولی جسکو شرعاً حق الجبر حاصل ہو — ۱۲ منہ — شاید علمائے مالکیہ مین سے کوئی عالم ہین — ۱۲ — مترجم

برس سے کم ہو تو نکاح والدین کے اذن ست مشروط ہے - اگر والدین مین اختلاف ہو تو باپ کی اجازت کافی ہوتی ہے - اگر والدین زندہ نہون تو جواز نکاح دادا اور دادی کی جانب پر موقوف ہے اور جب وہ بھی نہون تو سارے خاندانی کونسل کی رضامندی حاصل کرنی ضروری ہے

جب مرد کا سن ۲۵ برس کا اور عورت کا ۲۱ برس کا ہو تب بھی اُن دونون پر فرض ہے کہ ایک باضابطہ اشتہار کے ذریعہ سے والدین کا اذن حاصل کرین اور جبتک مرد کا سن ۳۰ سال کا اور عورت کا ۲۵ سال کا ہو جائے اُسوقت تک یہ فعل ایک ایک مہینہ کے فاصلہ سے تین مرتبہ کرنا چاہیے اور تیسری درخواست کے ایک مہینہ کے بعد طرفین کو جائز ہے کہ باجازت یا بلا اجازت والدین شادی کرلین - جب مرد کا سن تیس برس کا ہو جائے تو پہلے دو رجسٹرارون یا ایک رجسٹرار اور دو گواہون کے ذریعہ سے والدین پر باضابطہ اطلاعنامہ جاری کرے اسکے مہینہ بھر کے بعد اُس مرد یا عورت کو بلا اذن والدین شادی کر لینا جائز ہے

قانون انگلستان کے بموجب مرد اور عورت دونون بیس برس کے سن تک بلا رضامندی والدین شادی نہین کرسکتے - مگر مین نے سنا ہے کہ ضلع لنکاشایر کے ہزارہا مزدور اور کسان وغیرہ بلا اجازت والدین شادی کر لیتے ہین -

چھٹا باب

حق الحضانت یعنی ماں کا حق حراست اولاد کا

فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ حالت زوجیت مین اور قطع زوجیت کے بعد بھی ماں سب سے زیادہ حق اولاد نابالغ کی حراست کا رکھتی ہے -

یہ حق ماں کا من حیث الامیت ہے اور کسی بات سے یہ حق زائل نہین ہوتا ہے سوائے خود ماں کی بداعمالی کے -

---

[۱] مجموعۂ قوانین نپولین مضمون ۱۴۸ - ۱۵۲ - منہ [۲] احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح وبعد الفرقة الام فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۰ - ۲ منہ

برس سے کم ہو تو نکاح والدین کے اذن ست مشروط ہے - اگر والدین مین اختلاف ہو تو باپ کی اجازت کافی ہوتی ہے - اگر والدین زندہ نہون تو جواز نکاح دادا اور دادی کی جانب پر موقوف ہے اور جب وہ بھی نہون تو سارے خاندانی کونسل کی رضامندی حاصل کرنی ضروری ہے

جب مرد کا سن ۲۵ برس کا اور عورت کا ۲۱ برس کا ہو تب بھی اُن دونون پر فرض ہے کہ ایک باضابطہ اشتہار کے ذریعہ سے والدین کا اذن حاصل کرین اور جبتک مرد کا سن ۳۰ سال کا اور عورت کا ۲۵ سال کا ہو جائے اُسوقت تک یہ فعل ایک ایک مہینہ کے فاصلہ سے تین مرتبہ کرنا چاہیئے اور تیسری درخواست کے ایک مہینہ کے بعد طرفین کو جائز ہے کہ باجازت یا بلا اجازت والدین شادی کرلین - جب مرد کا سن تیس برس کا ہو جائے تو پہلے دو رجسٹراروں یا ایک رجسٹرار اور دو گواہوں کے ذریعہ سے والدین پر باضابطہ اطلاعنامہ جاری کرے اسکے مہینہ بھر کے بعد اُس مرد یا عورت کو بلا اذن والدین شادی کرلینا جائز ہے

قانون انگلستان کے بموجب مرد اور عورت دونون بیس برس کے سن تک بلا رضامندی والدین شادی نہین کرسکتے - مگر مین نے سنا ہے کہ ضلع لنکاشائر کے ہزارہا مزدور اور کسان وغیرہ بلا اجازت والدین شادی کرلیتے ہین -

چھٹا باب

حق الحضانت یعنی ماں کا حق حراست اولاد کا

فتاوائے عالمگیری مین لکھا[1] ہے کہ حالت زوجیت مین اور قطع زوجیت کے بعد بھی ماں سب سے زیادہ حق اولاد نابالغ کی حراست کا رکھتی ہے -

یہ حق ماں کا من حیث الامیت ہے اور کسی بات سے یہ حق زائل نہین ہوتا ہے سوائے خود ماں کی بد اعمالی کے -

---

[1] مجموعۂ قوانین نپولین مضمون ۱۵۲ - ۱۶۰ - ۱۶۲ - منہ [2] احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح وبعد الفرقة الام فتاوائے عالمگیری - صفحہ ۲۰۷ - منہ -

نہین ہے۔ مگر یہ گذارش کیا جاتا ہے کہ مالکیہ کے مسائل زیادہ تر موافق عقل سلیم ہین اور ایک محدود معیار اُن لوگون کی ہدایت کے لیے مہیا کر دیتے ہین جنسے احکام شرع کا نافذ کرنا متعلق ہے غالبًا اِس مسئلہ مین جو بحثین پیدا ہونگی انکا تصفیہ ہندوستان کی انگریزی عدالتین الجیرس کی عدالتون کے فیصلجات کے موافق کرینگی جنھون نے امام مالک کا مذہب ایسے تمام معاملات مین اختیار کر لیا ہے۔

ماں کی حراستِ اولادِ ذکور کے باب مین مختلف فرق اہل سنت مین اِس سے بھی زیادہ اختلاف ہے مالکیہ کا قول یہ ہے کہ حق الحضانت اولادِ ذکور کی نسبت اُنکے بلوغ کے زمانہ تک باقی رہتا ہے چنانچہ ساطیر صاحب اپنی کتاب مین لکھتے ہین[1] کہ یہی معیار سیدی خلیل (عالم مالکی) کا ہمیشہ فقہ مین کام آتا ہے۔

شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک سات برس کے سن مین لڑکے کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ چاہے باپ کے ساتھ رہے چاہے ماں کے ساتھ۔ اگر وہ ماں کے ساتھ رہنا پسند کرے تو زمانہ بلوغ تک اُسکے ساتھ رہ سکتا ہے بعد بلوغ اُسکو کچھ اختیار نہین رہتا اور اُسکی ولایت باپ سے متعلق ہو جاتی ہے۔ مگر جو حق حراست باپ لڑکے کی ذات پر رکھتا ہے وہ بمجرد اُسکے بالغ ہونے کے عملاً تمام ہو جاتا ہے کیونکہ اُسوقت اُسکی ذات پر باپ کا کچھ اختیار نہین باقی رہتا۔

فقہاے حنفی کے نزدیک ماں کا حق الحضانت نسبت بہ اولادِ ذکور اُسوقت تمام ہو جاتا ہے جب لڑکے کا سن سات برس کا ہو جائے۔ چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[2] ماں اور نانی لڑکے کی حراست کی مستحق اُسوقت تک ہین جبتک اُسکو انکی ضرورت باقی رہے یعنی سات برس کے سن تک[3] مگر اِسکے بعد پھر اسی کتاب مین لکھا ہے کہ[4] قدوری فرماتے ہین کہ ماں کا حق الحضانت اُسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک لڑکا کھانے پینے اور

---

[1] ساطیر صاحب کی کتاب صفحہ ۴۳۴ – ۱۲ منہ [2] کتاب الانوار – ۱۲ منہ

نہین ہے ۔ مگر یہ گذارش کیا جاتا ہے کہ مالکیہ کے مسائل زیادہ تر موافق مثلا سلیمہ ہین اور ایک محدود معیار اُن لوگون کی ہدایت کے لیے مہیا کر دیتے ہین جنسے احکام شرع کا نافذ کرنا متعلق ہے غالبًا اس مسئلہ مین جو بحثین پیدا ہونگی اُنکا تصفیہ ہندوستان کی انگریزی عدالتین الجیرس کی عدالتون کے فیصلجات کے موافق کرینگی جنہون نے امام مالک کا مذہب ایسے تمام قضیات مین اختیار کر لیا ہے ۔

مان کی حراستِ اولاد ذکور کے باب مین مختلف فرق اہل سنت مین اسسے بھی زیادہ اختلاف ہے مالکیہ کا قول یہ ہے کہ حق الحضانت اولاد ذکور کی نسبت اُنکے بلوغ کے زمانہ تک باقی رہتا ہے چنانچہ ساطیر صاحب اپنی کتاب مین لکھتے ہین[1] ۔ کہ وہی معیار سیدی خلیل (عالم مالکی) کا ہمیشہ فقہ مین کام آتا ہے ۔

شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک سات برس کے سن مین لڑکے کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ چاہے باپ کے ساتھ رہے چاہے مان کے ساتھ ۔ اگر وہ مان کے ساتھ رہنا پسند کرے تو زمانہ بلوغ تک اُسکے ساتھ رہ سکتا ہے بعد بلوغ اُسکو کچھ اختیار نہین رہتا اور اُسکی ولایت باپ سے متعلق ہو جاتی ہے ۔ مگر جو حق حراست باپ لڑکے کی ذات پر رکھتا ہے وہ بحجرد اُسکے بالغ ہونے کے عملاً تمام ہو جاتا ہے کیونکہ اُسوقت اُسکی ذات پر باپ کا کچھ اختیار نہین باقی رہتا ۔

فقہاے حنفی کے نزدیک مان کا حق الحضانت نسبت بہ اولاد ذکور اُسوقت تمام ہو جاتا ہے جب لڑکے کا سن سات برس کا ہو جائے ۔ چنانچہ فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[2] مان اور نانی لڑکے کی حراست کی مستحق اُسوقت تک ہین جبتک اُسکو انکی ضرورت باقی رہے یعنی سات برس کے سن تک[3] ۔ مگر اسکے بعد پھر اسی کتاب مین لکھا ہے کہ[4] قدوری فرماتے ہین کہ مان کا حق الحضنات اُسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک لڑکا کھانے پینے اور

---

[1] ساطیر صاحب کی کتاب صفحہ ۲۴۳ ۔ ۱۲ منہ [2] کتاب الانوار ۔ ۱۲ منہ +

جسکی نسبت گمان ہو کہ یہ لڑکا اس فرقہ سے ہے یا اگر یہ تحقیق نہو سکے تو ایسے مقدمہ کے فیصلہ مین یہ ضرور خیال رکھا جائے کہ کیا بات اِس لڑکے کے حق مین بہ بین حیثیت کہ وہ ایک طفل مسلم ہے سب سے زیادہ مفید ہوگی۔ یہی قاعدہ صوبہ الجیرس کی عدالتون نے اختیار کیا ہے اور خاص خاص صورتون مین یہ قاعدہ جاری کرنے مین کوئی دقت نہین واقع ہوئی ہے۔

الجیرس کی عدالت نے ایک فیصلہ ۱۵- اپریل ۱۸۶۲ء کو صادر کیا اُسمین ایسے کلمات لکھے ہین کہ اس مسئلہ مین کوئی شک وشبہ کی گنجایش نہین باقی رہی ہے۔ ایک مقدمہ اُس عدالت مین ایسا پیش ہوا جسمین ایک شخص لخل ابن محمد نامی نے ایک لڑکی عایشہ بنت مصطفیٰ کے ساتھ عقد کر لیا اور اُس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام محمد تھا بعد اسکے لخل اور عایشہ مین جدائی ہوگئی۔ جب اُس لڑکے کا سن سات برس کا ہوا تو لخل نے حنفی قاضی سے استدعا کی کہ میرا لڑکا مجھے دلایا جائے۔ اُس قاضی نے لخل کو ڈگری دیدی مگر جب اُسکا اپیل یامرافعہ الجیرس کی عدالت اپیل مین ہوا تو وہ فیصلہ منسوخ ہوگیا اور وہ لڑکا مذہب مالکی کے موافق اپنی ماں پاس رکھا گیا۔

یہ پابندی اُن قیود کے جو بحث حضانت کے باب مین سابق مین بیان کیے گئے حراست اطفال صغیر کی اوّلاً اقربائے اُناث سے متعلق ہوتی ہے اور جب عورتون مین سے کوئی عزیز نہو تب یہ حق اقربائے ذکور کو پہونچتا ہے۔

مالکیہ اور حنفیہ مین اُس ترتیب کی باب مین کچھ اختلاف ہے جس ترتیب سے حق حراست مختلف اقربا کو حاصل ہے۔ مثلاً مالکیہ کا قول یہ ہے کہ جب لڑکے کی ماں نہو تو اسکے حضانت (۱) نانی سے (۲) پرنانی سے (۳) خالہ اور اُسکی خالہ سے (۴) خواہر عینی سے (۵) خواہر اخیافی سے (۶) خواہر علاتی سے (۷) پھوپھی سے متعلق ہوگی۔ جب اِن طبقون کا کوئی عزیز نہو یا کوئی حق الحضانت کے بجالانے کی قابلیت یا مرضی نہ رکھتا ہو تو یہ حق باپ کو ملتا ہے اور جب وہ بھی نہو تو اُسکے وصی کو اور اُسکے بیٹے اور بھتیجے اور چچازاد بھائی کو

حنفیہ کے نزدیک حق الحضانت اِس ترتیب سے ملتا ہے (۱) ماں (۲) نانی (۳) خواہر عینی (۴) خواہر اخیافی (۵) خواہر علاتی (۶) خواہر عینی کی دختر (۷) خواہر اخیافی کی دختر (۸) خواہر علاتی کی دختر (۹) خالہ (۱۰) پھوپھی۔ وہ اصول جسپر ان اقربا کا حق الحضانت مبنی ہے حنفیہ اور مالکیہ دونوں کے نزدیک ایک ہے یعنی یہ اصول کہ وہ صغیر السن لڑکے کی حراست کا حق اُسکی ماں کے رشتہ دارون سے متعلق ہے اور جو لوگ ماں کے ذریعہ سے قرابت رکھتے ہون۔ (یعنی اقربا مادری) وہ اُن اشخاص پر ترجیح رکھتے ہین جو صرف باپ کے واسطہ سے قرابت رکھتے ہونگے (یعنی اقربا پدری)۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اقربا اناث نہ ہون یا اُنمین سے کوئی حق الحضانت عمل مین لانے کا شرعاً مجاز نہو تو وہ حق (۱) باپ کو (۲) اگر وہ نہو تو دادا کو (۳) اُسکے بعد تیسرے درجہ یا اُس سے بھی اوپر کے جد اعلیٰ کو (۴) برادر عینی (۵) برادر علاتی کو (۶) برادر عینی کے بیٹے کو (۷) برادر علاتی کے بیٹے کو (۸) عینی چچا کو (۹) علاتی چچا کو (۱۰) چچا کے بیٹے کو اِسی ترتیب سے ملتا ہے۔ اِن اقربا مین بھی قریب ہمیشہ بعید کا حاجب ہوتا ہے۔

کوئی مرد کسی لڑکی کی حراست کا حق نہین رکھتا ہے تا وقتیکہ اُسکا محرم شرعی نہو یعنی اُن محارم شرعیہ مین سے نہو جنکا نکاح اُس لڑکی سے حرام مطلق ہے۔ اگر یہ لڑکا چچا زاد بھائی کے سپرد ہو سکتا ہے مگر لڑکی اُسکے سپرد نہین ہو سکتی کیونکہ وہ اُسکا محرم شرعی نہین ہے۔ اور عصبہ فاسق بھی لڑکی کی حضانت کا مستحق نہین ہے۔

جب متعدد رشتہ دار ہون اور سب ایک ہی طبقہ یا درجہ کے ہون اور سب لڑکے کی حراست کے قابل اور طالب برابر ہون تو اُسکی حراست اُس شخص کے متعلق کیجائیگی جو سب سے زیادہ اُسپر شفقت کرتا ہو جب اولیاء شرعی ہون یا اُنمین سے کوئی نابالغ کی حراست کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اُسکی حراست

سلہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۸ — ۲۲۹ — ۱۲ منہ عہ فتاوائے عالمگیری وکتاب الانوار — ۱۲ منہ سہ فصول عمادیہ — فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۹ — ۱۲ منہ سہ ہدایہ صفحہ ۲۸۵ — ۲۸۶ — ۲۸۹ — ۱۲ منہ

حنفیہ کے نزدیک حق الحضانت اِس ترتیب سے ملتا ہے (۱) ماں (۲) نانی (۳) خواہر عینی (۴) خواہر اخیافی (۵) خواہر علاتی (۶) خواہر عینی کی دختر (۷) خواہر اخیافی کی دختر (۸) خواہر علاتی کی دختر (۹) خالہ (۱۰) پھوپھی[۱] — وہ اصول جسپر ان اقربا کا حق الحضانت مبنی ہے حنفیہ اور مالکیہ دونوں کے نزدیک ایک ہے یعنی یہ اصول کہ وہ صغیر السن لڑکے کی حراست کا حق اُسکی ماں کے رشتہ داروں سے متعلق ہے اور جو لوگ ماں کے ذریعہ سے قرابت رکھتے ہوں — (یعنی اقربا مادری) وہ اُن اشخاص پر ترجیح رکھتے ہیں جو صرف باپ کے واسطہ سے قرابت رکھتے ہوں[۲] (یعنی اقربا پدری) —

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اقربا اُناث نہ ہوں یا اُنمیں سے کوئی حق الحضانت عمل میں لانے کا شرعاً مجاز نہو تو وہ حق (۱) باپ کو (۲) اگر وہ نہو تو دادا کو (۳) اُسکے بعد تیسرے درجہ یا اُس سے بھی اوپر کے جد اعلیٰ کو (۴) برادر عینی (۵) برادر علاتی کو (۶) برادر عینی کے بیٹے کو (۷) برادر علاتی کے بیٹے کو (۸) عینی چچا کو (۹) علاتی چچا کو (۱۰) چچا کے بیٹے کو اسی ترتیب سے ملتا ہے — اِن اقربا میں بھی قریب ہمیشہ بعید کا حاجب ہوتا ہے —

کوئی مرد کسی لڑکی کی حراست کا حق نہیں رکھتا ہے تاوقتیکہ اُسکا محرم شرعی نہو یعنی اُن محارم شرعیہ میں سے نہو جنکا نکاح اُس لڑکی سے حرام مطلق ہے — اگر یہ لڑکا چچازاد بھائی کے سپرد ہوسکتا ہے مگر لڑکی اُسکے سپرد نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اُسکا محرم شرعی نہیں ہے[۳] — اور عصبہ فاسق بھی لڑکی کی حضانت کا مستحق نہیں ہے —

جب متعدد رشتہ دار ہوں اور سب ایک ہی طبقہ یا درجہ کے ہوں اور سب لڑکے کی حراست کے قابل اور طالب برابر ہوں تو اُسکی حراست اُس شخص کے متعلق کیجائیگی جو سب سے زیادہ اُسپر شفقت کرتا ہو[۴] جب اولیا شرعی نہوں یا اُنمیں سے کوئی نابالغ کی حراست کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اُسکی حراست

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۸۷ — ۲۹۷ — ۱۲ منہ [۲] فتاوائے عالمگیری و کتاب الانوار — ۱۲ منہ [۳] فصول عمادیہ — فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۹۷ — ۱۲ منہ [۴] ہدایہ صفحہ ۳۸۵ — ۳۸۶ — ۳۸۹ — ۱۲ منہ

زائل ہو جائیگا کیونکہ شرعاً یہ قیاس کیا گیا ہے کہ جب عورت ایک نئے خاندان مین چلی گئی تو وہ بہی شفقت اور نگرانی لڑکے کی نہین کر سکتی جیسی پیشتر کرتی تھی۔ لیکن اگر عورت اُس لڑکے کے اقربا مین سے کسی ایسے شخص سے عقد کر لے جو اُسکے محارم شرعیہ مین داخل ہو تو اُسکا حق الحضانت نہین زائل ہوگا۔ مثلاً اگر مان لڑکے کے چچا سے نکاح کر لے تو چونکہ ایسا نکاح شرعاً جائز ہے لہذا اُسکا حق حراست نسبت اُس لڑکے کے نہ زائل ہوگا۔

صوبہ الجیرس کی عدالتون نے بعض فیصلے ایسے کیے ہین جو کل فرقہ اسلامیہ کے اعتقاد کے موافق ہین اور جنسے چند اصول ایسے بہم پہونچے ہین جنکے باعث سے قاعدہ مذکورہ بالا خوب صاف و واضح ہوگیا ہے۔

الجیرس کی عدالت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب کوئی عورت ایک شوہر سے طلاق لیکر دوسرا شوہر اس غرض سے کرے کہ اُسکی اولاد کو بہتر اور کافی تر معاش حاصل ہو تو اُسکا حق الحضانت زائل نہین ہو جاتا۔

اگر لڑکے کا مان کے زیر حراست رہنا لڑکے کے حق مین مفید ہو تو عدالت اُسکو اُسی کی حراست مین رہنے دیگی۔

الجیرس کے ایک مفتی کے فتوے کے موافق یہ بھی فیصلہ ہوا ہے کہ جب حضینہ دوسرا نکاح کر لے اور اُس نکاح کی تاریخ سے یا اُس تاریخ سے جس تاریخ اُس لڑکے کے باپ کو اُسکا علم ہوا ہو برس روز کے اندر باپ اُسکا دعوے نہ کرے تو اُسکی نسبت یہ قیاس کیا جائیگا کہ اپنے لڑکے کی حراست سے دست بردار ہوگیا ہے اور اُسوقت سے وہ لڑکا اپنی مان ہی کی حراست مین رہیگا۔

جب مان یا اور کسی رشتہ دار عورت کا حق الحضانت اُسکے عقد کر لینے کی وجہ سے زائل ہو جاوے تو فسخ نکاح یا طلاق کے بعد وہ حق عود کریگا۔

---

[۱] دیگر بہائے مقدمہ عدالت الجیرس بتاریخ ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۳ء و ۲۹ جون ۱۸۶۱ء و ۹ دسمبر ۱۸۶۲ء۔ ۱۲ منہ

[۲] فتاوای عالمگیری نمبر ۲ فصول عمادیہ۔ فتاوی قاضیخان صفحہ ۱۰۔ ان امور مین سنی اور شیعہ مین کچھ اختلاف نہین ہے۔ ۱۲ منہ

زائل ہو جائیگا کیونکہ شرعاً یہ قیاس کیا گیا ہے کہ جب عورت ایک نئے خاندان مین چلی گئی تو وہ ایسی شفقت اور نگرانی لڑکے کی نہین کرسکتی جیسی پیشتر کرتی تھی۔ لیکن اگر عورت اُس لڑکے کے اقربا مین سے کسی ایسے شخص سے عقد کرلے جو اُسکے محارم شرعیہ مین داخل ہو تو اُسکا حق الحضانت نہین زائل ہوگا۔ مثلاً اگر ماں لڑکے کے چچا سے نکاح کرلے تو چونکہ ایسا نکاح شرعاً جائز ہے لہذا اُسکا حق حراست نسبت اُس لڑکے کے نہ زائل ہوگا۔

صوبہ الجیرس کی عدالتون نے بعض فیصلے ایسے کیے ہین جو کل فرق اسلامیہ کے اعتقاد کے موافق ہین اور جنسے چند اصول ایسے ہم پہونچے ہین جنکے باعث سے قاعدہ مذکورہ بالا خوب صاف و واضح ہوگیا ہے۔

الجیرس کی عدالت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب کوئی عورت ایک شوہر سے طلاق لیکر دوسرا شوہر اس غرض سے کرے کہ اُسکی اولاد کو بہتر اور کافی تر معاش حاصل ہو تو اُسکا حق الحضانت زائل نہین ہو جاتا۔

اگر لڑکے کا ماں کے زیر حراست رہنا لڑکے کے حق مین مفید ہو تو عدالت اُسکو اُسی کی حراست مین رہنے دیگی۔

الجیرس کے ایک مفتی کے فتوے کے موافق یہ بھی فیصلہ ہوا ہے کہ جب حاضنہ دوسرا نکاح کرلے اور اُس نکاح کی تاریخ سے یا اُس تاریخ سے جس تاریخ اُس لڑکے کے باپ کو اُسکا علم ہوا ہو برس روز کے اندر باپ اُسکا دعوے نہ کرے تو اُسکی نسبت یہ قیاس کیا جائیگا کہ اپنے لڑکے کی حراست سے دست بردار ہوگیا ہے اور اُسوقت سے وہ لڑکا اپنی ماں ہی کی حراست مین رہیگا۔

جب ماں یا اور کسی رشتہ دار عورت کا حق الحضانت اُسکے عقد کرلینے کی وجہ سے زائل ہو جائے تو فسخ نکاح یا طلاق کے بعد وہ حق عود کریگا۔

---

[۱] دیکھو رسالہ مجموعہ عدالت الجیرس بتاریخ ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۲ء و ۲۹ جون سنہ ۱۸۶۷ء و ۹ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ء - ۱۲ منہ

[۲] فتاوای عالمگیری نمبر ۲ و فصول عمادیہ - فتاوای قاضیخان صفحہ ۱۳۵ - ان امور مین سنی اور شیعہ مین کچھ اختلاف نہین ہے - ۱۲ منہ

یعنی یہ تجویز کیا کہ زن بازاری اپنے نابالغ بہن کی حراست شرعاً نہین کر سکتی ہے — اسمین
شک نہین ہے کہ یہ فیصلہ شرع شریف کے موافق ہوا — مگر اس فیصلہ مین مدعیہ کے اس
بیان پر کچھ توجہ نہین کی گئی کہ جن لوگون کے سپرد مجسٹریٹ نے اسکی بہن کو کیا تھا وہ اسکو عیسائی
مذہب کے اعتقادات تعلیم کر رہے تھے — بجز اس صورت کے جسمین مان غیر مسلمہ ہو مسلمان لڑکے کی
حراست شرعاً کسی سے نہین متعلق ہو سکتی سوائے مسلم یا مسلمہ کے — لہذا جو حکم مجسٹریٹ نے
بمقدمہ عباسی بنام ڈن صادر کیا تھا اور جسکے بموجب وہ لڑکی ایک عیسائی یتیم خانہ مین بھیجدی گئی تھی
اور عیسائی مذہب مین پرورش پائی تھی وہ حکم خلاف شرع تھا اور ہائی کورٹ کو اس سے
کچھ تعرض کرنا چاہیئے تھا —

ارتداد بھی مانع حق الحضانت ہے — پس جو عورت یہ حق حاصل ہونے سے قبل
یا بعد دین اسلام سے مرتد ہو جائے وہ مسلمان لڑکے کی نسبت حق الحضانت نہ عمل مین
لا سکتی ہے نہ اسکا دعوے کر سکتی ہے —

ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء سے شرع محمدی کے اصول حضانت مین کچھ تغیر نہین ہوا — بلکہ
اس ایکٹ کا اثر مسائل میراث پر محدود رہا — لہذا جو عورت مسلمہ عیسائی مذہب اختیار
کر لے اسکا حق وراثت تو اس ایکٹ کے رو سے نہ زائل ہو جائیگا مگر اپنے نابالغ رشتہ دارون کی حراست
کا حق زائل ہو جائیگا — مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد دو بیٹیان چھوڑ جائے اور ان مین سے
ایک بیٹی نابالغ ہو تو اسکی بڑی بہن درصورت نہونے دیگر اقربا اُناث کے اسکی حراست کی
مستحق ہوگی — لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بڑی بیٹی اپنے باپ کی وفات کے پیشتر مرتد ہو گئی
تھی تو وہ اپنی بہن کی حق حضانت کا دعوے شرعاً نہ کر سکیگی گو اسکا حق وراثت بموجب ایکٹ
۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء باقی رہیگا —

تناسترہنود مین عورت کا عفیفہ نہونا مانع ارث ہے — لیکن اگر اسکو کوئی جائداد وراثتاً

سلہ الکرخی — ۱۲ منہ

رل چکی ہو اور اسکے بعد وہ غیر عفیفہ ہو جائے تو وہ جائداد اس سے نہ نکالی جائیگی۔ مگر شرع محمدی مین عدم عفت عورت کو مانع ارث نہین ہے گو اخلاق عامہ کے لحاظ سے عدم عفت عورت کو مانع حق حضانت قرار دیگئی ہے۔

۳ ۔ حق الحضانت اسوقت بھی زائل ہو جاتا ہے جب حضنیہ لڑکے کو بلا اجازت اسکے باپ یا ولی شرعی کے اتنے فاصلے پر اٹھا لیجائے کہ باپ یا ولی کو اسکی نگرانی بقدر ضرورت کرنا محال[1] ہو جائے۔ مثلاً جو عورت نوکری پیشہ ہو اسکو اپنے مالک کے ساتھ جسکی وہ نوکر ہے ایک مقام سے دو مقام پر جانا پڑتا ہے اور اپنے لڑکے کو ساتھ لیجانا پڑتا ہے پس اگر کوئی عورت چاہے کہ اپنی اولاد کو معمولی جائے سکونت سے کہین اور اٹھا لیجائے اور اسکا شوہر قاضی یا حاکم سے استدعا کرے کہ میرے لڑکے مجھکو دلا دیئے جائین کیونکہ انکی مان انکو اور جگہ لیجانا چاہتی ہے تو قاضی پر فرض ہے کہ اس مقدمہ کے واقعات کو تحقیق کرے اور جب اسکو اطمینان ہو جائے کہ نقل مکان چند روزہ ہے اور لڑکے کے حق مین مفید ہوگا تو اسکو مان کی حراست مین رہنے دے۔

جبتک نکاح باقی رہے اسوقت تک جہان زن و شوہر سکونت دائمی رکھتے ہون وہی مکان حضانت ہے۔ پس جس گھر مین زن و شوہر اکثر یکجا رہتے ہون اسی گھر مین لڑکے کی پرورش و پرداخت ہونی چاہیئے۔ اسی وجہ سے اگر باپ اس شہر سے باہر جانا چاہے جہان اسکی بود و باش ہو تو اولاد کو مان کی حراست سے نکالکر اپنے ہمراہ نہین[2] لیجا سکتا۔

اگر شوہر و زوجہ مین تفرقہ پڑ جائے تو مان اس بات کی مستحق ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کو لیکر اپنے وطن مین چلی جائے (بشرطیکہ نکاح وہین ہوا ہو) گو اسکا وطن اسکے شوہر کی جائے سکونت سے کتنا ہی دور ہو۔ پھر فتاوائے عالمگیری لکھا ہے کہ "اگر زوجہ[3] کا نکاح اسکے وطن مین ہوا ہو

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۳۷ ۔ جامع الشتات ۔ فصول عمادیہ ۔ ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۲۷ کتاب الانوار ۔ ۱۲ منہ [3] اذا وقعت الفرقة بين الرجل وامرأته فارادت ان تخرج بالولد عند انقضاء عدتها

مل چکی ہو اور اُسکے بعد وہ غیر عفیفہ ہو جائے تو وہ جائداد اُس سے نہ لی جائیگی۔ مگر شرع محمدی میں عدم عفت عورت کو مانع ارث نہیں ہے گو اخلاق عامہ کے لحاظ سے عدم عفت عورت کو مانع حق حضانت قرار دیگئی ہے۔

۳۔ حق الحضانت اُسوقت بھی زائل ہو جاتا ہے جب حاضنہ لڑکے کو بلا اجازت اُسکے باپ یا ولی شرعی کے اتنے فاصلے پر اُٹھا لیجائے کہ باپ یا ولی کو اُسکی نگرانی بقدر ضرورت کرنا محال[1] ہو جائے۔ مثلاً جو عورت نوکری پیشہ ہو اُسکو اپنے مالک کے ساتھ جسکی وہ نوکر ہے ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا پڑتا ہے اور اپنے لڑکے کو ساتھ لیجانا پڑتا ہے پس اگر کوئی عورت چاہے کہ اپنی اولاد کو ولی جائے سکونت سے کہیں اور اُٹھا لیجائے اور اُسکا شوہر قاضی یا حاکم سے استدعا کرے کہ میرے لڑکے مجھکو دلا دئیے جائیں کیونکہ انکی ماں انکو اور جگہ لیجانا چاہتی ہے تو قاضی پر فرض ہے کہ اِس مقدمہ کے واقعات کو تحقیق کرے اور جب اُسکو اطمینان ہو جائے کہ نقل مکان چند روزہ ہے اور لڑکے کے حق میں مفید ہوگا تو اُسکو ماں کی حراست میں رہنے دے۔

جبتک نکاح باقی رہے اُسوقت تک جہاں زن و شوہر سکونت دائمی رکھتے ہوں وہی مکان حضانت ہے۔ پس جس گھر میں زن و شوہر اکثر یکجا رہتے ہوں اُسی گھر میں لڑکے کی پرورش و پرداخت ہونی چاہیئے۔ اسی وجہ سے اگر باپ اُس شہر سے باہر جانا چاہے جہاں اُنکی بود و باش ہو تو اولاد کو ماں کی حراست سے نکالکر اپنے ہمراہ نہیں لیجا سکتا[2]۔

اگر شوہر و زوجہ میں تفرقہ پڑ جائے تو ماں اِس بات کی مستحق ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کو لیکر اپنے وطن میں چلی جائے (بشرطیکہ نکاح وہاں ہوا ہو) گو اُسکا وطن اُسکے شوہر کی جائے سکونت سے کتنا ہی دور ہو۔ پھر فتاوائے عالمگیری لکھا ہے کہ "اگر زوجہ[3] کا نکاح اُسکے وطن میں نہ ہوا ہو

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۳۷ ۔ جامع الشتات ۔ فصول عمادیہ ۔ ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۳۲ کتاب الانوار ۔ ۱۲ منہ [3] اذا وقعت الفرقۃ بین الرجل وامرأتہ فارادت ان تخرج بالولد عند انقضاء عدتہا

مقدمہ کا فیصلہ اسکے روداد کے موافق کیا جاتا ہے —

اگر باپ نقل مکان کرے یا اُس مقام سے چلا جائے جہاں حضینہ رہتی ہو اور حق الحضانت کو عمل مین لاتی ہو تو بعض حالات مین باپ کو اختیار ہوگا کہ لڑکے کو حضینہ کی حراست سے نکال لے یہ اختیار بھی لڑکے کے فوائد کے تابع کردیا گیا ہے — اگر لڑکا ماں کی نگرانی کا محتاج نہو یا اگر اسمین شک ہو کہ جب اُسکی ماں اُسکے باپ کی نگرانی سے آزاد ہوجائیگی تو ویسی ہی شفقت اور خبرگیری لڑکے کی کریگی جیسی پہلے کرتی تھی تو قاضی کو اختیار ہے کہ باپ اگر لڑکے کو لیجانے کی استدعا کرے تو اُسکو منظور کرلے —

الجیرس کی عدالت نے جو ۱۱- فروری ۱۸۶۰ء کو ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اُس سے خوب ظاہر ہے کہ مقدمات حضانت کا فیصلہ کس اصول کے موافق کرنا چاہیئے —

یہ حق ابتداءً لڑکے کے فائدہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور چاہیئے کہ وہ اقربا اسکو عمل مین لائین جنکی نسبت ظن غالب ہو کہ لڑکے کی خبرگیری اور اُسپر شفقت سب سے زیادہ کرینگے —

حق الحضانت ایک حق شخصی ہے جسکو فریقین ایک جوڈیشل یعنی عدالتی کارروائی کے ذریعہ سے نافذ کرسکتے ہین — دفعہ ۱- ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۶۱ء مین لکھا ہے کہ "جو نابالغ کا کوئی عزیز یا ولی جو ایسے نابالغ کی حراست یا ولایت کا دعویٰ کرنا چاہے اسکا تنہا یا مختار کے ذریعہ سے ضلع کی سب سے بڑی ابتدائی عدالت دیوانی مین بذریعہ عرضی درخواست کرسکتا ہے"—

اور دفعہ ۳- مین لکھا ہے کہ وہ اُس عدالت کو اختیار ہے کہ فریقین کے بیانات کو سُنکر اور شہادت لیکر جیسا حکم مناسب سمجھے صادر کرے —

اِس ایکٹ کے بموجب وہ اختیارات جو شرع محمدی مین قاضی کو دیے گئے ہین ضلع کی سب سے بڑے ابتدائی عدالت دیوانی کو عطا کیے گئے ہین پس اُس عدالت پر فرض ہے کہ تمام مقدمات مین جو مسلمان لڑکون کی حضانت سے متعلق ہون احکام شرع متعلقہ حضانت جاری کرین —

مقدمہ کا فیصلہ اسکے روداد کے موافق کیا جاتا ہے —

اگر باپ نقل مکان کرے یا اُس مقام سے چلا جائے جہان حضینہ رہتی ہو اور حق الحضانت کو عمل مین لاتی ہو تو بعض حالات مین باپ کو اختیار ہوگا کہ لڑکے کو حضینہ کی حراست سے نکال لے یہ اختیار بھی لڑکے کے فوائد کے تابع کر دیا گیا ہے — اگر لڑکا ماں کی نگرانی کا محتاج نہو یا اگر اسمین شک ہو کہ جب اسکی ماں اسکے باپ کی نگرانی سے آزاد ہو جائیگی تو ویسی ہی شفقت اور خبر گیری لڑکے کی کریگی جیسی پہلے کرتی تھی تو قاضی کو اختیار ہے کہ باپ اگر لڑکے کو لیجانے کی استدعا کرے تو اُسکو منظور کر لے —

الجیرس کی عدالت نے جو ۱۱- فروری ۱۸۶۵ء کو ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اُس سے خوب ظاہر ہے کہ مقدمات حضانت کا فیصلہ کس اصول کے موافق کرنا چاہیئے —

یہ حق ابتداءً لڑکے کے فائدہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور چاہیئے کہ وہ اقربا اسکو عمل مین لائین جنکی نسبت ظن غالب ہو کہ لڑکے کی خبر گیری اور اُسپر شفقت سب سے زیادہ کرینگے —

حق الحضانت ایک حق شخصی ہے جسکو فریقین ایک جوڈیشل یعنی عدالتی کارروائی کے ذریعہ سے نافذ کر سکتے ہین — دفعہ ۱- ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۶۱ء مین لکھا ہے کہ وہ نابالغ کا کوئی عزیز یا ولی جو ایسے نابالغ کی حراست یا ولایت کا دعوی کرنا چاہے اصالتًا یا مختار رجسٹری کے ذریعہ سے ضلع کی سب سے بڑی ابتدائی عدالت دیوانی مین بذریعہ عرضی درخواست کر سکتا ہے ۱۱ —

اور دفعہ ۳ مین لکھا ہے کہ وہ اُس عدالت کو اختیار ہے کہ فریقین کے بیانات کو سنکر اور شہادت لیکر جیسا حکم مناسب سمجھے صادر کرے ۱۱

اِس ایکٹ کے بموجب وہ اختیارات جو شرع محمدی مین قاضی کو دیے گئے ہین ضلع کی سب سے بڑے ابتدائی عدالت دیوانی کو عطا کیے گئے ہین پس اُس عدالت پر فرض ہے کہ تمام مقدمات مین جو مسلمان لڑکون کی حضانت سے متعلق ہون احکام شرع متعلقہ حضانت جاری کرین —

بیلی صاحب فرماتے ہین کہ "دوسرے معاہدات کی طرح نکاح بھی ایجاب و قبول کا نام ہے مگر نکاح سے کوئی حق شوہر و زوجہ کو ایک دوسرے کی جائداد پر نہین حاصل ہو جاتا — اور نہ زوجہ کی حیثیت شرعی شوہر کے ساتھ خلط نہین کر دی گئی ہے بلکہ زوجہ کو ایسے اختیارات حاصل رہتے ہین کہ گویا اُسکا نکاح اتبک نہین ہوا ہے یعنی جسطرح چاہے اپنے مال کو صرف کرے جو چاہے اُسکو کرے اور تمام معاہدات اسکی نسبت کر سکتی ہے اور بلا اجازت شوہر دوسرے پہ نالش کر سکتی ہے اور وہ اُسپر نالش کر سکتا ہے — بلکہ وہ اپنے شوہر پہ بھی بلا وساطت کسی امین یا ولی کے نالش کر سکتی ہے اور شوہر کسی طرح سے اُسکا ولی شرعی نہین ہے" —

شرع کی اصطلاح مین اور عرف مین بھی اس معاہدہ کے باقاعدہ انجام دینے کو عقد کہتے ہین اور عقد سے وہی معنی پیدا ہوتے ہین جو رومیون کے قانون مین لفظ "ووفرض" سے پیدا ہوتے ہین — فی الواقع عقد تکمیل نکاح کا نام ہے جسکی ابتدا ایجاب سے ہوتی ہے اور خاتمہ قبول پر ہوتا ہے —

قابلیتِ نکاح

جواز نکاح شرعًا دو شرطون پر موقوف ہے — اوّلاً طرفین کی قابلیت ازدواج پر — ثانیًا اِس بات پر کہ نکاح اُس طرز یا اُس صورت سے کیا جائے جو اُس مقام پر رائج ہو جہان نکاح ہوا ہے یا جو مسلمانون کے رسم و رواج کے موافق مشروع و مباح سمجھا جائے —

یہ ایک اصول مسلمہ قانونی ہے کہ طرفین کی قابلیت ازدواج ہر ایک کے وطن یا ملک کے قانون کے موافق قیاس کرنی چاہیئے — اگر مرد اور عورت خواہ ایک ہی ملک کے رہنے والے ہون خواہ مختلف ملکون کے باشندے ہون اپنے اپنے ملک کے قانون کے موافق ایک دوسرے سے نکاح کر سکتے ہون تو انکو قابلیت ازدواج بموجب اُس قاعدہ کے حاصل ہے جسکی تحقیق ہو رہی ہے خلاصہ یہ کہ اور معاہدات کی طرح نکاح مین قابلیت شخصی مناکحت کی مسکن دائمی کے قانون پر موقوف ہے[1]

[1] ڈاکٹر ڈیسی صاحب کی تقریر مسکن دائمی پر — ۱۲ منہ —

جس مسلمان نے انگلستان مین بود و باش اختیار کرلی ہو اُسکی قابلیت ازدواج قانون انگلستان
موافق قرار دیجائیگی - مگر جو مسلمان بلاد الاسلام مین سکونت دائمی رکھتا ہو اُسکی قابلیت تزویج شرع
محمدی کے موافق سمجھی جائیگی - پس یہ تحقیق کرنا ضرور ہے کہ وہ شرائط ضروریہ کیا ہین جنسے آدمی
ایک مشروع و مباح نکاح کرنے کے قابل ہوجاتا ہے - قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ شرع شریف مین
نکاح شرعی کرنے کی قابلیت اُسی بنا پر مبنی ہے جس بنا پر اور معاہدات کرنے کی قابلیت موقوف ہے -
فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "منجملہ[1] اُن شرائط کے جو جواز نکاح کو لازم ہین متناکحین کا
عاقل و بالغ اور آزاد ہونا ہے - صرف فرق اتنا ہے کہ درحالیکہ پہلی شرط یعنی عاقل ہونا جواز نکاح کی شرط
ضروری ہے کیونکہ مجنون یا بے عقل لڑکا نکاح نہین کرسکتا اور دو شرطین یعنی بلوغ شرعی اور آزادی
صرف نفاذ نکاح کے لیے لازم ہین کیونکہ نابالغ مگر عاقل لڑکا جو نکاح کرے اُسکا نفاذ اُسکے ولی کی
رضامندی پر موقوف ہے" پس معلوم ہوا کہ بلوغ و رُشد شرائط ضروریہ جواز نکاح کی ہین -
جو لڑکا شرعًا نابالغ ہو وہ کسی قسم کے تصرفاتِ شرعیہ نہین کرسکتا ہے لہذا نکاح کرنے کے
قابل بھی نہین ہے - مگر قانون انگلستان کی طرح شرع محمدی مین بھی صغیر و سرٖیعنی اُس
لڑکے مین جو نابالغ اور بے شعور ہو اور اُس لڑکے مین جو صرف نابالغ ہو فرق کیا گیا ہے -
جب صغیر یعنی ایسا لڑکا نکاح کرے جو سن تمیز کو نہ پہونچا ہو یا عقل و شعور نہ رکھتا ہو
یا اپنے اس فعل کے نتائج کو نہ سمجھ سکتا ہو تو وہ نکاح کالعدم ہوگا -
شرع محمدی مین رشد یعنی سن تمیز کی کوئی خاص مدت نہین مقرر ہے - مگر قانون انگلستان کے
رو سے سات برس کا سن لڑکے کی بے شعوری اور اُسکی اس قابلیت مین کہ وہ اپنے افعال کے
نتائج قانونی کو سمجھ سکے فارق قرار دیا گیا ہے - اور تعزیرات ہند مین بھی سات برس کے سن سے

[1] اما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية في العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد
نكاح المجنون والصبي الذي لا يعقل والاخيرين شرطا النفاذ فان نكاح الصبي العاقل يتوقف نفاذه
على اجازة وليه - فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۷۷ - فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۸۰ - ۱۲ منہ

جس مسلمان نے انگلستان مین بود و باش اختیار کرلی ہو اسکی قابلیت ازدواج قانون انگلستان
موافق قرار دیجائیگی - مگر جو مسلمان بلاد الاسلام مین سکونت دائمی رکھتا ہو اسکی قابلیت تزویج شرع
محمدی کے موافق سمجھی جائیگی - پس یہ تحقیق کرنا ضرور ہے کہ وہ شرائط ضروریہ کیا ہین جنسے آدمی
ایک مشروع و مباح نکاح کرنے کے قابل ہو جاتا ہے - قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ شرع شریف مین
نکاح شرعی کرنے کی قابلیت اُسی بنا پر مبنی ہے جس بنا پر اور معاہدات کرنے کی قابلیت موقوف ہے -
فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ [1] منجملہ اُن شرائط کے جو جواز نکاح کو لازم ہین متناکحین کا
عاقل و بالغ اور آزاد ہونا ہے - صرف فرق اتنا ہے کہ درحالیکہ پہلی شرط یعنی عاقل ہونا جواز نکاح کی شرط
ضروری ہے کیونکہ مجنون یا بے عقل لڑکا نکاح نہین کرسکتا اور دو شرطین یعنی بلوغ شرعی اور آزادی
صرف نفاذ نکاح کے لیے لازم ہین کیونکہ نابالغ مگر عاقل لڑکا جو نکاح کرے اسکا نفاذ اُسکے ولی کی
رضامندی پر موقوف ہے [1] پس معلوم ہوا کہ بلوغ و رُشد شرائط ضروریہ جواز نکاح کی ہین -
جو لڑکا شرعًا نابالغ ہو وہ کسی قسم کے تصرفاتِ شرعیہ نہین کرسکتا ہے لہذا نکاح کرنے کے
قابل بھی نہین ہے - مگر قانون انگلستان کی طرح شرع محمدی مین بھی صغیر و سریعنی اُس
لڑکے مین جو نابالغ اور بے شعور ہو اور اُس لڑکے مین جو صرف نابالغ ہو فرق کیا گیا ہے -
جب صغیر یعنی ایسا لڑکا نکاح کرے جو سن تمیز کو نہ پہونچا ہو یا عقل و شعور نہ رکھتا ہو
یا اپنے اس فعل کے نتائج کو نہ سمجھ سکتا ہو تو وہ نکاح کالعدم ہوگا -
شرع محمدی مین رشد یعنی سن تمیز کی کوئی خاص مدت نہین مقرر ہے - مگر قانون انگلستان کی
رو سے سات برس کا سن لڑکے کی بے شعوری اور اسکی اس قابلیت مین کہ وہ اپنے افعال کے
نتائج قانونی کو سمجھ سکے فارق قرار دیا گیا ہے - اور تعزیرات ہند مین بھی سات برس کے سن سے

---

[1] اما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية فى العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد
نكاح المجنون والصبى الذى لا يعقل والاخيرين شرط النفاذ فان نكاح الصبى العاقل يتوقف نفاذه
على اجازة وليه - فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۷۷ - فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۸۰ --- ۱۲ منہ

اسی قسم کے ہین جیسے قانون انگلستان اور قانون فرانسیس ہین بعض اقربا سے شادی کرنا ممنوع ہے۔

اسباب تحریم یا موانع نکاح چار قسم کے ہین۔ ا سبب مطلق۔ ۲ سبب بالنسبۃ۔ ۳ سبب محرم۔ ۴ سبب محکم۔

یہ اسباب اوّلاً تحلیل یا تحریم نسب سے پیدا ہوتے ہین۔ ثانیاً مصاہرت یعنی قرابت نسبتی سے۔ ثالثاً رضاع یعنی دودھ پلانے سے۔ رابعاً تکمیل عدد شرعی ازواج سے۔

کاسن ڈی پرسول صاحب نے اپنی تاریخ عرب صفحہ ۱۵۳ مین لکھا ہے کہ ملا اگلے زمانہ عرب سوتیلی مان اور ساس کا نکاح سوتیلے بیٹے اور داماد کے ساتھ جائز جانتے تھے۔ قرآن مجید مین اس رسم قبیح کی ممانعت قطعی کردی ہے اور فرمایا ہے کہ۔ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا یعنی نکاح کرو اُن عورتون سے جنسے تمھارے باپ نے نکاح کیا ہو مگر وہ بات جو زمانۂ سابق مین ہوئی تھی تحقیق کہ وہ بیحیائی اور برائی اور بدکرداری تھی۔ (قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۲۶) اسکے بعد محرمات شرعیہ کی تشریح کردی ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (سورۂ آل عمران آیت ۲۷)۔

ملا یعنی حرام کی گئین تمپر تمھاری مائین اور تمھاری بیٹیان اور تمھاری بہنین اور تمھاری پھوپھیان اور تمھاری خالائین اور تمھاری بھتیجیان اور تمھاری بھانجیان اور تمھاری دودھ مائین اور تمھاری دودھ بہنین اور تمھاری ساسین اور تمھاری پالک لڑکیان جو تمھاری اُن بیبیون کی گود مین ہون جو تمھاری مدخولہ ہون پس اگر تمنے اُنکے دخول نکیا ہو تو کچھ گناہ تمھارے واسطے نہیں ہے اور منکوحہ بیبیان تمھاری اُن بیٹون کی جو تمھارے صلب سے ہون اور یہ کہ تم دو بہنون سے ایکہی وقت مین نکاح کرو

اسی قسم کے ہین جیسے قانون انگلستان اور قانون فرانسیس ہین بعض اقربا سے شادی
کرنا ممنوع ہے۔

اسباب تحریم یا موانع نکاح چار قسم کے ہین۔ ۱۔سبب مطلق۔ ۲۔سبب بالنسبۃ۔ ۳۔سبب
محرم۔ ۴۔سبب محکم۔

یہ اسباب اوّلاً تحایل یا تحریم نسب سے پیدا ہوتے ہین۔ ثانیاً مصاہرت یعنی قرابت
نسبتی سے۔ ثالثاً رضاع یعنی دودھ پلانے سے۔ رابعاً تکمیل عدد شرعی ازواج سے۔

کاسن ڈی پرسول صاحب نے اپنی تاریخ عرب صفحہ ۱۵۳ مین لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں عرب
سوتیلی مان اور ساس کا نکاح سوتیلے بیٹے اور داماد کے ساتھ جائز جانتے تھے۔ قرآن مجید مین
اس رسم قبیح کی ممانعت قطعی کردی ہے اور فرمایا ہے کہ۔ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ
إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا یعنی نکاح کرو اُن عورتون سے جنسے تمھارے
باپ نے نکاح کیا ہو مگر وہ بات جو زمانہ سابق مین ہوئی تھی حقیقت کہ وہ بیحیائی اور برائی اور بدکرداری
تھی۔ (قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۲۶)۔ اسکے بعد محرمات شرعیہ کی تشریح کردی ہے حُرِّمَتْ
عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي
أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ
اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ
أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا وَالْمُحْصَنَاتُ
مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (سورۂ آل عمران آیت ۲۷)۔

* یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری
بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری دودھ مائیں اور تمہاری دودھ بہنیں اور تمہاری ساسیں اور تمہاری لے پالک
لڑکیاں جو تمہاری اُن بیبیوں کی گود میں ہوں جو تمہاری مدخولہ ہوں پس اگر تمنے اُنکے دخل نہ کیا ہو تو کچھ قباحت تمہارے واسطے
نہیں ہے اور منکوحہ بیبیاں تمہاری اُن بیٹوں کی جو تمہارے صلب سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں سے ایک ہی وقت میں نکاح کرو

شیعہ اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنبلیہ ان سب کے نزدیک اُس عورت سے نکاح کرنا حرام مطلق ہے جسکو اور شخص کا حمل موجود ہو۔ مگر ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ[1] اور اُنکے شاگرد امام ابو محمد کے نزدیک ایسا نکاح جائز ہے۔ ہندوستان کے حنفیوں میں اسکا عمل درآمد مختلف ہے۔ مگر عموماً ایسے نکاح نہایت معیوب سمجھے جاتے ہیں۔

شافعیہ اور مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک نکاح کرنا احرام کی حالت میں ممنوع ہے پس جب مرد و عورت دونوں میں سے ایک بھی ان تینوں فرقوں میں سے کسی فرقہ سے ہو اور عالم حج میں نکاح کرلے تو وہ نکاح حرام ہوگا۔ مگر حنفیہ[2] کے نزدیک ایسا نکاح درست ہے۔ شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ احرام کی حالت میں نکاح کرنا بہرحال ناجائز ہے مگر وہ عورت ہمیشہ کے لیے اُس مرد پر حرام نہیں ہوجاتی الّا اینکہ وہ مرد ایسے نکاح کے ناجائز ہونے سے واقف ہو

سب فرقوں کے نزدیک ایک ہی زمانہ میں دو ایسی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے جو باہم ایسی قرابت رکھتی ہوں کہ فرض کیجیے کہ اگر اُنمیں سے ایک مرد ہوتا تو اُن دونوں میں مناکحت شرعاً حرام ہوتی

شیعہ اور حنفیہ[3] کے نزدیک جب مرد اور عورت میں زنا واقع ہوا ہو تو وہ مرد اس عورت کی ماں یا بہن سے نکاح نہیں کرسکتا۔

جس شخص نے ان دو بڑے اسلامی فرقوں (سُنّی اور شیعہ) کی شرع کو نظر تعمق سے دیکھا ہے اُس سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بیرونی لوگوں یعنی غیر مسلمین کے ساتھ اُنکے برتاو میں کیا فرق رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جن قوموں نے مذہب شیعہ قبول کرلیا اُنکو یورپ کی عیسائی قوموں سے بہت سابقہ نہیں پڑا مگر ایشیا کی قوم مجوس سے اُنکو ہمیشہ تعلق تام رہا اور اُنکی برخلاف اسکے سنیوں پر یورپ کی قوموں کی تاثیر ہمیشہ کم و بیش ہوا کی۔ چونکہ شیعہ اور سُنّی کا

---

[1] ہدایہ صفحہ ۹۰۔ امام ابو یوسف نے ان دونوں صاحبوں سے اختلاف کرکے فرمایا ہے کہ ایسا نکاح ناجائز ہے۔ اور ہدایہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا نکاح اُس صورت میں باتفاق علما حرام ہے جبکہ جنین یعنی پیٹ کے لڑکے کا نسب معلوم و ثابت ہوجاوے ۱۲ منہ [2] ہدایہ کتاب ۲ باب ۳ جامع الشتات ۱۲ منہ [3] شافعیہ کو حنفیہ سے اس مسئلہ میں اختلاف ہے ۱۲ منہ

شیعہ اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنبلیہ ان سب کے نزدیک اُس عورت سے نکاح کرنا حرام مطلق ہے جسکو اور شخص کا حمل موجود ہو - مگر ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ[1] اور اُنکے شاگرد امام ابو محمد کے نزدیک ایسا نکاح جائز ہے - ہندوستان کے حنفیون مین اسکا عمل درآمد مختلف ہے - مگر عمومًا ایسے نکاح نہایت معیوب سمجھے جاتے ہین -

شافعیہ اور مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک نکاح کرنا احرام کی حالت مین ممنوع ہے پس جب مرد و عورت دونون مین سے ایک بھی ان تینون فرقون مین سے کسی فرقہ سے ہو اور عالم حج مین نکاح کر لے تو وہ نکاح حرام ہوگا - مگر حنفیہ[2] کے نزدیک ایسا نکاح درست ہے - شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ احرام کی حالت مین نکاح کرنا بہر حال ناجائز ہے مگر وہ عورت ہمیشہ کے لیے اُس مرد پر حرام نہین ہو جاتی الّا اینکہ وہ مرد ایسے نکاح کے ناجائز ہونے سے واقف ہو

سب فرقون کے نزدیک ایک ہی زمانہ مین دو ایسی عورتون سے نکاح کرنا حرام ہے جو باہم ایسی قرابت رکھتی ہون کہ فرض کیجیے کہ اگر انمین سے ایک مرد ہوتا تو اُن دونون مین مناکحت شرعًا حرام ہوتی

شیعہ اور حنفیہ[3] کے نزدیک جب مرد اور عورت مین زنا واقع ہوا ہو تو وہ مرد اس عورت کی ماں اور بہن سے نکاح نہین کر سکتا -

جس شخص نے ان دو بڑے اسلامی فرقون (سُنّی اور شیعہ) کی شرع کو نظر تعمق سے دیکھا ہے اُس سے یہ بات مخفی نہین ہے کہ بیرونی لوگون یعنی غیر مسلمین کے ساتھ اُنکے برتاو مین کیا فرق رہا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ جن قومون نے مذہب شیعہ قبول کر لیا اُنکو یورپ کی عیسائی قومون سے بہت سابقہ نہین پڑا مگر ایشیا کی قوم مجوس سے اُنکو ہمیشہ تعلق تام و دائمی رہا مگر بخلاف اسکے سنیون پر یورپ کی قومون کی تاثیر ہمیشہ کم و بیش ہوا کی - چونکہ شیعہ اور سُنّی کا

---

[1] ہدایہ صفحہ ۹۰ - امام ابو یوسف نے ان دونون صاحبون سے اختلاف کرکے فرمایا ہے کہ ایسا نکاح ناجائز ہے - اور ہدایہ مین بھی لکھا ہے کہ ایسا نکاح اُس صورت مین باتفاق علما حرام ہے جبکہ جنین یعنی پیٹ کے لڑکے کا نسب معلوم یا ثابت ہو جاسے ۹۰ [2] ہدایہ کتاب ۳ باب ۳ و جامع الشتات ۲ [3] شافعیہ کو حنفیہ سے اس مسئلہ مین اختلاف ہے ۲ منہ

طرز یا صورت نکاح

کتب فقہ مین اور چند شرائط نکاح بھی لکھے ہین لکن اگر غور کیجیے تو یہ سب شرائط تکلفات[1] ظاہری معلوم ہوتے ہین ۔ مثلاً یہ ضرور ہے کہ (۱) متناکحین ایک دوسرے کے کلام کو سنین یعنی[2] الفاظ نکاح کو طرفین سمجھ جائین ۔ (۲) اگر بالغ و عاقل ہون تو واقعی رضامندی نکاح سے ظاہر کرین (۳) شوہر اور زوجہ کی تصریح بخوبی کر دیجائے تاکہ اُنکی شناخت مین کچھ شک[3] نہ واقع ہو ۔ ان شرائط ظاہری کے باب مین سُنی اور شیعہ مین اتفاق ہے ۔ مگر سنیون کے نزدیک ایجاب و قبول ایک ہی جلسہ مین ہونا چاہیئے اور ایجاب و قبول مین اختلاف نہونا چاہیئے ۔ شیعون[4] کے نزدیک ایجاب و قبول مین توافق لفظی ہونا کچھ ضرور نہین ہے ۔

سنیون کے مذہب مین تصدیق نکاح کے لیے گواہون کا ہونا بھی ضرور ہے ۔ مگر شیعون کے نزدیک حضوری گواہون کی کسی امر متعلقہ نکاح مین ضرور نہین ہے ۔ پس اگر مرد اور عورت خود یا اُنکے اولیا شرعی پوشیدہ طور سے نکاح پڑھ لین تو شرعًا جائز ہے ۔ بلکہ اگر پوشیدہ نکاح پڑھنے کا حکم ہو تو بھی نکاح نہ باطل[5] ہوگا ۔

کوئی خاص رسم شادی رچانے کا شرعًا معین نہین ہے ۔ اور چونکہ فریقین کے نزدیک نکاح عبادات مین داخل نہین ہے بلکہ معاملات مین داخل ہے لہذا جواز نکاح کسی قسم کے رسوم مذہبی بجالانے پر بھی موقوف نہین ہے ۔

مختص المقام صورتین نکاح کی

ہندوستان مین اور دیگر ممالک اسلامیہ مین بھی بہت سے رسوم مختص المقام نکاح کے ساتھ شریک کیے دیے گئے ہین ۔ مگر نکاح کا جواز یا عدم جواز اُن رسوم کے فعل یا ترک پر کسی طرح موقوف نہین ہے

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۷۷ و ۳۷۸ و ۳۸۱ ۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳ ۔ ۱۲ منہ [2] جامع الشتات صفحہ ۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۲ ۔ ۱۲ منہ [3] شرایع الاسلام صفحہ ۲۶ ۔ [4] ماچیرن سرکار کے لکچر شرع محمدی پہ جلد ۔ صفحہ ۳۴۸ ۔ ۱۲ منہ

جو اور قوموں کے قرب و اتصال کی وجہ سے اہل اسلام کے رسوم و عادات میں شامل ہو گئے ہیں
جب دو شخص کہ شرعاً مناکحت کی قابلیت رکھتے ہوں باہم نکاح کرلیں تو وہ نکاح شرعاً جائز اور
واجب العمل ہوگا بشرطیکہ طرفین کی رضامندی سے دو گواہوں کے سامنے ہوا ہو۔
شیعوں[1] کے نزدیک حضوری شاہدین بھی نکاح میں شرط نہیں ہے۔
شرایع الاسلام میں لکھا ہے کہ "جب کوئی مرد کہدے کہ میں فلاں عورت کا شوہر ہوں
اور وہ عورت کہدے کہ ہاں یہ سچ کہتا ہے یا جب کوئی عورت کہدے کہ فلاں مرد کی زوجہ ہوں اور وہ مرد
کہدے کہ ہاں یہ میری زوجہ ہے تو یہ تجویز کیا جائیگا کہ ظاہراً ان دونوں کا نکاح باہم ہو گیا ہے"
قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں جواز نکاح کسی خاص رسم مذہبی یا غیر مذہبی کے ادا کرنے پر
شرعاً موقوف نہیں ہے بلکہ اگر طرفین خود آپس میں اپنا نکاح پڑھ لیں تو وہ بھی شرعاً جائز اور
واجب العمل ہوگا۔
مگر چونکہ ہندوستان میں کچھ رسوم بھی ادا کیے جاتے ہیں لہذا اس ملک میں دو مختلف صورتیں
نکاح کی عموماً پائی جاتی ہیں یعنی نکاح عرفی جسکو عرفاً شادی بیاہ کہتے ہیں۔ اور نکاح شرعی جسمیں
صرف احکام شرعی کی پابندی کیجاتی ہے۔ نکاح عرفی شیعہ اور سنی دونوں میں پر تکلف رسوم کے ساتھ
اسی طرح کیا جاتا ہے جسطرح ٹرکی یعنی دولت عثمانیہ میں ہوتا ہے۔ ترکوں میں جن رسوم کے ساتھ
نکاح ہوتا ہے انکو ڈی اوسن صاحب مورخ فرانسیسی نے خوب پوست کندہ بیان کیا ہے۔
نکاح شرعی میں کسی رسم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے نکاح میں فقط شرع کی پابندی کیجاتی ہے
چونکہ لفظ عرفی اور لفظ شرعی اکثر ان مقدمات میں پیش آتا ہے جنمیں کسی لڑکے کا حلالی ہونا یا لڑکی
ماں کے نکاح کا وقوع و عدم وقوع مورد نزاع ہوتا ہے لہذا ان دونوں قسموں کے نکاح میں فرق
یاد رکھنا ضرور ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا لازم ہے کہ جہانتک نکاح کے نتائج شرعی متعلق ہیں وہانتک
نکاح کی پابندی بدرجہ مساوی واجب ہے خواہ بصورت عرفی ہوا ہو خواہ بصورت شرعی۔

[1] جامع الشتات میں مسائل نکاح ملاحظہ ہوں — ۱۲ منہ —

البتہ عرفی نکاح میں جس اعلان کے ساتھ رسوم ادا کیے جاتے ہیں اُس سے یہ ظن غالب پیدا ہوتا ہے کہ جب کبھی وقوع نکاح پر کوئی تنازع ہوگا تو لائق اطمینان شہادت اُسکی نسبت بہم پہونچ جائیگی — مگر نکاح شرعی میں چونکہ صرف احکام شرع کی تعمیل کیجاتی ہے اور اعلان بہت کم ہوتا ہے لہذا جب ایسے مقدمات میں لائق اعتبار شہادت پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اُسکا پیش کرنا ایسا آسان نہیں ہوتا جیسا نکاح عرفی میں ہوتا ہے الا یہ کہ اُس نکاح کی رجسٹری[1] ہوگئی ہو —

پہلا نکاح غربا میں بھی بصورت عرفی[2] ہوتا ہے —

ہندوستان کے سنی اور شیعہ کے رسوم نکاح میں کچھ ایسا فرق نہیں ہے — سب شادیوں کی ابتدا منگنی سے ہوتی ہے جو کبھی سال یا کبھی مہینہ یا کبھی ہفتہ پیشتر ہوتی ہے — اور نکاح نابالغوں میں بھی اور بالغوں میں بھی باہم کر دیا جاتا ہے —

عموماً نکاح دولھن کے باپ یا ولی کے گھر میں بموجودگی وکلا طرفین (اگر کوئی ہو) اور مہمانوں کے ہوتا ہے اور بعض مہمانوں کی گواہی نکاح نامہ پر لکھدی جاتی ہے — اِس دستاویز میں وہ تمام شرائط جنکی پابندی کا اقرار زوجین نے کیا ہے اور تعداد مہر اور اُسکی ادائی کی صورت اور امور متعلقہ حراست اولاد اور دیگر ایسے ہی امور درج کیے جاتے ہیں — اور اُسپر دولہا اور دولھن کے اولیاء شرعی اور وکلا (اگر کوئی ہوں) کی شہادت لکھی جاتی ہے — معزز خاندانوں میں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایسی ایک دستاویز جسمیں شرائط نکاح درج ہوں نہ تحریر کرائیجاوے علی الخصوص پہلی شادی میں اور جب طرفین کفو یا ہم چشم ہوں تو ضرور نکاح نامہ لکھوا لیا جاتا ہے — اُسکو کابین نامہ بھی کہتے ہیں —

---

[1] بعض اضلاع بنگالہ میں جو ایکٹ ازدواج اہل اسلام جاری ہے اُسکے بموجب طرفین یا اُنکے ولیوں کو نکاح کی رجسٹری کرانے نہ کرانے کا اختیار ہے — جب یہ بل قانون ہونے کو تھا اُسوقت اِس کتاب کے مولف نے حکام کونسل سے باصرار عرض کیا تھا کہ نکاح کی رجسٹری کرانے کو جبری کر دینا مناسب ہے مگر اور صاحبوں کی رائے غالب آئی — اُسوقت سے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ رجسٹری نکاح کرانے یا نہ کرانے کا اختیار طرفین کو دینے سے انتظام عدالت میں بڑی بڑی دقتیں واقع ہوتی ہیں — صوبہ الجیریا میں نکاح کو رجسٹری کرانا جبری ہے — ۱۲ منہ [2] یہ یاد رہے کہ نکاح عرفی تدریجاً موقوف ہوتا جاتا ہے کیونکہ اُسمیں فضول خرچی اور اسراف بہت ہوتا ہے — ۱۲ — منہ

البتہ عرفی نکاح مین جس اعلان کے ساتھ رسوم ادا کیے جاتے ہین اُس سے یہ ظن غالب پیدا ہوتا ہے کہ جب کبھی وقوع نکاح پر کوئی تنازع ہوگا تو لائق اطمینان شہادت اُسکی نسبت بہم پہونچ جائیگی مگر نکاح شرعی مین چونکہ صرف احکام شرع کی تعمیل کیجاتی ہے اور اعلان بہت کم ہوتا ہے لہذا جب ایسے مقدمات مین لائق اعتبار شہادت پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اُسکا پیش کرنا ایسا آسان نہین ہوتا جیسا نکاح عرفی مین ہوتا ہے الا ایسی حالت مین کہ اُس نکاح کی رجسٹری ہوگئی ہو[1]۔

پہلا نکاح غربا مین بھی بصورت عرفی ہوتا ہے۔

ہندوستان کے سنی اور شیعہ کے رسوم نکاح مین کچھ ایسا فرق نہین ہے۔ سب شادیون کی ابتدا منگنی سے ہوتی ہے جو کبھی سال یا کبھی مہینہ یا کبھی ہفتہ تک رہتی ہے۔ اور نکاح نابالغون مین بھی اور بالغون مین بھی باہم کر دیا جاتا ہے۔

عموماً نکاح دولہن کے باپ یا ولی کے گھر مین بموجودگی وکلا طرفین (اگر کوئی ہو) اور مہمانون کے ہوتا ہے اور بعض مہمانون کی گواہی نکاح نامہ پر لکھدی جاتی ہے۔ اِس دستاویز مین وہ تمام شرائط جنکی پابندی کا اقرار ناکح نے کیا ہے اور تعداد مہر اور اُسکی ادائی کی صورت اور امور متعلقہ حراست اولاد اور اُور ایسے ہی امور درج کیے جاتے ہین۔ اور اُسپر دولہا اور دولہن کے اولیا شرعی اور وکلا (اگر کوئی ہو) کی شہادت لکھی جاتی ہے۔ معزز خاندانون مین بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایسی ایک دستاویز جسمین شرائط نکاح درج ہون نہ تحریر کرائیجاوے علی الخصوص پہلی شادی مین اور جب طرفین کفو یا ہم چشم ہون تو ضرور نکاح نامہ لکھوالیا جاتا ہے۔ اُسکو کابین نامہ بھی کہتے ہین۔

[1] بعض اضلاع بنگالہ مین جوایکٹ ازدواج اہل اسلام جاری ہے اُسکے بموجب طرفین یا اُنکے ولیون کو نکاح کی رجسٹری کرانے نہ کرانے کا اختیار ہے۔ جب یہ بل قانون ہونے کو تھا اُسوقت اِس کتاب کے مولف نے حکام کونسل سے باصرار عرض کیا تھا کہ نکاح کی رجسٹری کرانے کو جبری کر دینا مناسب ہے مگر اور صاحبون کی راے غالب آئی۔ اُسوقت سے یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ رجسٹری نکاح کرانے یا نہ کرانے کا اختیار طرفین کو دیدینے سے انتظام عدالت مین بڑی بڑی دقتین واقع ہوتی ہین۔ صوبہ الجیریہ مین نکاح کو رجسٹری کرانا جبری ہے۔ ۱۲ منہ سنئہ گر یاد رہے کہ نکاح عرفی تدریجاً موقوف ہوتا جاتا ہے کیونکہ اُسمین فضول خرچی اور اسراف بہت ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

اور قبول سے یہ مراد ہے کہ دوسرا کہے کہ میں نے نکاح کو قبول کیا۔

سنیوں کے نزدیک عقد لفظ نکاح یا تزویج (اَنکَحتُ، زَوَّجتُ) کے استعمال سے ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ کے معنے صریح و واضح ہیں۔ یا لفظ ہبہ (وَہَبتُ) یا تملیک (مَلَّکتُ) یا بیع (بِعتُ) کے استعمال سے بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ ضمناً تزویج پر دلالت کرتی ہے۔

مگر شیعوں کے نزدیک یہ ہے کہ نکاح صحیح جبھی ہوتا ہے کہ جب لفظ نکاح یا تزویج استعمال کیا جائے (کہ یہ الفاظ صریحاً نکاح پر دلالت کرتے ہیں) اور انکے نزدیک جو نکاح اور الفاظ سے پڑھا جائے وہ باطل ہے۔ مگر جب نکاح ایسے الفاظ سے پڑھا گیا ہو جو شیعوں کے مذہب میں جائز نہیں ہے مگر

تَنَاسَلُوا تَكْثُرُوا فَإِنِّي أُبَاهِي بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَوْ بِالسِّقْطِ اسکے بعد جو صیغہ پڑھے جاتے ہیں تین صیغے ایجاب کہ عورت کا وکیل پڑھتا ہے اور تین صیغے قبول کے، اُسکے جواب میں مرد کا وکیل پڑھتا ہے۔ (عورت کا وکیل) أَنْكَحْتُ مُوَكِّلَتِي مُوَكِّلَكَ عَلَى الْمَهْرِ الْمَعْلُومِ (مرد کا وکیل) قَبِلْتُ النِّكَاحَ عَلَى الْمَهْرِ الْمَعْلُومِ (عورت کا وکیل) أَنْكَحْتُ وَزَوَّجْتُ مُوَكِّلَتِي مُوَكِّلَكَ عَلَى الصَّدَاقِ الْمَعْلُومِ (مرد کا وکیل) قَبِلْتُ النِّكَاحَ وَالتَّزْوِيجَ عَلَى الصَّدَاقِ الْمَعْلُومِ (عورت کا وکیل) أَنْكَحْتُ مُوَكِّلَتِي مُوَكِّلَكَ عَلَى الْمَهْرِ الْمُعَيَّنِ الْمَعْلُومِ (مرد کا وکیل) قَبِلْتُ النِّكَاحَ عَلَى الْمَهْرِ الْمُعَيَّنِ الْمَعْلُومِ۔ پس تیسرے صیغہ کے جواب پر نکاح کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اہل سنت میں نکاح کے خطبے متعدد ہیں لیکن حنفیہ میں یہ خطبہ متعارف ہے۔ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُودِ بِنِعْمَتِهِ الْمَعْبُودِ بِقُدْرَتِهِ الْمُطَاعِ بِسُلْطَانِهِ الْمَرْهُوبِ مِنْ عَذَابِهِ وَسَطْوَتِهِ النَّافِذِ أَمْرُهُ فِي سَمَائِهِ وَأَرْضِهِ الَّذِي خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهِ وَمَيَّزَهُمْ بِأَحْكَامِهِ وَأَعَزَّهُمْ بِدِينِهِ وَأَكْرَمَهُمْ بِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ اسْمُهُ وَتَعَالَتْ عَظَمَتُهُ جَعَلَ الْمُصَاهَرَةَ سَبَبًا لَاحِقًا وَأَمْرًا مُفْتَرَضًا أَوْشَجَ بِهِ الْأَرْحَامَ وَأَلْزَمَ الْأَنَامَ فَقَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا فَأَمْرُ اللهِ تَعَالَى يَجْرِي إِلَى قَضَائِهِ وَقَضَاؤُهُ يَجْرِي إِلَى قَدَرِهِ فَلِكُلِّ قَضَاءٍ قَدَرٌ وَلِكُلِّ قَدَرٍ أَجَلٌ وَلِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ۔ اسکے بعد ایجاب و قبول طرفین سے بآواز بلند کرایا جاتا ہے اگر عربی زبان سمجھتے ہوں تو عربی میں ایجاب و قبول کرانا مستحب ہے ورنہ ایک بار عربی زبان میں اور دو بار طرفین کی زبان میں اور انکے وکلا ایجاب و قبول کرتے ہیں بعد اسکے ناکح کی طرف متوجہ ہو کر کہا جاتا ہے بَارَكَ اللهُ لَكَ وَبَارَكَ اللهُ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي الْخَيْرِ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اسکے بعد

اور قبول سے یہ مراد ہے کہ دوسرا کہے کہ میں نے نکاح کو قبول کیا۔

سنیوں کے نزدیک عقد لفظ نکاح یا تزویج (انکحتُ، زوّجتُ) کے استعمال سے ہو سکتا ہے کہ ان الفاظ کے معنے صریح و واضح ہیں۔ یا لفظ ہبہ (وہبتُ)، یا تملیک (ملّکتُ)، یا بیع (بعتُ) کے استعمال سے بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ ضمناً تزویج پر دلالت کرتے ہیں۔

مگر شیعوں کے نزدیک یہ ہے کہ نکاح صحیح ہوتا ہے کہ جب لفظ نکاح یا تزویج استعمال کیا جائے (کہ یہ الفاظ صریحاً نکاح پر دلالت کرتے ہیں) اور انکے نزدیک جو نکاح اور الفاظ سے پڑھا جائے وہ باطل ہے۔ مگر جب نکاح ایسے الفاظ سے پڑھا گیا ہو جو شیعوں کے مذہب میں جائز نہیں ہے مگر

تناسلوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط اسکے بعد جو صیغے پڑھے جاتے ہیں تین صیغے ایجاب کہ عورت کا وکیل پڑھتا ہے اور تین صیغے قبول کے، اسکے جواب میں مرد کا وکیل پڑھتا ہے — (عورت کا وکیل) اَنکحتُ موکّلتی موکّلک علی المھر المعلوم (مرد کا وکیل) قبلتُ النکاح علی المھر المعلوم (عورت کا وکیل) اَنکحتُ وزوّجتُ موکّلتی موکّلک علی الصداق المعلوم (مرد کا وکیل) قبلتُ النکاح والتزویج علی الصداق المعلوم (عورت کا وکیل) اَنکحتُ موکّلتی موکّلک علی المھر المعیّن المعلوم (مرد کا وکیل) قبلتُ النکاح علی المھر المعیّن المعلوم — پس تیسرے صیغہ کے جواب پر نکاح کا تمام ہوتا ہے۔ اہل سنت میں نکاح کے خطبے متعدد ہیں لیکن حنفیہ میں یہ خطبہ متعارف ہے — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع بسلطانہ المرھوب من عذابہ وسطوتہ النافذ امرہ فی سمائہ وارضہ الذی خلق الخلق بقدرتہ وامرھم باحکامہ واعزّھم بدینہ واکرمھم بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وازواجہ واصحابہ وسلم ان اللہ تبارک اسمہ وتعالت عظمتہ جعل المصاھرۃ سببا لاحقا وامرا مفترضا اوشج بہ الارحام والزم الانام فقال عز من قائل وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا فامر اللہ تعالیٰ یجری الی قضائہ وقضاؤہ یجری الی قدرہ فلکل قضاء قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب — اسکے بعد ایجاب و قبول طرفین سے باواز بلند کرایا جاتا ہے اگر عربی زبان سمجھتے ہوں تو عربی میں ایجاب و قبول کرانا مستحب ہے ورنہ ایک بار عربی زبان میں اور دو بار طرفین کی زبان میں اور انکے وکلا ایجاب و قبول کرتے ہیں بعد اسکے ناکح کی طرف متوجہ ہو کر کہا جاتا ہے بارک اللہ لک وبارک اللہ علیک وجمع بینکما فی الخیر سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ اسکے فورا

رضامندی

کوئی معاہدہ کامل نہین ہوسکتا تاوقتیکہ طرفین اسکی حقیقت کو سمجھکر اپنی رضامندی نہ ظاہر کرین - پس معاہدہ نکاح سے بھی رضامندی طرفین سمجھی جاتی ہے - اور جب طرفین ایک دوسرے کو دیکھ سکین اور برضا و رغبت خود نکاح کا اقرار کرلین اور ایسا اقرار کرنے کے قابل بھی شمار ہوتے ہون تو ایسے نکاح کے جواز مین کچھ شک و شبہ نہین ہوسکتا - مگر چونکہ مشرقی عورتین عموماً پردہ مین رہتی ہین اور اپنی شادی کے امور مین اپنی خاص مرضی کو عمل مین لانے مین بڑی بڑی دقتین انکو پیش آتی ہین لہذا شرع محمدی مین وہ اصول تفصیلاً لکھدیے گئے ہین جنسے عورتین نہ صرف اپنے اولیا کی حرص و طمع سے اپنے تئین بچا سکتے ہین بلکہ کچھ اختیار اپنے شوہرون کو پسند کرلینے کا بھی رکھتے ہین -

مثلاً جب مرد بالغ باذن بالغہ کی طرف سے نکاح پڑھا جاوے تو ایسے نکاح کے جواز کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اپنی رضامندی ظاہر ہے - یا یون سمجھیے کہ جو نکاح بغیر اجازت یا بلا رضامندی ناکح یا منکوحہ کیا گیا ہو وہ باطل ہے چاہے کسی شخص نے وہ نکاح کردیا ہو -

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک بالغ و رشیدہ اور صحیح العقل عورت اپنا نکاح کرلینے کی قابلیت مطلق رکھتی ہے - شیعون کے احکام اس باب مین بہت صریح و واضح ہین - انکے یہان یہ حکم ہے کہ بالغہ رشیدہ کے نکاح مین کسی ولی کی ضرورت نہین ہے - ہدایہ مین بھی یہی قول لکھا ہے کہ بالغ اور صحیح العقل عورت کا نکاح خود اسکی رضامندی سے ہوسکتا ہے گو اسکے اولیا نے اسکا نکاح نہ کردیا ہو یا نہ منظور کیا ہو اور خواہ وہ عورت باکرہ ہو خواہ ثیبہ [۱] -

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی باکرۂ رشیدہ کی رضامندی اسکے جواز نکاح کو لازم بلکہ لازم ہے جسطرح حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک ہے مگر وہ اپنا نکاح بلا وساطت ولی نہین کرسکتی -

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵ ہ ۴ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۱ ہ ۴ - شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۱۲ منہ

[۲] ہدایہ کا ترجمہ انگریزی صفحہ ۹۵ - ۱۲ منہ

رضامندی

کوئی معاہدہ کامل نہین ہوسکتا تاوقتیکہ طرفین اسکی حقیقت کو سمجھکر اپنی رضامندی نہ ظاہر کرین۔ پس معاہدہ نکاح سے بھی رضامندی طرفین سمجھی جاتی ہے۔ اور جب طرفین ایک دوسرے کو دیکھ سکین اور برضا و رغبت خود نکاح کا اقرار کرلین اور ایسا اقرار کرنے کے قابل بھی شرعًا ہون تو ایسے نکاح کے جواز مین کچھ شک و شبہ نہین ہوسکتا۔ مگر چونکہ مشرقی عورتین عمومًا پردہ مین رہتی ہین اور اپنی شادی کے امور مین اپنی خاص مرضی کو عمل مین لانے مین بڑی بڑی دقتین انکو پیش آتی ہین لہذا شرع محمدی مین وہ اصول تفصیلاً لکھدیے گئے ہین جنسے عورتین نہ صرف اپنے اولیا کی حرص و طمع سے اپنے تئین بچا سکتے ہین بلکہ کچھ اختیار اپنے شوہرون کو پسند کر لینے کا بھی رکھتے ہین۔

مثلاً جب مرد بالغ یا زن بالغہ کی طرف سے نکاح پڑھا جاوے تو ایسے نکاح کے جواز کیلیے یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اپنی رضامندی ظاہر ہے۔ یا یون کہیے کہ جو نکاح بغیر اجازت یا بلا رضامندی ناکح یا منکوحہ کیا گیا ہو وہ باطل ہے چاہے کسی شخص نے وہ نکاح کردیا ہو۔

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک بالغ و رشید اور صحیح العقل عورت اپنا نکاح کر لینے کی قابلیت مطلق رکھتی ہے۔ شیعون کے احکام اس باب مین بہت صریح و واضح ہین۔ انکے یہان یہ حکم ہے کہ بالغہ رشیدہ کے نکاح مین کسی ولی کی ضرورت نہین ہے۔ ہدایہ مین بھی یہ قول لکھا ہے کہ بالغ اور صحیح العقل عورت کا نکاح خود اسکی رضامندی سے ہوسکتا ہے گو اسکے اولیا نے اسکا نکاح نہ کردیا ہو یا نہ منظور کیا ہو اور خواہ وہ عورت باکرہ ہو خواہ ثیبہ۔[۱]

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی باکرہ رشیدہ کی رضامندی اسکے جواز نکاح کو لازم بلکہ لازم ہے جسطرح حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک ہے گر وہ اپنا نکاح بلا وساطت ولی نہین کرسکتی۔

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۰۵ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۱۸۴ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۲-۲۶۳-۱۲ منہ

[۲] ہدایہ کا ترجمہ انگریزی صفحہ ۹۵-۱۲ منہ

بعد اُسکے برادر عینی اور بھتیجے اور دادا اور چچا اور چچازاد بھائی ورعاتق کو علی الترتیب اوران سب کے بعد قاضی کو
شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک چونکہ ولی کا ہونا ہمیشہ صحت نکاح کے لیے ضرور ہے لہذا اس
مسئلہ مین دو قول پیدا ہوگئے ہین - ایک قول یہ ہے کہ ولی کو بالکل شرع سے اختیارات حاصل
ہوئے ہین لہذا نہ صرف ولی کا نکاح مین موجود ہونا ضرور ہے بلکہ اجازت نکاح مین بھی اُسکا شریک
ہونا واجب ہے - پس اِس قول کے موافق جو نکاح ولی بعید کے ذریعہ سے ہوا ہو درحالیکہ اُس سے
قریب کوئی ولی موجود ہو وہ صرف ناجائز ہی نہین ہے بلکہ ولی قریب بابعد وقوع نکاح اجازت دیکر
اُس نکاح کو جائز نہین کرسکتا جو پیشتر بغیر اُسکی رضامندی کے کرلیا گیا ہو -
مگر یہ سخت مسئلہ کسی گروہ مین جو شافعی یا مالکی طریق رکھتا ہے جاری نہین ہے
دوسرا قول پہلے قول کی نقیض ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شیخ زیادے نے اس قول کو امام
مالک کا قول کہدیا تھا -
اِس قول کے موافق یہ ہے کہ حق ولایت تو بیشک شرع نے ولی کو بخشا ہے مگر وہ حق اُس
اختیار کے بموجب عمل مین لایا جاتا ہے جو عورت نے ولی کو عطا کیا ہے اِسواسطے کہ جب عورت
اپنے باپ کے اختیار سے نکل گئی ہو تو پھر وہ اپنے افعال کی خود مالک اور مواخذہ دار ہے پس
امور تزویج مین صرف اُس سے مشورہ ہی نہ لینا چاہیئے بلکہ اُسکو اختیار ہے کہ جس شخص کو چاہے
اپنا ولی اور اپنے حقوق شرعیہ کا حافظ مقرر کرے - اگر وہ ولی قریب کو اپنا دشمن یا بدخواہ سمجھتی
ہے تو کسی عزیز بعید کو ولی مقرر کرسکتی ہے کہ اُسکے نکاح مین اُسکی طرف سے کارروائی کرے -
اِس قول کے موافق ولی اُس عورت کے وکیل کے طور پر کام کرتا ہے اور سب اختیارات ولایت
اُسی سے حاصل کرتا ہے اور اسی کے فائدہ کے لیے کام کرتا ہے [1] -

[1] محمد عاصم کی کتاب النکاح - کتاب الانوار - ہدایہ کتاب ۲ - باب ۲ - مین لکھا ہے کہ امام مالک اور امام شافعی کا
قول ہے کہ عورت کسی حال مین اپنا نکاح خود نہین کرسکتی نہ باجازت ولی نہ بلا اجازت ولی نہ وہ اپنی بیٹی یا لونڈی یا غلام کا
نکاح کرسکتی ہے اور نہ کسی کی وکیل نکاح بن سکتی ہے - ۱۲ منہ

یہ قول الکرخی اور ابن القاسم اور ابن سلیمان نے اختیار کر لیا ہے اور صمدیہ البحر سے تا فتیون
چند متواتر فیصلون مین اسکی تائید لکھی ہے ۔

جب وہ ولی جسکو بہ ترجیح دیگر اشخاص حق ولایت حاصل ہو غیر حاضر ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ
وہ کہان ہے یا جب وہ قید ہو یا غلام بنا ڈالا گیا ہو یا جب وہ اُس مقام سے جہان وہ عورت رہتی ہو
دس روز کی راہ پر ہو یا مجنون یا نابالغ ہو تب ولایت اُس شخص کو ملیگی جو اُسکے بعد مستحق ولایت ہو ۔

حنفیہ کے نزدیک عورت ہمیشہ اسکی مستحق ہے کہ بلا وساطت ولی اپنے نکاح کی اجازت دے
اور جب ولی مقرر ہو کر اُسکی طرف سے نکاح مین کارروائی کرتا ہے تو اُسکی نسبت ہمیشہ یہی گمان
کیا جاتا ہے کہ اُسکو اختیارات ولایت صرف اُسی عورت سے حاصل ہوے ہین پس وہ کسی حال مین
اُس اجازت یا ہدایت کے خلاف کوئی کارروائی نہین کرسکتا جو اُس عورت سے اُسکو حاصل ہوئی ہے

جب عورت اپنے ولی کو اجازت دیدے کہ کسی خاص شخص کے ساتھ اُسکا نکاح کر دے یا کسی
خاص شخص کے ساتھ اپنا نکاح کرنے سے رضامندی ظاہر کرچکی ہو تو ولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ
اُسکا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کر دے ۔

شیعون کے نزدیک بالغہ رشیدہ خود اپنا نکاح کرسکتی ہے اور کسی وکیل یا درمیانی آدمی کی
ضرورت نہین رکھتی ہے جسکے ذریعہ سے وہ اپنی رضامندی ظاہر کرے ۔ چنانچہ شرائع الاسلام
مین لکھا ہے کہ دو اگر کسی عورت کے اولیا اُسکی خواہش کے موافق اُسکے کفو یا ہم چشم سے اُسکا
نکاح نہ کرین تو اسمین کچھ شک نہین ہے کہ وہ اُنکی مرضی کے خلاف خود اپنا نکاح کرلینے کی مستحق ہے

شیعہ اور حنفیہ اس مسئلہ مین متفق ہین کہ معاہدہ نکاح مین عورتین اورون کی وکالت یا
قائم مقامی کرسکتی ہین ۔ چنانچہ شرائع الاسلام (صفحہ ۲۶۶) مین لکھا ہے کہ دو کہ معاہدہ نکاح
مین زن بالغہ و صحیح العقل کے کلام کا لحاظ رکھنا ضرور ہے ۔ پس وہ صرف اپنا ہی نکاح کرلینے کی

سلہ فتاوای عالمگیری صفحہ ۴۰ — ۱۲ منہ سلہ فتاوای عالمگیری صفحہ ۳۰ — ۱۲ منہ سلہ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳
۱۲ منہ سلہ یعنی باپ اور دادا کہ شیعون کے نزدیک یہی دو ولی الجبر ہین — ۱۲ منہ

یہ قول الکرخی اور ابن القاسم اور ابن سلیمان نے اختیار کر لیا ہے اور ضمیمہ البحر سے تا حنفیون
چند متواتر فیصلون مین اِسکی تائید لکھی ہے ہے —

جب وہ ولی جسکو بترجیح دیگر اشخاص حق ولایت حاصل ہو غیر حاضر ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ
وہ کہان ہے یا جب وہ قید ہو یا غلام بنا ڈالا گیا ہو یا جب وہ اُس مقام سے جہان وہ عورت رہتی ہو
دس روز کی راہ پر ہو یا مجنون یا نابالغ ہو تب ولایت اُس شخص کو ملیگی جو اُسکے بعد مستحق ولایت ہو —
حنفیہ[1] کے نزدیک عورت ہمیشہ اسکی مستحق ہے کہ بلا وساطت ولی اپنے نکاح کی اجازت دے
اور جب ولی مقرر ہو کر اُسکی طرف سے نکاح مین کارروائی کرتا ہے تو اُسکی نسبت ہمیشہ یہی گمان
کیا جاتا ہے کہ اُسکو اختیارات ولایت صرف اُسی عورت سے حاصل ہوے ہین پس وہ کسی حال مین
اُس اجازت یا ہدایت کے خلاف کوئی کارروائی نہین کر سکتا جو اُس عورت سے[2] اُسکو حاصل ہوئی ہے
جب عورت اپنے ولی کو اجازت دیدے کہ کسی خاص شخص کے ساتھ اُسکا نکاح کردے یا کسی
خاص شخص کے ساتھ اپنا نکاح کرنے سے رضامندی ظاہر کر چکی ہو تو ولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ
اُسکا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کر دے —
شیعون کے نزدیک بالغہ رشیدہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور کسی وکیل یا درمیانی آدمی کی
ضرورت نہین رکھتی ہے جسکے ذریعہ سے وہ اپنی رضامندی ظاہر کرے — چنانچہ شرائع الاسلام
مین لکھا ہے کہ[3] اگر کسی عورت کے اولیا[4] اُسکی خواہش کے موافق اُسکے کفو یا ہم چشم سے اُسکا
نکاح نہ کرین تو اِسمین کچھ شک نہین ہے کہ وہ اُنکی مرضی کے خلاف خود اپنا نکاح کر لینے کی مستحق ہے
شیعہ اور حنفیہ اِس مسئلہ مین متفق ہین کہ معاہدہ نکاح مین عورتین اوروں کی وکالت یا
قائم مقامی کر سکتی ہین — چنانچہ شرائع الاسلام (صفحہ ۲۶۶) مین لکھا ہے کہ[5] معاہدہ نکاح
مین زن بالغہ وصحیح العقل کے کلام کا لحاظ رکھنا ضرور ہے — پس وہ صرف اپنا ہی نکاح کر لینے کی

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۳ — ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۳ — ۱۲ منہ [3] شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳ — ۱۲ منہ [4] یعنی باپ اور دادا کہ شیعون کے نزدیک یہی دو ولی الجبر ہین — ۱۲ منہ

رضامندی اُسوقت جائز نہین ہے جب کوئی عورت کسی تہمت یا رنج مین مبتلا ہو جسمین اُسکی جان کا اندیشہ ہو - اِس امر کو الجیرس کی عدالت العالیہ نے ۹ - نومبر سنہ ۱۹۳۶ع کو طے کر دیا تھا اُس مقدمہ مین معلوم ہوا کہ ایک شخص طیّب نامی نے ایک عورت زہرہ نامی کے ساتھ اِس عالم مین عقد کیا تھا جب اُسکو دق کا آخری درجہ شروع ہو چکا تھا - نکاح کے چار ہی مہینہ کے بعد وہ عورت مر گئی - جب طیب نے زہرہ کی جائداد پر حقوق شوہری کا دعویٰ کیا تو الجیرس کے قاضی نے اُسکو ڈگری دی - مگر اپیل مین قاضی کا حکم منسوخ ہو گیا اور وہ نکاح ناجائز قرار دیا گیا -

ایم پورڈلنس لاسیلس صاحب (عالم فرانسیسی) کے نزدیک یہ امر مشکوک ہے کہ آیا نکاح شرعی ایجاب و قبول بموجودگی گواہان کا نام ہے یا ایسے ایجاب و قبول کو صرف منگنی کے طور پر سمجھنا چاہیئے - مگر اِسمین کچھ شک نہین ہے کہ تمام فقہائے اسلام کے نزدیک نکاح اُسوقت کامل ہے جبکہ ایجاب کے جواب مین قبول کیا جائے -

منگنی کا رسم گو ہندوستان مین ہے مگر شرعًا واجب نہین ہے - جب معاہدہ نکاح کی تکمیل عقد سے نہوئی ہو اور صیغہ نہ پڑھا گیا ہو تو ایسا نکاح نافذ نہین ہو سکتا -

پس شرع محمدی کے روسے اقرار نکاح کے خلاف ورزی کی نالش نہین ہو سکتی - بلکہ جب عقد ہو چکے اور تکمیل معاہدہ فی الواقع ہو چکی ہو تب ہی شوہر یا زوجہ حقوق زوجیت دلا پانے کی نالش کر سکتی ہے -

شہادت

شیعون کے مذہب مین جواز نکاح حضوری گواہان پر موقوف نہین ہے مگر حنفیہ[1] کے نزدیک

- رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ باکرہ سے استصواب ہر بات مین کرنا چاہیئے جو اُس سے متعلق ہو اور اگر وہ خاموش رہے تو رضامندی سمجھی جائیگی اور اُسکی رضامندی فرض کر لینی چاہیئے کہ وہ شرم کے مارے زبان سے نہین کہہ سکتی اور خاموشی سے بھی زیادہ مستند یا دلیل رضامندی کی ہے برخلاف رو دینے کے جو نا رضامندی کی دلیل ہے - بعض علما کا قول ہے کہ اگر ہنسی مضحکہ یا توہین کی راہ سے ہو تو وہ رضامندی نہین ہے - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۷۹ — فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۰۰ — ۱۲ منہ

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۷۹ — ۱۲ منہ —

گواہون کا ہونا جواز نکاح کی شرط ہے - اور نہ صرف یہ شرط ہے کہ بوقت نکاح گواہون کا موجود ہونا ضروری ہے بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ وہ شرائط نکاح سے واقف ہون - اور یہ بھی ضرور ہے کہ گواہ اُن اشخاص کی شناخت کر سکین جنھون نے ایجاب و قبول کیا ہے - اگر کوئی عورت ایسی پوشیدہ یا نقاب پوش ہو کہ کوئی گواہ اسکو نہ پہچان سکے اور یہ نہ کہہ سکے کہ اُس نے یعنی اُسی عورت نے یا اور کسی عورت نے رضامندی ظاہر کی تھی تو اُنکی شہادت کافی نہوگی -

گواہون کا ہونا اُسوقت ضرور ہے جبکہ عقد یعنی ایجاب و قبول ہو رہا ہو - فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ یہ بھی شرط ہے[1] کہ گواہ متناکحین کے کلام کو سنین - اگر گواہ صرف ناکح یا صرف منکوحہ کے کلام سنین تو نکاح ناجائز ہوگا - اسی طرح سے جب دونون گواہ طرفین کے کلام کو سنین مگر علحدہ علحدہ سنین تب بھی نکاح ناجائز ہوگا[1] - اور نکاح شرعًا اُسوقت بھی واجب العمل نہوگا جبکہ ایسے اشخاص کے سامنے پڑھا جائے جو متناکحین کا کلام تو سنین مگر اُنکے الفاظ کے معنی نہ سمجھین یا اُنکی زبان نہ سمجھتے ہون -

تاہم شہادت ایسی شرط ضروری نکاح کی نہین ہے جس سے مفر ممکن نہو - پس اگر کوئی نکاح ایسے ملک مین ہوا ہو جہان شرط شہادت جو اہل سنت کے نزدیک معتبر ہے پوری نہو سکے تو وہ نکاح ناجائز نہوگا - جب شہادت ممکن ہو تاہم نکاح بغیر شہادت کر لیا جائے تب وہ نکاح ناجائز تصور کیا جائیگا - مگر تب بھی اس نقص کا علاج زفاف ہے -

گواہون کا معتبر ہونا چار شرطون سے مشروط ہے[2] - یعنی حریت - سلامت عقل - بلوغ - اسلام -

---

[1] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۷۲ - فصول عمادیہ - ۱۲ منہ [2] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۷۷ - یہ گواہون کے اسلام کی خصوصیت مسلمانون ہی سے مخصوص نہین ہے - بلکہ لارڈ کوک صاحب نے فرمایا ہے کہ کافر اسوجہ سے معتبر گواہ نہین ہو سکتا کہ سب کفار قانونًا عداوت رکھتے ہین کیونکہ اُنمین باہم ہمیشہ نفاق رہتا ہے اور کبھی صلح نہین رہتی ہے جیسے اُنمین اور شیطان مین ہمیشہ لڑائی رہتی ہے جسکے وہ بندے ہین - ۱۲ منہ

مگر جب شوہر مسلم اور زوجہ غیر مسلمہ ہو تو نکاح دو غیر مسلم گواہوں کے سامنے ہو سکتا ہے جو عورت کے ہم مذہب ہوں یا اور کوئی مذہب رکھتے ہوں بشرطیکہ کوئی مانع شرعی شہادت کا انہیں نہ موجود ہو[1]۔

اہل سنت کے نزدیک نکاح کے گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ پس اُن گواہوں کی شہادت تسلیم کر لی جائیگی جو مجرم یا سزا یافتہ ہوں یا عوض غیبت یا زنا محصنہ یا غیر محصنہ سے متہم ہو چکے ہوں بہرے آدمی گواہ ہونے کے قابل اسوجہ سے نہیں کیونکہ طرفین کا کلام نہیں سن سکتے۔ حنفیہ کے نزدیک اندھوں[2] کی گواہی نکاح میں جائز ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے مگر صرف عورتوں ہی کے سامنے نکاح نہیں ہو سکتا۔ مالکیہ کے نزدیک سب گواہوں کا مرد ہونا ضرور[3] ہے۔ اگرچہ شرعاً دو ہی گواہوں کا ہونا نکاح میں شرط ہے بشرطیکہ دونوں مرد ہوں اور خلفائے راشدین رضہ ہمیشہ نکاح شرعی کرتے تھے مگر خاص کر ہندوستان کے مسلمانوں میں کمتر ایسے شرعی اور بے نمایش شادیاں ہوتی ہیں جنمیں دو گواہوں سے زیادہ نہ موجود[4] ہوں۔

سنی اور شیعہ دونوں کے نزدیک ایجاب تحریراً اور وکالتاً دونوں طرح سے ہو سکتا ہے۔ لیکن جب ایجاب تحریری ہو تو سینوں کے نزدیک ضرور ہے کہ عورت اپنی رضامندی دو گواہوں کے سامنے ظاہر کرے جنکے سامنے وہ تحریر دیکھلائے اور جو اسکے مضمون سے واقف[5] ہوں اسی طرح سے جب ایجاب وکالتاً کیا جائے تو گواہ

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۷۔ فتاوائے قاضی خان صفحہ ۳۰۸۔ فصول عمادیہ دیکھو نکاح المسلم الذمیۃ بشہادۃ الذمیین فاضیخان ۔ ۱۲ منہ [2] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۰۸۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۷۔ ۱۲ منہ [3] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۷۴۔ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۰۸۔ فتاوائے عالمگیری ۳۰۷۔ ۱۲ منہ [4] شیعوں کے نزدیک پوشیدہ اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینا جائز ہے مگر شہادت باقی رکھنے کا حکم ہے تاکہ تنازعات ہونے پائیں جامع الشتات ۱۲ منہ [5] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۷۔ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۰۸ و ۳۰۹۔ ۱۲ منہ —

ایجاب کی خبر دیتی ہوئے اور رضامندی ظاہر کرتی ہے کہ ہو نہین - وکیل[1] کو بالغ ہونا کچھ ضرور نہین ہے -

وکلاء نکاح

سُنی اور شیعہ دونون کے نزدیک نکاح وکلاء کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے - اور اُنکو مقرر کرنے کے لیے گواہ درکار نہین ہین اور اُنکے اختیارات سے وہی احکام شرع متعلق ہین جو اور معاہدات مین جاری ہوتے ہین - اگر دو شخص بالمشارکت کام کرنے کے لیے مقرر کیے گئے ہون تو اُنمین سے ایک بالانفراد کام نہین کر سکتا - اگر کوئی وکیل اپنے اختیارات سے تجاوز کرے تو جو معاہدہ اُسنے کیا ہے وہ جائز نہو گا تاوقتیکہ موکل اُسکی تصدیق نہ کردے - وکیل کو شرعًا جائز نہین ہے کہ اپنی موکلہ کا نکاح اپنے ساتھ یا اپنے کسی رشتہ دار سے کردے الا اینکہ خود اُسکی موکلہ نے اُسکو ایسا کرنے کا اختیار دیا ہو - یہی قاعدہ اُس عورت کے باب مین بھی جاری ہوگا جو کسی مرد کی وکالت کرے - وہ اُس مرد کا نکاح اپنے کسی عزیزہ کے ساتھ نہین کر سکتی الا اینکہ موکل نے اجازت خاص دی ہو - اگر کوئی وکیل نکاح اپنے موکل یا موکلہ کی نسبت بدنیتی سے کارروائی کرے یا اُسکی ضرر رسانی کے لیے کارروائی کرے یعنی اُسکا نکاح کسی غلام یا خنثی یا مجنون وغیرہ کے ساتھ کردے تو وہ نکاح ناجائز ہوگا -

شخص غیر مجاز (فضولی) دوسرے شخص کا عقد کر سکتا ہے مگر ایسا عقد شرعًا جائز نہوگا تاوقتیکہ متناکحین اُسکی تصدیق نہ کردین -

شیعون کے مذہب مین ہر شخص جو کسی بالغہ رشیدہ کی طرف سے کوئی کارروائی کرے وکالت فضولی کرتا ہے تاوقتیکہ اُسکی اجازت خاص اُس عورت سے نہ حاصل کرلے -

شرائط نکاح

اگرچہ اقرار[2] نکاح شرع محمدی مین غیر موثر ہے تاہم اگر وقوع نکاح کے بعد ... ... کرلیجائے

---

[1] فتاویٰ قاضیخان صفحہ ۲۰۳ - جامع الشتات ۲۰ سنہ ۲۵ جامع الشتات ۳۰ سنہ ۵۲
[2] اگر یہ بات کہ مسلمان انگلستان میں کسی عورت سے شادی کا اقرار کرلے تو غالبًا اس سے وہی نتائج پیدا ہونگے کہ گویا وہ مسلمان ہے ... صفحہ ۲۰ وغیرہ -

کہ ایک مدت معینہ منقضی نہ ہونے تک زفاف نہ ہوگا تو ایسی شرط کرنا شرعاً جائز ہے۔ نابالغوں کے نکاح میں ایسی شرط ہمیشہ رہا کی ہے حالانکہ اس قسم کے شرائط کرنا شرعاً کچھ ضرور نہیں ہے اسواسطے کہ مسلمان شوہر زوجہ کی ذات کی حراست کا مستحق اُسکے بلوغ تک نہیں ہے۔[1]

شرائط نکاح جائز اور ناجائز دونوں ہو سکتے ہیں۔ ناجائز شرائط وہ ہیں جو نکاح کے جواز میں مخل ہوں اور اُسکو باطل کر دیں تاوقتیکہ زفاف وقوع میں نہ آئے۔ جب زفاف ہو جائے تو صرف وہ شرط باطل ہو جائیگی۔

سنیوں[2] کے نزدیک وہ شرط ناجائز ہے جو بقائے نکاح کو ایک مدت مخصوصہ پر محدود کر دے۔ ایسے چند روزہ شادیاں (نکاح موقت) زمانہ جاہلیت کے دستورات کے موافق جائز تھیں اور جب شریعت اسلامیہ جاری ہوئی اُسوقت یہود اور مشرکین عرب دونوں میں برابر رائج تھیں اور ایسی شادیاں عیسائی قوموں میں بھی ہوتی تھیں۔ مسئلہ متعلقہ میں داخل ہونے کی تین دن کے بعد رسول اللہ صلعم نے ایسی شادیوں کی ممانعت[3] فرمائی اور فرمایا کہ نکاح موقت اصول اسلام کے خلاف ہے۔

شیعوں میں فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک نکاح موقت یا متعہ جائز ہے۔ اُنکے نزدیک نکاح الدائم اور نکاح الموقت دونوں کی شرائط ایکساں ہی ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ نکاح دائمی مہر کا ذکر نہ کرنے سے فی نفسہ باطل اور ناجائز نہیں ہو جاتا مگر متعہ باطل ہو جاتا ہے۔[4] اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اگر نکاح موقت ہو کر زفاف بھی ہو جائے تو وہ نکاح دائمی کا حکم رکھیگا۔

زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب کا یہ بھی دستور تھا کہ اپنی بیٹیوں اور عورتوں کی شادیاں

---

[1] نظیر مقدمہ خدیجہ بی بی لا رپورٹ سلسلہ بنگالہ صفحہ ۵۰۳ — [12] منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۰۹ منہ

[3] صحیح بخاری — مشکات المصابیح — مثلاً اگر کوئی مرد کسی عورت سے دو گواہوں کے سامنے دس روز کا میعادی نکاح کر لے تو ایسا نکاح موقت باطل ہے ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۹ - ۱۳ منہ [4] مفاتیح — [12] منہ

بالمبادلہ کرنے سے یعنی ایک عورت دوسری کے مہر مین دیجاتی تھی۔ اس قسم کا نکاح نکاح الشغار کہلاتا تھا ایک حدیث صحیح مین جو سب فرقون کے نزدیک معتبر ہے آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے ایسے نکاح کی ممانعت فرمائی۔ شیعہ اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ایسا نکاح ناجائز ہے تاوقتیکہ زفاف نہو جائے اور جب زفاف ہو جائے تو مہر کی شرط باطل ہو جائیگی اور مہر المثل اس عورت کا قرار دیا جائیگا۔ مگر حنفیہ[1] کے نزدیک اِس قسم کا نکاح جائز ہے اور وہ کہتے ہین کہ ایسے نکاح مین ابتدا ہی سے مہر المثل فرض کر لیا جائیگا۔

جو شرائط نکاح اخلاق عامہ کے خلاف ہون وہ باطل ہین گو اُنکے بطلان سے جواز نکاح مین نہین فرق آتا۔ مثلاً ایسی شرط باطل ہے کہ شوہر اسکا مستحق نہوگا کہ اپنی زوجہ کو مقامات فسق و فجور مین جانے سے مانع ہو۔ اِسی طرح اگر کوئی عورت اپنے نان و نفقہ سے دست بردار ہو جائے تو ایسی شرط شرعاً باطل اور کالعدم ہوگی۔

منجملہ شرائط جائزۂ نکاح کے شرائط ذیل بھی ہین

(الف) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کی حیات مین دوسرا عقد نہ کریگا۔

(ب) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کو بغیر اُسکی رضامندی کے اس مقام سے جہان نکاح ہوا تھا دوسری جگہ نہ لیجائیگا۔

(ج) یہ شرط کہ شوہر ایک میعاد معین سے زیادہ اپنے گھر سے غائب نہ رہیگا۔

(د) یہ شرط کہ شوہر اور زوجہ کسی خاص مقام پر رہینگے۔

(ہ) یہ شرط کہ ایک جزو مہر فوراً یا ایک میعاد معین کے اندر ادا کیا جائیگا اور باقی ماندہ اُسوقت دیا جائیگا کہ جب فسخ نکاح بسبب موت یا طلاق وقوع مین آئے۔

---

[1] ہدایہ صفحہ ۱۳۰ ـــ ۱۲ امتہ سنہ ۵۲ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے یہ شرط پہلے خلیفہ مہدی عباسی سے کر کے اپنی بیٹی کا عقد اُس سے کر دیا۔ وان ہیمیر صاحب کی تاریخ دولت عثمانیہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۰۱ اور تاریخ و مقاف ۱۰۱ مقدمہ پونوبی بی بنام فیض بخش لا رپورٹ جلد ۵ سلسلہ بنگالہ صفحہ ۵ ملاحظہ ہون۔ بعض علمائے امامیہ کے نزدیک یہ شرط جائز نہین ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ایران مین بھی جہان مذہب امامیہ جاری ہے یہ شرط اکثر کر لیجاتی ہے۔

(ز) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کو ایک مقدار معین گذارہ کی دیگا۔

(ح) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کے پہلے شوہر کے لڑکون کی پرورش کریگا۔

(ط) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کو اپنے رشتہ دارون سے ملنے کو منع نہ کریگا۔

چونکہ یہ سب شرائط قبل وقوع نکاح ہو جاتی ہین اور نکاح کے معاوضہ مین کیے جاتے ہین لہذا یہ سب شرعًا جائز اور لائق افسوس ہین۔

جواز نکاح کے لیے یہ ضرور مفید ہے کہ شرائط نکاح قلمبند کر لیے جائین اور ایجاب و قبول ایک باضابطہ دستاویز مین لکھ لیا جاے۔ تاہم ہمیشہ یہی مستحسن سمجھا جاتا ہے کہ یہ شرائط نکاح نامہ مین درج کیے جائین۔ خلفا مین سے خاص کر ہارون الرشید نے سب سلیمانی و رتبیل کیے جو اسکی رعایا تھے حکم دیا کہ اپنے نکاحون کی تصدیق قاضیون کے سامنے کر دین۔ اور صوبہ الجیریا مین نکاح نامہ قانونًا رجسٹری ہو کر اسکی نقل قاضی کے محکمہ مین رکھی جاتی ہے۔

نکاح نامہ جسکو ہندوستان مین کابین نامہ بھی کہتے ہین ہمیشہ عورت ہی پاس رہتا ہے۔ نکاح نامہ زوجہ یا اُسکے ولیون کو حوالہ کر دینے کا دستور اسلام کے پیشتر سے چلا آتا ہے اور جن ملکون مین نکاح نامون کے نقول کسی سرکاری دفتر مین نہین رکھی جاتین وہان یہ دستور عورت کے حقوق کے تحفظ کے لیے ضرور ہے۔

خلوتِ صحیحہ

اکثر صورتون مین نکاح ناجائز وقوع زفاف کے سبب سے جائز ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ کل مہر اُسوقت تک واجب الادا نہین ہوتا جبتک کہ زفاف یا وطی حقیقتًا یا مجازًا وقوع مین نہ آ لے لہذا مقدمات نکاح مین اکثر مسئلہ زفاف مین بحث کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک زفاف کا گمان اِسوجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ شوہر اور زوجہ خلوت کدہ مین ایسے حالات مین چلے جائین جنسے خواہ مخواہ یہ ظن ہو کہ مباشرت ہوئی خلوت صحیحہ[1] اِسی کو کہتے ہین۔

[1] الخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس ہناک ما یمنعہ من الوطی حسًا و شرعًا و طبعًا کذا فی فتاوی قاضیخان صفحہ ۳۰۴ فتاوی عالمگیری صفحہ ۴۱۹ جلد اول

مگر جب کوئی مانع شرعی یا اخلاقی یا جسمانی مباشرت کا موجود ہو تو زفاف یا وطی کا قیاس نہ کیا جائیگا اور خلوت صحیحہ نہ تصور کیجائیگی - مثلاً اگر شوہر و زوجہ رمضان کا روزہ رکھتے ہون یا شوہر یا زوجہ کسی ایسے مرض مین مبتلا ہو جو مانع جماع ہو تو خلوت صحیحہ سے زفاف کا گمان نہ پیدا ہوگا -

مغربی بلاد الاسلام مین خلوت صحیحہ بنا[1] کے نام سے مشہور ہے -

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ کی وہی حقیقت ہے اور وہی نتایج شرعی اُس سے پیدا ہوتے ہین جیسے[2] دمین دولھن کو بستر شادی پر لیجانے کی رسم سے پیدا ہوتے ہین -

خلوت صحیحہ سے نکاح کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اُسی وقت سے حقوق زوجیت شروع ہو جاتے ہین اور زوجہ کا پورا مہر واجب الادا ہو جاتا ہے - چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[3] "ہمارے علما نے خلوت صحیحہ کو بعض نتائج کے اعتبار سے بمنزلہ زفاف یا وطی واقعی کے قرار دیا ہے اور بعض اعتبارات سے نہین قرار دیا ہے - انھون نے درباب ثبوت مہر اور ثبوت نسب یا ابوت اور پابندی عدہ اور زوجہ کے حق نان و نفقہ اور حرمت نکاح اُنکی خواہر سے ایسا ہی کیا ہے" -

شیعہ اور شافعیہ[4] کے نزدیک محض خلوت صحیحہ سے کچھ قیاس نہین ہو سکتا بلکہ صرف وطی واقعی سے حقوق و فرائض زوجیت پیدا ہوتے ہین -

ثبوت نکاح

ثبوت نکاح صریحاً اور ضمناً دونون طرح سے ہو سکتا ہے - صریحاً نکاح اسطرح ثابت ہو سکتا ہے کہ جن گواہون کے سامنے نکاح ہوا تھا وہ اُسکے وقوع کی گواہی دین یا شہادت تحریری بصورت نکاح نامہ پیش کیجائے -

---

[1] اِس لفظ کے معنی لغوی عمارت ہین چونکہ قدیم عرب مین دستور تھا کہ ایک خاص خیمہ نصب کرکے دولھن کو اُسمین لیجاکر رکھتے تھے لہذا دولھا دولھن کی شادی کے حجرہ مین چلے جانے کو بنا کہنے لگے - ڈی سیبی صاحب کی تاریخ عرب ملاحظہ ہو - [2] کتاب فقہ سیو صفحہ ۱۶۷ - [3] اصحابنا اقاموا الخلوۃ الصحیحۃ مقام الوطی فی حق بعض الاحکام دون البعض فاقاموها مقامہ فی حق تاکد المهر وثبوت النسب والعدۃ والنفقۃ والسکنی وحرمۃ نکاح اختها - فتاوی عالمگیری صفحہ ۴۲۲ - [4] ہدایہ

نکاح شوہر و زوجہ کے بیانات اور اُنکے باہمی برتاؤ سے بھی ثابت ہو سکتا ہے چنانچہ فتاوائے عالمگیری میں لکھا ہے کہ اگر جب کوئی شخص مرد اور عورت کو ایک ہی مکان میں رہتے اور باہم زن و شوہر کا سے بے تکلفانہ برتاؤ کرتے دیکھے تو اُسکو یہ گواہی دینا شرعًا جائز ہے کہ یہ عورت اس شخص کی زوجہ ہے۔

نکاح کے نتائج شرعی

نکاح سے مرد اور عورت کا ہمبستر ہونا جائز ہو جاتا ہے اور شوہر پر مہر ادا کرنا اور جو شرائط قبل از عقد ہوئے ہوں اُنکو پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے اور طرفین کے حقوق وراثت قائم ہو جاتے ہیں اور اُنمیں قرابت نسبتی حرام ہو جاتی ہے اور شوہر کو واجب ہو جاتا ہے کہ اپنی زوجہ کے ساتھ عدل کرے اور اُسکی عزت اور محبت کرے۔ اور اسکے معاوضہ میں زوجہ کو شوہر کی اطاعت اور اس سے وفاداری کرنی پڑتی ہے۔

آٹھوان باب

غیر مشروع اور ناجائز نکاح۔ حق اعتراض ولی کا۔

حق اختیار۔ اسباب فسخ نکاح۔ ارتداد کا اثر نکاح پر

جو نکاح خلاف شرع ہو وہ فی نفسہ باطل و کالعدم ہے اور کسی قسم کے حقوق و فرائض متناکحین کے ایسے نکاح سے نہیں پیدا ہوتے۔ اور زوجہ کو شوہر پر مہر کا حق نہیں ہوتا اور نہ ایک دوسرے کی میراث پانے کا حق ہوتا ہے درانحالیکہ اُنمیں سے کوئی اُس زمانہ میں مرجائے جبکہ معاہدہ نکاح موجود ہو۔ ایسے نکاح اُسی تاریخ سے خلاف شرع ہوتے ہیں جس تاریخ وہ واقع ہوئے تھے اور حقیقۃً اور شرعًا دونوں طرح سے معدوم مثل سمجھے جاتے ہیں۔

جو نکاح محارم شرعیہ یا محرمات شرعیہ کے ساتھ کرلیے گئے ہوں وہ شرعًا اِس قسم کی تزویج میں داخل ہیں جو فی نفسہ باطل ہے اور کچھ حقوق اُنسے نہیں پیدا ہوتے نہ کوئی اثر یا نتیجہ شرعی اُنسے

کتاب ۲۲ باب ۱۰۔ کتاب الانوار۔ اختلافات الائمہ۔ جامع الشتات ۱۰ شرح سلم فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۸ شیعوں کے نزدیک بھی
۱۱ مسئلہ قانون انگلستان کی طرح اہل سنت کے مذہب میں بھی زوجہ ناشزہ کو خفیف سی گوشمالی کرنا شوہر کو جائز ہے
شیعوں کے نزدیک شوہر کو اپنی زوجہ کو غصہ سے ہاتھ لگانا بھی حرام مطلق ہے۔ جامع الشتات۔ نیل المرام۔ ۱۱ مسئلہ

پیدا ہوتا ہے - ایسے نکاح کا خلاف شرع ہونا اِس بات سے بھی رفع نہیں ہوتا کہ نیک نیتی سے اور اُس عالم مین نکاح ہوا تھا جبکہ طرفین یہ نہ جانتے تھے کہ ایک دوسرے پر شرعاً حرام ہے - اگر ایسے نکاح سے کوئی اولاد ہو تو حنفیہ کے نزدیک حلالی ہوگی گو اُس عورت کو دوسرا نکاح کرنے سے پیشتر عدۂ شرعیہ کی پابندی کرنی پڑیگی -

مگر جو نکاح اِس قسم کے عیب سے جسکا ذکر کیا گیا فاسد اور باطل ہو گئے ہوں اُنکا اور یہی حکم ہے ایسے نکاحون مین تفریق سے وہ عیب شرعی جو اُنکے جواز کا مانع ہے رفع ہو جاتا ہے اور بقاء نکاح کے زمانہ مین جس اولاد کا حمل رہا ہو یا جو اولاد پیدا ہوئی ہو وہ حلالی سمجھی جاتی ہے اور زوجہ کو مہر کا حق حاصل ہو جاتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص دو وکیلون کو حکم دے کہ ایک عورت سے اُسکا نکاح کردین اور وہ دونون علحدہ علحدہ کارروائی کرکے اسکا عقد دو حقیقی بہنون کے ساتھ کردین تو جو نکاح زماناً مقدم ہو وہ جائز سمجھا جائیگا اور دوسرا نکاح باطل ہو جائیگا بغیر اسکے کہ قاضی سے فیصلہ کرانا پڑے یا شوہر سے طلاق لینے کی ضرورت ہو - اور جب یہ نہ دریافت ہو سکے کہ دو نکاحون مین کون مقدم تھا اور کون موخر تو دونون باطل ہو جائینگے[1] -

یہی اصول شرع اس عورت کے ساتھ نکاح کر لینے پر بھی صادق آتا ہے جسکا نکاح ہو چکا ہو - جب کسی لڑکی کا عقد دو مردون سے علی الاتصال کردیا جائے اور ایک مرد سے اُسکے باپ نے اُسکا عقد کر دیا ہو اور دوسرے مرد سے اور کسی ولی شرعی نے یا جب دو مرد ایک عورت سے نکاح کے مدعی ہون تو جو نکاح زماناً مقدم ہو یعنے پہلے ہوا ہو صرف وہی

---

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۷۰ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۹۲ - شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۲ - جامع الشتات جب دو بہنون کا نکاح ایک ہی معاہدہ کے ذریعہ سے ایک شخص سے ہو جائے تو دونون کا نکاح باطل ہوگا اور اگر طلاق قبل از زفاف ہو جائے تو وہ عورتین مہر کی مستحق نہ ہونگی لیکن اگر دونون کا زفاف ہوگیا ہو تو باوجود فسخ نکاح کے دونون مہر کی مستحق ہونگی - اگر ان دونون کا عقد علحدہ علحدہ ہوا ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے کسکا عقد ہوا تھا پس اگر قبل زفاف طلاق ہوگیا ہو تو دونون نصف مہر کی مستحق ہونگی لیکن اگر طلاق کے بعد زفاف ہوا ہو تو دونون اپنا پورا پورا مہر پائینگی - اور اگر ایک منکوحہ کا زفاف ہوا ہو اور دوسری کا نہو تو جسکا زفاف ہوگیا ہے اُسی کا نکاح جائز سمجھا جائیگا گو وہ دوسری ہوا ہو نہ پہلے ۱۲ حکایات دیسہ - ۱۲ مشر

جائز و مؤثر سمجھا جائیگا اور دوسرا بغیر طلاق یا حکم قاضی کے باطل ہوجائیگا۔ لیکن اگر یہ دریافت کرنا غیر ممکن ہو کہ دونوں میں سے کون نکاح پہلے ہوا تھا تو دونوں نکاح باطل سمجھے جائینگے اور اگر وہ ایک یا دو مرد جو زوجیت کے مدعی ہیں مرجائیں تو وہ دونوں عورتیں انکی میراث کی مستحق نہونگی۔ لیکن اگر پہلے نکاح میں زفاف ہوچکا ہو تو اخلاق عامہ کے تحفظ کے خیال سے وہ جائز سمجھا جائیگا[۱]۔

اگر کوئی شخص کسی عورت سے اسکے عدہ کے زمانہ میں نکاح کرلے درحالیکہ اس بات کا علم رکھتا ہو کہ یہ عورت عدہ کی حالت میں ہے تو ایسا نکاح باطل ہوگا۔ مگر بعد انقضاء عدہ وہ شخص اس عورت سے از سر نو عقد کرسکتا ہے اگر زفاف عدہ کی میعاد میں واقع ہو تو وہ عورت اس مرد پر حرام مطلق ہوجائیگی۔ مگر جو اولاد ایسے نکاح سے پیدا ہوگی وہ حلالی سمجھی جائیگی اور وہ عورت طلاق کے بعد مہر کی مستحق ہوگی[۲]۔

یہ مسئلہ شرعی مشکوک ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے بحالت لاعلمی اسکے عدہ کے نکاح کرلے تو آیا وہ عورت اسپر حرام مطلق ہوجائیگی۔ صوبہ الجیریا میں چند مقدمات کا فیصلہ ایسا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نکاح نیک نیتی سے ہوا ہو اور طرفین اس فعل کے حرام ہونے سے آگاہ نہوں تو ایسا نکاح شرعًا جائز تصور کیا جائیگا۔

شیعوں کے نزدیک ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شوہر دار عورت سے زنا کرے تو اُسکے شوہر کی وفات کے بعد اُس سے عقد نہیں کرسکتا بلکہ وہ عورت اُسپر حرام موبد یعنی ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہے۔ اگر باوجود اس حرمت شرعیہ کے حکم شرع سے لاعلمی کی وجہ سے وہ مرد اُس عورت سے نکاح کرکے وطی بھی کرلے تو غالبًا ایسا نکاح شرعًا باقی رہیگا[۳]۔

---

[۱] ہندوستان کی بعض عدالتوں نے مقدمات کا فیصلہ اس اصول کے خلاف کیا ہے ۱۲ منہ [۲] شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۲ و ۲۷۳۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۹۳۔ کنز الدقائق۔ فصول عمادیہ۔ ۱۲ منہ [۳] مفاتیح ۱۲ منہ [۴] جامع الشتات کے مسائل ملاحظہ ہوں ۱۲ منہ [۵] عدہ کے حکم کی علت یہ ہے کہ شارع اسلام کو اولاد کے حلالی قرار پانے کی فکر

حاملہ کے ساتھ نکاح کرنا ویسا ہے جیسا اُس عورت سے نکاح کرنا جو عدت مین ہو۔ ایسے
نکاح کا حرام ہونا قرآن مجید مین منصوص ہے اور الجیرس کے قاضیون نے اکثر اسکی
حرمت کو نافذ کر دیا ہے چنانچہ ۱۳ جولائی ۱۸۶۴ع کو الجیرس کے ایک قاضی نے یہ حکم لکھا کہ ایک
عورت بختہ بنت یحیی اپنے شوہر اول عبد القادر سے تین مہینہ ہوے تھے کہ طلاق لے چکی تھی اور اسکا
دوسرا نکاح ۱۴ اپریل ۱۸۶۴ع کو احمد ابن بیاض سے ہوا۔ اور ۹ جولائی ۱۸۶۴ع کو اسکا
لڑکا ہوا۔ یہ بات قاضی کو ۱۳ جولائی کو معلوم ہوئی اُسنے اُس عورت کے شوہر ثانی احمد اور
اُسکے باپ یحیی کو اپنے پاس بلا کر تحقیق کیا اور معلوم ہوا کہ یہ واقعات صحیح ہین۔ پس قاضی نے
احمد اور بختہ کے نکاح کو باطل قرار دیا اور ایک کو دوسرے پر حرام کر دیا۔

حنفیہ کے نزدیک حاملہ سے نکاح کرنا حرام مطلق نہین ہے تاوقتیکہ یہ نہ معلوم ہو
کہ اسکو کسکا حمل ہے۔

جب کوئی شخص ایک عورت کو طلاق دیکر اُسکے ساتھ دوبارہ نکاح کرے اور اس
اثنا مین وہ عورت دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرکے اُس سے طلاق نہ لے چکی ہو
تو ایسا دوبارہ نکاح کرنا حرام ہے۔ اس حکم کا سبب یہ ہوا کہ مشرکین عرب مین یہ دستور تھا کہ
عورتون کو متواتر طلاق دیدیکر اُسنے دوبارہ نکاح کر لیتے تھے جس سے اخلاق عامہ مین فتور
واقع ہوتا تھا۔ لہذا اس حکم کے خلاف کرنا باعث بطلان نکاح کا ہوتا ہے۔

تھی اور نکاح جائز یا نکاح مشکوک سے جو اولاد پیدا ہو اسکو حرامی بنا دینے سے نفرت کلی تھی۔ جو عورت اپنے
شوہر سے جدا ہو گئی ہو یا بیوہ ہو اسکو ایک مدت معینہ تک دوسرا عقد کرنا شرعًا حرام ہے تاوقتیکہ یہ
یقین نہو جاوے کہ وہ عورت حاملہ ہے یا نہین۔ بیوہ کا عدہ چار مہینے دس دن اور مطلقہ کا عدہ تین
تین ہی مہینے ہین۔ اس مخالفت سے اولاد کے نسب مین فتور نہین پڑ سکتا۔ سلہ چونکہ بلاد اسلامیہ
مین حافظ شریعت اور مصلح اخلاق حاکم ہوتا ہے خصوصًا اسکو ہر فعل خلاف شرع کو منسوخ کر دینے اور اسکی
سزا دینے کا اختیار ہے بغیر اسکے کہ اسکا اجلاس مین باضابطہ نالش دائر کیا گیا ہو [illegible]

حاملہ کے ساتھ نکاح کرنا ویسا ہے جیسا اُس عورت سے نکاح کرنا جو عدہ میں ہو۔ ایسے نکاح کا حرام ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے اور الجیرس کے قاضیوں نے اکثر اسکی حرمت کو نافذ کردیا ہے چنانچہ ۱۳ جولائی سنہ ۱۸۶۴ع کو الجیرس کے ایک قاضی نے یہ حکم لکھا کہ ایک عورت بختہ بنت یحییٰ اپنے شوہر اول عبد القادر سے تین مہینہ ہوے تھے کہ طلاق لے چکی تھی اور اسکا دوسرا نکاح ۱۴ اپریل سنہ ۱۸۶۴ع کو احمد ابن بیاض سے ہوا۔ اور ۹ جولائی سنہ ۱۸۶۴ع کو اسکا لڑکا ہوا۔ یہ بات قاضی کو ۱۳ جولائی کو معلوم ہوئی اُسنے اس عورت کے شوہر ثانی احمد اور اُسکے باپ یحییٰ کو اپنے پاس بلاکر تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعات صحیح ہیں۔ اسپر قاضی نے احمد اور بختہ کے نکاح کو باطل قرار دیا اور ایک کو دوسرے پر حرام کردیا۔

حنفیہ کے نزدیک حاملہ سے نکاح کرنا حرام مطلق نہیں ہے تاوقتیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ اسکو کسکا حمل ہے۔

جب کوئی شخص ایک عورت کو طلاق دیکر اُسکے ساتھ دوبارہ نکاح کرے اور اس اثنا میں وہ عورت دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرکے اُس سے طلاق نہ لے چکی ہو تو ایسا دوبارہ نکاح کرنا حرام ہے۔ اس حکم کا سبب یہ ہوا کہ مشرکین عرب میں یہ دستور تھا کہ عورتوں کو متواتر طلاق دیدیکر اُنسے دوبارہ نکاح کرلیتے تھے جس سے اخلاق عامہ میں فتور واقع ہوتا تھا۔ لہذا اس حکم کے خلاف کرنا باعث بطلان نکاح کا ہوتا ہے۔[۱]

تھی اور نکاح جائز یا نکاح مشکوک سے جو اولاد پیدا ہو اُسکو حرامی بنا دینے سے نفرت کلی تھی۔ جو عورت اپنے شوہر سے جدا ہو گئی ہو یا بیوہ ہو اُسکو ایک مدت معینہ تک دوسرا عقد کرنا شرعاً حرام ہے [illegible] یقین ہو جاسکے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں۔ بیوہ کا عدہ چار مہینے دس دن اور مطلقہ کا [illegible] تین ہی مہینے ہیں۔ اس ممانعت سے اولاد کے نسب میں فتور نہیں پڑ سکتا۔ [۱] چونکہ بلاد اسلامیہ میں قاضی محافظ شریعت اور مصلح اخلاق عامہ ہوتا ہے [illegible] شکوہ [illegible] کو منسوخ کر دینے اور اُسکی سزا دینے کا اختیار ہے [illegible] ایسی عورت [illegible] نافذ [illegible] قبل [illegible]

ہو جائیگا۔ مگر شیعون کے مذہب مین ایسا نکاح شرعًا بالکل غیر موثر اور باطل ہے۔[۱]

شیعہ اور سُنی دونون کے نزدیک وہ نکاح باطل ہے جو نشہ کے عالم مین ہوا ہو الّا اینکہ نشہ اُترجانے کے بعد اُسکی تصدیق کیجائے یا بحال رکھا جائے۔[۲]

جو نکاح کسی شخص نے عالم جانکنی مین یا کسی مرض مہلک کے عالم مین کرلیا ہو وہ بھی جائز ہے لیکن اگر بیماری ایسی ہو کہ مریض اُس سے شفا پاکر زفاف کرے تو اُس نکاح کا عدم جواز رفع ہوجائیگا[۳] جب نکاح کی رضامندی جبرًا یا فریب لیگئی ہو تو ایسا نکاح ناجائز ہے الّا اینکہ جبر موقوف ہونے کے بعد یا قید سے رہا ہونے کے بعد اُسکی تصدیق کیجائے یا یہ کہ جس فریق نے رضامندی ظاہر کی ہے فریب رفع ہونے کے بعد وہ اسکی تصدیق کرے[۴]

اگر کوئی شخص جسنے ایجاب یا قبول کیا ہو بعد از آن بیہوش یا بدحواس ہوجائے اگر تھوڑی ہی

---

[۱] جامع الشتات۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ۔ [۲] منہ [۳] مفاتیح۔ مگر شرایع الاسلام مین اس مسئلہ مین مرد اور عورت مین فرق لکھا ہے یعنی اگر مرد نشہ کے عالم مین نکاح کرلے تو نکاح جائز ہوگا گو ہوش مین آنے کے بعد اُسکی تصدیق کرے۔ لیکن اگر عورت نشہ کے عالم مین نکاح کرلے اور جب ہوش مین آجائے تو اُسکی تصدیق کرے تو وہ نکاح جائز ہوگا۔ مفاتیح مین جو قول علامہ حلی کا لکھا ہے وہ اصح ہے اور اُسکی تائید مین چند مسائل جامع الشتات مین لکھے ہین۔ [۴] منہ [۵] شرایع الاسلام صفحہ ۳۰۵ مین لکھا ہے کہ "جو نکاح مریض نے کرلیا ہو اُسکا جواز زفاف پر موقوف ہے۔ پس اگر وہ مریض اُس بیماری سے مرجائے اور زفاف نہوا ہو تو نکاح باطل ہے اور وہ عورت مہر اور میراث کی مستحق نہین ہے" جامع الشتات مین لکھا ہے کہ "اگر کوئی مریض نکاح کرلے اور زفاف کرنے کے بعد انتقال کرے یا اُس بیماری سے صحت پاکر اور کسی مرض سے مرجائے تو وہ نکاح جائز ہے اور زوجہ مہر اور میراث کی مستحق ہوگی" لیکن اگر کوئی صحیح و سالم عورت کسی شخص سے نکاح کرے اور بعد زفاف مرجائے تو اکثر علما کا قول یہ ہے کہ اُسکا شوہر اُسکی میراث کا مستحق ہوگا گو یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ مگر جب کوئی عورت جانکنی کے عالم مین یا مرض مہلک کی حالت مین کسی صحیح و سالم مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد بغیر زفاف مرجائے تو وہ نکاح جائز سمجھا جائیگا اور وہ عورت اپنے شوہر متوفی سے مہر اور میراث پانے کی مستحق ہوگی۔ اگرچہ ان مسائل مین صرف کتب شیعہ کا حوالہ دیا گیا ہے مگر یہ عرض کرنا کیا ضرور ہے کہ ایسے سُنی اور شیعہ مین بہت کم اختلاف ہے [۲] منہ [۴] بعض اسناد فتاوائے عالمگیری مین ایسے لکھے ہین جنسے بادی النظر مین معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت جبرًا اور بلا رضا و رغبت خود

مدت سمجھی) تو اُسکا ایجاب اگر قبول کیا گیا ہو تو ناجائز ہوگا -

شرع محمدی میں باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کا عقد جبراً کردے جیسا اوپر بیان کیا گیا - جو عقد باپ نے یا اُسکی عدم موجودگی میں دادا نے جو اُسکا قائم مقام ہے کر دیا ہو وہ بادی النظر میں اولاد کے فائدہ کے لیے سمجھا جاتا ہے - پس جس نابالغ کا نکاح اُسکے باپ یا دادا نے کر دیا ہو وہ اکثر فرقوں کے نزدیک بعد بلوغ اُس نکاح کو بحال رکھنے یا منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے الّا اینکہ اُسکا نکاح کسی غیر کفو سے کر دیا گیا ہو یا مہر قریب کرکے محض نامناسب رکھا گیا ہو یا منا کحین میں سے کوئی ایسے مرض میں مبتلا ہو جو لا علاج ہو بسبب اُس قید کے جس سے باپ کا اختیار نکاح محدود و مقید کر دیا گیا ہے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جو نکاح باپ نے یا اُس شخص نے جو باپ کا قائم مقام ہو کر دیا ہو اُسکو چاہیے کہ نابالغ کے حق میں مضر نہو - پس اگر باپ نے اپنی دختر نابالغ کا نکاح خنثیٰ یا غلام یا مبروص یا اُس شخص کے ساتھ کر دیا ہو جو داء الفیل یا ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ مباشرت کرنے کے قابل نہو تو ایسا نکاح ناجائز ہے اور نابالغ کے اُس ولی کی تحریک سے جو باپ کے بعد مستحق ولایت یعنی اُسکی ماں کی تحریک سے فسخ ہو جائیگا - اگر نابالغ کا باپ اُسکا نکاح ایسے شخص سے کر دے جو اُس سے بہت پست مرتبہ یا کم ظرف ہو تو ایسا نکاح بھی نابالغ کے ولی کی استدعا سے فسخ ہو سکتا ہے -

---

ایسے مرد سے نکاح کرلے جو اسکا کفو یعنی ہمچشم ہو اور مہر مناسب قبول کرلے تو جبر موقوف ہونے کے بعد اُس عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے - مگر تمام علما کے اقوال کو جانچنے اور اس مسئلہ کے شرائط کو بغور ملاحظہ کرنے سے (یہ مسئلہ بادی النظر میں نہایت تعجب انگیز اور اُن احکام شرع کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو موافق عقل سلیم ہیں) کچھ شک اسمیں نہیں باقی رہتا کہ جو اصول حنفیہ میں لکھے گئے ہیں وہ صحیح ہیں شیعوں کے احکام اس باب میں ایسے صاف اور واضح ہیں کہ انمیں کچھ شک و شبہ نہیں ہو سکتا - ۱۲ منہ [۱] شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳ - ۲۶۴ - جامع الشتات - ارشاد علامہ - ۱۲ منہ [۲] مالکیہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے ۱۲ منہ [۳] فتاوی عالمگیری صفحہ ۲۴۲ فصول عمادیہ - شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳ - ۲۶۴ - جامع الشتات ۱۲ منہ [۴] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۱۰ - ۱۱۳ - ۱۲ منہ

الکفاءت یعنی ناکح و منکوحہ کا
ہمچشم یا ہم درجہ ہونا

شارع اسلام نے بے میل اور بے تکی شادیوں کو بہت ناپسند فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ عورتوں کا نکاح غیر کفو[1] سے نہ کرنا چاہیئے۔ لہذا حنفیہ کے نزدیک متناکحین کا ہم کفو ہونا ایک شرط ضروری نکاح کی ہے اور جو نکاح غیر کفو سے ہو گیا ہو وہ قاضی کے حکم سے منسوخ ہو سکتا ہے۔ حنفیہ کے اقوال مرد و عورت کے ہم کفو ہونے کے باب میں عرب کی تمثیلات پر مبنی ہیں مثلاً یہ فتوے دیا گیا ہے کہ شوہر زوجہ کا ہمدرجہ نسب اور عزت میں ہو اور غلام نہو اور مسلمان ہو اور اتنی مقدرت رکھتا ہو کہ زوجہ کا مہر ادا کر سکے اور اسکو نان و نفقہ دے سکے[2] اور نیک اور با خدا ہو اور پیشہ یا تجارت کے لحاظ سے زوجہ کا ہم پایہ ہو[3] مگر عورت کے باب میں ان شرائط کی تکمیل ضرور نہیں ہے یعنی عورت کا مرد کے ہم کفو ہونا کچھ ضرور نہیں ہے اسواسطے کہ شوہر زوجہ کو اپنا ہم مرتبہ کر سکتا ہے گو وہ کیسا ہی عالی درجہ ہو۔

مالکیہ اور شیعہ[4] نے شرائط کفاءت کے باب میں حنفیہ سے اختلاف عظیم کیا ہے۔ ان فرقوں کے نزدیک تزویج کا جواز صرف دو شرطوں پر موقوف ہے ایک یہ کہ شوہر مسلمان ہو دوسرے یہ کہ زوجہ کے تکفل کا مقدور رکھتا ہو۔ پس انکے نزدیک جو مسلمان زوجہ کو نان و

---

[1] حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خبردار عورت کا نکاح سوائے اسکے اولیاء شرعی کے کوئی نہ کرے اور اسکا نکاح نہ کیا جانے مگر اسکے ہم مرتبہ مرد سے۔ ہدایہ میں اسکی علت یہ لکھی ہے کہ ہمبستری اور صحبت اور دوستی نہیں ہو سکتی مگر ان اشخاص میں جو باہم مساوی درجہ کے ہوں اسواسطے کہ عالی خاندان عورت کم ذات مرد کی صحبت اور ہمبستری سے نفرت کرے گی۔ پس شوہر کے کفو ہونے کا لحاظ رکھنا ضرور ہے یعنی شوہر کو چاہیئے کہ زوجہ کا کفو ہو۔ ہدایہ ۱۱۰-۱۲ منہ [2] مرد فاسق زن صالحہ کا کفو نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کسی شخص کو نیک اور با خدا سمجھکر اسکے ساتھ کر دے مگر بعد ازاں معلوم ہو کہ یہ شخص شرابخوار ہے اور وہ لڑکی بعد بلوغ اس نکاح سے ناخوشی ظاہر کرے تو اس صورت میں اگر اسکا باپ اس شخص کے شارب الخمر ہونے سے ناواقف تھا تو وہ نکاح منسوخ کر سکتا ہے۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۱۴-۱۲ منہ [3] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۹۹-۱۲ منہ [4] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۹۹۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۸۔ جامع الشتات

نفقہ دینے پر قادر ہو وہ ہر مسلمہ سے نکاح کر سکتا ہے بالحاظ نسب یا درجہ کے - کیونکہ انکا یہ سوال[1] بیجا ہے کہ کیا سب مسلمان برابر نہین ہین -

اگر کسی عورت کا نکاح اُسکا ولی ایسے شخص سے کردے جو شرافتِ خاندان کے اعتبار سے اُسکا کفو نہو تو وہ عورت اُس نکاح کو منسوخ کرنے کی مستحق ہے لیکن اگر خود اُس عورت نے ایسا نکاح کر لیا ہو تو اُسکو اُسکی پابندی واجب[2] ہے -

متقدمین علماے فریقین سے زوجہ کے نان ونفقہ کے مسئلہ مین بہت بحث کی ہے اکثر علما کا قول[3] ہے کہ اگر شوہر زوجہ کو ایک مہینہ کا نان ونفقہ علاوہ مہر کے دینے پر قادر ہو تو ایسا مقدور شرعاً کافی ہے -

یہ عرض کرنا ضرور[4] نہین ہے کہ ایسے مقدمات ہندوستان مین کم ہوتے ہین جنمین شوہر و زوجہ کے ہم کفو ہونے پر بحث ہو جو حنفیہ کے نزدیک ایک شرط نکاح ہے -

سابق مین بیان کیا گیا کہ شیعہ اور حنفیہ نے بہت بڑی آزادی اُن عورتون کو بخشی ہے جو خود اپنا نکاح کر سکتی ہون - مگر[5] حنفیہ کے نزدیک یہ آزادی اُس اختیار سے مقید ہو گئی ہے جو ولی کو دیا گیا ہے کہ اگر غیر کفو سے نکاح ہوا ہو تو اُسکو منسوخ کر سکتا ہے یا اُسپر اعتراض کر سکتا ہے

سلہ حنفیہ کے نزدیک مرد عرب جو قبیلہ قریش سے نہو زن قریشیہ کا کفو نہین ہے - اور مرد غیر عرب زن عربیہ کا کفو نہین ہے - اور غلام زن حرّہ کا کفو نہین ہے --- اس قسم کے سب نکاح عقلاً بے موقع اور بے میل ہین - اس مسئلہ مین جو حنفیہ اور شیعہ مین اختلاف عظیم ہے وہ شرایع الاسلام سے ظاہر ہے جسمین لکھا ہے کہ آزاد عورت کو غلام سے اور زن عربیہ کو مرد عجم سے اور زن ہاشمیہ کو مرد غیر ہاشمی سے نکاح کرنا اور اسکے بالعکس جائز ہے - شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۸ - اور مفاتیح بھی ملاحظہ ہو ۱۲ منہ سلہ انھین کتابون مین یہ بھی لکھا ہے کہ عورت کو مرد فاسق کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے اور مرد شرابخوار سے نکاح مکروہ بکراہت شدیدہ ہے ۱۲ منہ سلہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۱۸ - ۱۲ منہ سلہ جیسا کہ فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ ”اسلام اور رقیت کے سوائے اور اعتبار اسے شوہر و زوجہ کے ہم کفو ہونے کا لحاظ عرب کے سوائے اور کسی ملک مین نہین کیا جاتا“ ۱۲ منہ سلہ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۱ و ۴۰۲ و ۴۰۶ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۲۴ - ۱۲ منہ سلہ یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ جو شخص علم کی دولت رکھتا ہو وہ سب سے زیادہ عالی خاندان عورت کا کفو شرعاً ہے - ۱۲ منہ

شیعون کے نزدیک یہ اختیار تنسیخ نکاح کالعدم ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنکے نزدیک شروط کفاءت صرف مرد کے مسلمان ہونے اور زوجہ کے تکفل کا مقدور رکھنے پر محدود و منحصر ہین - اگر کوئی شیعہ عورت جو نابالغ ہو کسی غیر مسلم سے نکاح کرے تو غالبًا اُس عورت کے اقربا کو ممانعت کرنے کا حق ویسا ہی حاصل ہے جیسا اہل سنت کے نزدیک حاصل ہے - مگر اہل سنت کے نزدیک یہ ممانعت کرنے کا حق زیادہ تر اہم ہے - جو قاعدہ ولیون کی ہدایت کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے جبکہ وہ نابالغون کا نکاح کرین اُسمین اصول و فروع مین بآسانی امتیاز ہو سکتا ہے - اولیا کو حکم ہے کہ طرفین کی عمرون کا لحاظ کرین یعنی بہت کم سن لڑکی کا نکاح مرد مُعَمّر کے ساتھ نہ کردین اور نہ اسکے بالعکس کرین اور نہ عالی خاندان لڑکی کا عقد اُس شخص سے کرین جو اس سے پست مرتبہ یا کم درجہ ہو بشرطیکہ اس مرد مین کوئی اور صفت ایسی نہو جس سے اُسکا نکاح اُس عورت کے ساتھ جائز ہو گیا ہو - اور نابالغ لڑکیون کا نکاح بالکل غیر کافی مہر پر نہ کرین -

جب بالغہ و رشیدہ نے کسی مرد غیر کفو سے عقد کر لیا ہو تو عدم کفاءت کے مسئلہ مین بڑی دقت پڑتی ہے - فتاوائے عالمگیری اور فتاوائے قاضی خان اور اور بعض کتب معتبرہ مین جو مختلف فتوے لکھے ہین اُنکو بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے ماورا دیگر بلاد اسلام مین بھی مرد اور عورت مین باعتبار درجہ عقل و شعور یا علم و فضل یا شرافت خاندان یا مقدرت اگر اختلاف ہو تو وہ ایک سبب معقول اِسکا ہوگا کہ ولی اُس عورت کے نکاح پر اعتراض کرے جو خود مختار اپنا نکاح کر سکتی ہو - مثلًا کوئی عورت اپنے خاندان کے ایک نوکر کے ساتھ پوشیدہ نکاح کر لے تو ولی کی استدعا سے قاضی اُس نکاح کو منسوخ کر دیگا اور اختلاف مذہب کی وجہ سے بھی نکاح پر اعتراض ہو سکتا ہے - مگر جب عورت کسی غیر کفو مرد سے نکاح کر لے تو وہ نکاح مع اپنے تمام نتائج کے بحال خود باقی رہیگا تا وقتیکہ اسکو قاضی فسخ کرے[1]

[1] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۱۴۰ و ۱۴۹ و ۲۴۴ - هذا التفريق لا يتم الا بقضاء القاضی و قبل القضاء النکاح قائم بجميع احکامه من الطلاق والتوارث ۱۲ - منه

شیعون کے نزدیک یہ اختیار تنسیخ نکاح کالعدم ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنکے نزدیک شروط کفات صرف مرد کے مسلمان ہونے اور زوجہ کے تکفل کا مقدور رکھنے پر محدود و منحصر ہین - اگر کوئی شیعہ عورت جو نابالغ ہو کسی غیر مسلم سے نکاح کرے تو غالبًا اُس عورت کے اقربا کو ممانعت کرنے کا حق ویسا ہی حاصل ہے جیسا اہل سنت کے نزدیک حاصل ہے - مگر اہل سنت کے نزدیک یہ ممانعت کرنے کا حق زیادہ تر اہم ہے - جو قاعدہ ولیون کی ہدایت کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے جبکہ وہ نابالغون کا نکاح کرین اُسمین اصول و فروع مین بآسانی امتیاز ہو سکتا ہے - اولیا کو حکم ہے کہ طرفین کی عمرون کا لحاظ کرین یعنی بہت کم سن لڑکی کا نکاح مرد معمر کے ساتھ نہ کردین اور نہ اسکے بالعکس کرین اور نہ عالی خاندان لڑکی کا عقد اُس شخص سے کرین جو اس سے پست مرتبہ یا کم درجہ ہو بشرطیکہ اس مرد مین کوئی اور صفت ایسی نہو جس سے اُسکا نکاح اُس عورت کے ساتھ جائز ہو گیا ہو - اور نابالغ لڑکیون کا نکاح بالکل غیر کافی مہر پر نہ کرین - جب بالغہ و رشیدہ نے کسی مرد غیر کفو سے عقد کر لیا ہو تو عدم کفات کے مسئلہ مین بڑی دقت پڑتی ہے - فتاوائے عالمگیری اور فتاوائے قاضی خان اور اور بعض کتب معتبرہ مین جو مختلف فتوے لکھے ہین اُنکو بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے ماورا دیگر بلاد اسلام مین بھی مرد اور عورت مین باعتبار درجہ عقل و شعور یا علم و فضل یا شرافت خاندان یا مقدرت اگر اختلاف ہو تو وہ ایک سبب معقول اسکا ہوگا کہ ولی اُس عورت کے نکاح پر اعتراض کرے جو خود مختارًا اپنا نکاح کر سکتی ہو - مثلًا کوئی عورت اپنے خاندان کے ایک نوکر کے ساتھ پوشیدہ نکاح کر لے تو ولی کی استدعا سے قاضی اُس نکاح کو منسوخ کر دیگا اور اختلاف مذہب کی وجہ سے بھی نکاح پر اعتراض ہو سکتا ہے - مگر جب عورت کسی غیر کفو مرد سے نکاح کر لے تو وہ نکاح مع اپنے تمام نتائج کے بحال و باقی رہیگا تاوقتیکہ اسکو قاضی[1] منسوخ کرے

---

[1] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۹ و ۴۶۴ - هذا التفريق لا يتم الا بقضاء القاضي وقبل القضاء النكاح قائم بجميع احكامه من الطلاق والتوارث ۱۲ - منہ

خیار البلوغ یعنی وہ اختیار جو بلوغ سے حاصل ہوتا ہے

جواز اُس نکاح کا جو باپ اور دادا کے سوا نابالغ کے اور کسی ولی شرعی نے کر دیا ہو ثابت نہین ہوتا تاوقتیکہ طرفین بعد بلوغ اُسکی تصدیق نہ کر دین اور مرد کو تصدیق صریحی کرنی پڑیگی مگر عورت کو اختیار ہے کہ تصدیق صریحی کرے یا ضمنی[1] - بعد بلوغ طرفین کو اختیار ہے کہ جو نکاح اُنکی نابالغی کے زمانہ مین ہوا تھا اُسکو قائم رکھین یا منسوخ کر دین -

سُنیون کے مذہب مین یہ ہے کہ طرفین جب حق خیار البلوغ کو عمل مین لا کر نکاح فسخ کرنا چاہین تو قاضی کا حکم لے لینا ضرور ہے اور جبتک قاضی کا حکم نہ ہو جائے اُسوقت تک نکاح بحال خود باقی رہیگا - پس اگر قاضی کا حکم حاصل کرنے کے پیشتر شوہر یا زوجہ مر جائے تو جو زندہ رہگیا ہے وہ متوفی کی میراث پائیگا[2] -

اِس مسئلہ مین سنی اور شیعہ مین اختلاف عظیم ہے - شیعون کا قول یہ ہے کہ جو نکاح نابالغ کی طرف سے باپ یا دادا کے سوا کسی شخص غیر مجاز نے کر دیا ہو یعنی عقد فضولی اُسوقت تک بالکل معطل رہتا ہے جبتک کہ طرفین بعد بلوغ اُسسے اپنی رضامندی ظاہر کرین یعنی ایسے عقد پر کوئی نتیجہ شرعی نہین مترتب ہوتا تاوقتیکہ اُسکی تصدیق نہ کر دیجائے اور اگر شوہر یا زوجہ ایسے نکاح کو تصدیق کرنے سے پیشتر مر جائے تو نکاح فسخ ہو جائیگا اور جو اُنمین سے زندہ رہگیا ہے وہ متوفی کی میراث نہ پائیگا[3] -

یہ بھی اِس مقام پر عرض کیا جاتا ہے کہ شیعون کے مذہب مین سوا باپ اور دادا کے جو کوئی شخص نابالغ کا نکاح کر دے وہ فضولی سمجھا جائیگا - اور جو نکاح کسی فضولی نے کر دیا ہو وہ باپ یا دادا کی رضامندی سے جائز ہو سکتا ہے اگر وہ حاضر ہون اور اذن نکاح شرعاً دے سکتے ہون یا یہ کہ نابالغ بعد بلوغ خود اُسکی تصدیق کر دے[4] -

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۰۳ - ہدایہ مین لکھا ہے کہ باکرہ کی رضائے ضمنی سے اسکا خیار البلوغ زائل ہو جاتا ہے مگر مرد کا خیار البلوغ نہین زائل ہوتا تاوقتیکہ وہ قول یا فعل سے رضامندی ظاہر کرے - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۰۵ - ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۰۲ - ۱۲ منہ [3] مفاتیح - جامع الشتات ۱۲ منہ [4] جامع الشتات ۱۲ منہ -

اسباب تنسیخ نکاح

جب متناکحین مین سے کوئی ایسے مرض مین مبتلا ہو جو مانع زفاف ہو مگر دوسرے فریق کو یہ بات نہ معلوم ہو تو یہ فریق تنسیخ نکاح کا دعوے کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سُنّی اور شیعہ مین اختیار تنسیخ نکاح بوجوہ مذکورہ بالا مین بڑا اختلاف ہے اور اسمین بھی اختلاف ہے کہ تنسیخ نکاح کے لیے کیا کارروائی کرنی چاہیئے۔ تنسیخ نکاح کی کارروائی کا ذکر تو باب آیندہ مین کیا جائیگا۔ اِس مقام پر صرف اسباب تنسیخ نکاح جو سنی اور شیعہ کے متفق علیہ ہین بیان کیے جاتے ہین۔

فریقین کا اتفاق ہے کہ اگر نکاح کے وقت منکوحہ نہ جانتی ہو کہ ناکح عنین محض ہے اور علاج پذیر نہین ہے تو اُسکے لاعلاج نامردی کو دلیل گردانکر زوجہ طلاق[1] طلب کرسکتی ہے یہ اصول اُن اشخاص پر جو ضعف بدنی کی وجہ سے نامرد ہوگئے ہون اور اُن اشخاص پر جو عضو تناسل کو خود قطع کرڈالنے یا اُسکے قطع ہو جانے کی وجہ سے نامرد ہوگئے ہون برابر صادق آتا ہے۔ لیکن پہلی صورت مین اگر نامردی صرف عارضی اور علاج پذیر ہو تو وہ سبب کافی تنسیخ نکاح کا نہین ہے۔

اہل سنت[2] کے نزدیک اگر شوہر زوجہ سے وطی کرنے پر قادر نہو گو اور عورت پر قادر ہو تو بھی زوجہ طلاق کی مستحق ہے۔ مگر شیعون کے نزدیک اگر شوہر صرف زوجہ ہی کے زفاف پر قادر نہو اور عورت پر قادر ہو تو زوجہ طلاق نہین مانگ سکتی[3]۔

فریقین کے نزدیک زوجہ اُس صورت مین طلاق[4] کی مستحق نہین ہے جب شوہر بعد زفاف نامرد ہوگیا ہو اور اُس صورت مین بھی مستحق طلاق نہین ہے جب اُسکو نامرد جانکر اُسکے ساتھ عقد کرلیا ہو[5]

---

[1] یہ دونون فرقون کی شرع مین یہی ہے اور قانون انگلستان کے بموجب بھی یہی ہے کہ اگر نکاح کے وقت شوہر نامرد ہو تو زوجہ طلاق ملنگنے کی مستحق ہے ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۰۷-۱۲ منہ [3] شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۸-۱۲ منہ [4] فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۰۹ و فصول علادیہ و فتاوے قاضیخان صفحہ ۲۹۸ شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۸ جامع الشتات [illegible]

اسباب تنسیخ نکاح

جب متناکحین مین سے کوئی ایسے مرض مین مبتلا ہو جو مانع زفاف ہو مگر دوسرے فریق کو یہ بات نہ معلوم ہو تو یہ فریق تنسیخ نکاح کا دعوے کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سُنّی اور شیعہ مین اختیار تنسیخ نکاح بوجوہ مذکورہ بالا مین بڑا اختلاف ہے اور اسمین بھی اختلاف ہے کہ تنسیخ نکاح کے لیے کیا کارروائی کرنی چاہئیے۔ تنسیخ نکاح کی کارروائی کا ذکر تو باب آئندہ مین کیا جائیگا۔ اِس مقام پر صرف اسباب تنسیخ نکاح جو سنی اور شیعہ کے متفق علیہ ہین بیان کیے جاتے ہین۔

فریقین کا اتفاق ہے کہ اگر نکاح کے وقت منکوحہ نہ جانتی ہو کہ ناکح عنین محض ہے اور علاج پذیر نہین ہے تو اُسکے لاعلاج نامردی کو دلیل گردانکر زوجہ طلاق طلب کرسکتی ہے[1] یہ اصول اُن اشخاص پر جو ضعف بدنی کی وجہ سے نامرد ہوگئے ہون اور اُن اشخاص پر جو عضو تناسل کو خود قطع کرڈالنے یا اُسکے قطع ہوجانے کی وجہ سے نامرد ہوگئے ہون برابر صادق آتا ہے۔ لیکن پہلی صورت مین اگر نامردی صرف عارضی اور علاج پذیر ہو تو وہ سبب کافی تنسیخ نکاح نہین ہے۔

اہل سنت[2] کے نزدیک اگر شوہر زوجہ سے وطی کرنے پر قادر نہو گو اور عورت پر قادر ہو تو بھی زوجہ طلاق کی مستحق ہے۔ مگر شیعون کے نزدیک اگر شوہر صرف زوجہ ہی کے زفاف پر قادر نہو اور عورت پر قادر ہو تو زوجہ طلاق نہین مانگ سکتی[3]۔

فریقین کے نزدیک زوجہ اُس صورت مین طلاق کی مستحق نہین ہے جب شوہر بعد زفاف نامرد ہوگیا ہو اور اُس صورت مین بھی مستحق طلاق نہین ہے جب اُسکو نامرد جانکر اُسکے ساتھ عقد کرلیا ہو[4]

[1] یہ دونو مقصارت دونون کی شرع مین یہی ہے اور قانون انگلستان کے بموجب بھی یہی ہے کہ اگر نکاح کے وقت شوہر نامرد ہو تو زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہے ۱۲ منہ [2] فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۰۷ ۔ ۱۲ منہ [3] شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۸ ۔ ۱۲ منہ [4] فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۰۹ فصول علاوہ فتاوے قاضیخان صفحہ ۲۹۰ شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۸ جامع الشتات

حتی الامکان بہت جلد عمل مین لایا جاوے۔ اسواسطے کہ اگر اس حق کو عمل مین لانے مین
تاخیر بیجا ہوگی تو یہی گمان ہوگا کہ طرفین نے اُس حالت کو قبول کرلیا ہے یا حق تنسیخ سے دست بردار
ہوگئے ہین۔

اگر متناکحین مین سے ایک کو دوسرے نے تدلیس یا غلط بیانی کرکے نکاح پر آمادہ
کرلیا ہو تو شوہر یا زوجہ کو تنسیخ نکاح کا اختیار ہے اور شیعون کے نزدیک جب شوہر یا زوجہ
اُس تدلیس سے واقف ہوجاوے تو خود اُس نکاح کو بلا تکلف منسوخ کرسکتی ہے۔ مثلاً
اگر کوئی شخص اپنے تئین حلالی بیان کرے اور بعد اُسکے حرامی ثابت ہو یا اگر شوہر اپنے نسب کو
غلط بیان کرے اور اپنے تئین زوجہ کا کفو بتاوے حالانکہ اُس سے بہت پست مرتبہ ہو تو زوجہ کو
حق تنسیخ نکاح حاصل[1] ہے

اہل[2] سُنت کے نزدیک اگر عورت فریب دینے کے لیے اپنے تئین اُس سے زیادہ عالی مرتبہ
اور عالی نسب بیان کرے جتنی وہ واقع مین ہو اور اسطرح سے شوہر کو نکاح پر
راغب کرے تو جب شوہر اس فریب سے آگاہ ہوجاوے تب اُسکو تنسیخ نکاح کا
اختیار نہوگا۔ مگر شیعون[3] کے نزدیک شوہر اور زوجہ دونون کو ایسی صورت مین اختیار
تنسیخ نکاح بدرجہ مساوی حاصل ہے۔

جب کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط سے نکاح کرے کہ وہ آزاد ہے اور وہ عورت
کسی کی لونڈی نکلے یا کوئی عورت کسی مرد سے باین شرط عقد کرے کہ وہ آزاد ہے اور وہ غلام
ثابت ہو تو دونون کو یعنی ایک صورت مین زوجہ کو اور دوسری صورت مین شوہر کو حق تنسیخ نکاح حاصل[4] ہے
سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر عورت نے خود نکاح کرلیا ہو تو اُسکو اختیار تنسیخ نکاح نہین

[1] فتاوای عالمگیری صفحہ ۱۱۴ - شرایع الاسلام صفحہ ۲۸۹ - ۱۲منہ [2] فتاوای عالمگیری صفحہ ۱۱۴ - ۱۲منہ
[3] شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۰ - ۱۲منہ [4] شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۰ - جامع الشتات -
مفاتیح - ۱۲منہ

حاصل ہے کہ اُسکے ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ عدم کفات کا اعتراض اُسکے نکاح پر کرے۔

شیعون کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط سے نکاح کرے کہ وہ باکرہ ہے مگر اُسکو باکرہ نپاے تو اختیار تنسیخ نکاح نہین رکھتا ہے۔ مگر علماے اہل سنت نے اس مسئلہ مین اختلاف کیا ہے اور بعض فقہا نے شیعون سے اتفاق کیا ہے اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ اگر شوہر سے تدلیس یا فریب کیا گیا ہے تو وہ اختیار تنسیخ نکاح رکھتا ہے۔

شیعون کے نزدیک اگر باپ اپنی حلال زادی لڑکی کا عقد کسی شخص کے ساتھ کرنے کا اقرار کرے مگر اُسکے بدلے اپنی حرام زادی لڑکی کا عقد اُسکے ساتھ کردے تو شوہر اختیار تنسیخ رکھتا ہے۔ یا جب لڑکی کا باپ اُسکے شوہر کو دھوکھہ دیکر دوسری لڑکی کا نکاح اُسکے ساتھ کردے تو شوہر تنسیخ نکاح کا اور جو تحائف اُسنے زوجہ کو دیے ہون اُنکو واپس کر لینے کا مستحق ہے[1]۔

اِن سب صورتون مین جب تنسیخ نکاح بموجب اُس اختیار کے عمل مین آئے جو شوہر و زوجہ دونون کو دیا گیا ہے تو اُن دونون کی جدائی وہی اثر پیدا کرگی جو طلاق سے پیدا ہوتا ہے پس جس صورت مین زفاف صریحی یا ضمنی نہوا ہو اُس صورت مین زوجہ مہر کی مستحق نہوگی۔

مرتد ہوجانے کا اثر نکاح پر

شرع محمدی مین یہ حکم ہے کہ اگر شوہر مسلم یا زوجہ مسلمہ مرتد ہوجائے یعنی اسلام کو ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرلے تو ارتداد سبب فسخ نکاح کا ہوگا۔ مگر جو ایکٹ اُن لوگون کی شادی کے باب مین جاری ہوا ہے جو کرشان ہوجاتے ہین اُسکے بموجب شرع شریف کے اس حکم مین کچھ تغیر ہوگیا ہے۔ اِس ایکٹ کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر مرتد ہوجائے تو بھی وہ یہ استدعا کرسکتا ہے کہ اُسکی زوجہ تعلقات زوجیت اُسکے ساتھ قائم رکھے اور اگر زوجہ انکار کرے تو شوہر اُس سے طلاق لینے کی نالش کرسکتا ہے۔

اگر مرتد کی زوجہ اُسکے ارتداد کے بعد بھی اُسکے ساتھ رہنے پر راضی ہو تو حکم شرع کچھ

---

[1] جامع الشتات مین بہت سی مثالین تدلیس کی لکھکر اس مسئلہ مین خوب بحث کی ہے ۔ ۱۲ منہ ۔

کام نہ آئیگا اور اس ایکٹ کے بموجب اسکا نکاح جائز رہیگا گو اسکا قانونی اثر شریعت محمدی کے موافق نہوگا بلکہ اور اصول کے موافق ہوگا - لیکن اگر زوجہ شوہر کے مرتد ہوجانے کے بعد اسکے ساتھ رہنے سے انکار کرے تو اسکا نکاح شرع محمدی اور اس ایکٹ کے رو سے بھی منسوخ ہوجائیگا -

دین اسلام قبول کر لینے سے فسخ نکاح شرعاً نہیں لازم آتا - یعنی اگر کوئی یہودی یا نصرانی مسلمان ہوجائے اور اسکی زوجہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے تو اُن دونوں کا نکاح شرعاً جائز اور واجب العمل باقی رہیگا - لیکن اگر کوئی مشرک یا مشرکہ پرست زوجہ مشرکہ رکھتا ہو اور مسلمان ہوجائے تو ان دونوں کا نکاح فسخ ہوجائیگا اِلّا اینکہ وہ عورت بھی مسلمان ہوجائے - علیٰ ہذا القیاس جب کوئی یہودیہ یا نصرانیہ جسکی شادی اُسکے ہم مذہب سے ہوئی ہو دین اسلام اختیار کر لے تو اُسکا نکاح فسخ ہوجائیگا اِلّا اینکہ اسکا شوہر بھی اُسکی تقلید کرے -

حاشیہ - ا -

اگر کوئی شخص کسی عورت سے مرتکب زنا محصنہ یا غیر محصنہ کا ہوا تو حنفیہ اور شیعہ دونوں کے نزدیک اُس عورت کی ماں اور بیٹی اُس شخص پر حرام ہوجائیگی - مگر شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا نہوگا -

حنفیہ کے نزدیک آدمی چار لونڈیوں سے نکاح کر سکتا ہے - مگر شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک صرف ایک لونڈی سے عقد کر سکتا ہے - حنفیہ کے نزدیک غلام صرف دو نکاح کر سکتا ہے - مگر شافعیہ اور مالکیہ اور شیعہ کے نزدیک غلام چار نکاح کر سکتا ہے -

حنفیہ کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کرنے کے بعد لونڈی سے عقد کرنا جائز نہیں ہے - شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ زوجہ اذن دیدے

حاشیہ نمبر ۲

بمقدمہ بدر النساء بی بی بنام کفایت اللہ (لا رپورٹ بنگالہ جلد ۷ - صفحہ ۴۴۲) یہ تجویز ہوا تھا

کہ جب شوہر نے نکاح کے وقت زوجہ سے یہ اقرار پوشیدہ کر لیا ہو کہ اگر تمھارے حین حیات اور بغیر تمھارے اذن کے دوسرا نکاح کرونگا تو تم طلاق لے لینا تو اس صورت مین یہ ثابت ہو جانے پر کہ شوہر نے بغیر اسکے اذن کے دوسرا نکاح کر لیا ہے زوجہ طلاق کی مستوجب ہے کیونکہ ایسا اقرار شرعاً جائز ہے۔

نوان باب۔

شوہر و زوجہ کے حقوق و فرائض۔ قدیم رسوم۔

نان و نفقہ۔ شوہر کی تبعیت۔ زن و شوہر کا مسکن

جو حقوق و فرائض تزویج سے پیدا ہوتے ہین وہ شرع محمدی مین بعبارت صریح و واضح اور بتاکید اکید مقرر کر دیے گئے ہین۔ قبل شروع اسلام مشرکین عرب عورتون کو حیثیت قانونی نہ رکھتی تھین۔ بلکہ زمانہ جاہلیت مین کہ ان عرب کے رسم و رسوم کی شرح کے موافق عورتون پر سختی کیجاتی تھی۔

قرآن مجید نے عورتون کی حالت مین انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور مشرقی قانون سازی کی تاریخ مین مرد اور عورت مین مساوات کا اصول اول مرتبہ تسلیم کر لیا گیا اور عمل مین لایا گیا چنانچہ قرآن مجید مین لکھا ہے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورہ بقر آیت ۲۲۹) یعنی عورتون کو اپنے شوہرون سے ویسا ہی حسن سلوک کرنا چاہیئے جیسا انکے شوہرون کو انکے ساتھ کرنا چاہیئے۔

اس آیہ وافی ہدایہ کی تائید خود رسول اللہ صلعم نے اس خطبہ بلیغ مین فرمائی ہے جو حجۃ الوداع کے بعد آپ نے جبل العرفات پر فرمایا تھا۔ اسمین آپ فرماتے ہین کہ "ایہا الناس تمھارے حقوق تمھاری بیبیون پر ہین اور تمھاری بیبیون کے حقوق تمپر ہین"۔ پس ان احکام نبی کے موافق شرع محمدی مین شوہر اور زوجہ مین مساوات تمام تعلقات و انتظامات خانگی کا اصل اصول قرار دیا گیا ہے۔ اور طرفین کو تاکید کی گئی ہے کہ تعلق زوجیت مین ایک دوسرے

کہ جب شوہر نے نکاح کے وقت زوجہ سے یہ اقرار پوشیدہ کر لیا ہو کہ اگر تمھارے حین حیات اور بغیر تمھارے اذن کے دوسرا نکاح کرونگا تو تم طلاق لے لینا تو اس صورت مین یہ ثابت ہو جانے پر کہ شوہر نے بغیر اُسکے اذن کے دوسرا نکاح کر لیا ہے زوجہ طلاق کی مستحق ہے کیونکہ ایسا اقرار شرعاً جائز ہے۔

نوان باب۔

شوہر و زوجہ کے حقوق و فرائض۔ قدیم رسوم۔ نان و نفقہ۔ شوہر کی تبعیت۔ زن و شوہر کا مسکن

جو حقوق و فرائض تزویج سے پیدا ہوتے ہین وہ شرع محمدی مین بعبارت صریح و واضح اور بتاکید تمام مقرر کر دیے گئے ہین۔ قبل شروع اسلام مشرکین عرب عورتون کو حیثیت قانونی نہ رکھتی تھین۔ بلکہ زمانہ جاہلیت مین کہ اہل عرب کے [illegible] و رسوم کی شرح کے موافق عورتون پر سختی کیجاتی تھی۔

قرآن مجید نے عورتون کی حالت [illegible] پیدا کر دیا۔ اور مشرق [illegible] قانون سازی کی تاریخ مین مرد اور عورت مین مساوات کا اصول اول مرتبہ تسلیم کر لیا گیا اور عمل مین لایا گیا چنانچہ قرآن مجید مین لکھا ہے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورہ بقر آیت ۲۲۸) یعنی عورتون کو اپنے شوہرون سے ویسا ہی حسن سلوک کرنا چاہیے جیسا اُنکے شوہرون کو اُنکے ساتھ کرنا چاہیے۔

اس آیہ وافی ہدایہ کی تائید خود رسول اللہ صلعم نے اس خطبۂ بلیغ مین فرمائی ہے جو حجۃ الوداع کے بعد آپ نے جبل العرفات پر فرمایا تھا۔ اُسمین آپ فرماتے ہین کہ "ایہا الناس تمھارے حقوق تمھاری بیبیون پر ہین اور تمھاری بیبیون کے حقوق تمپر ہین"۔ پس ان احکام نبی کے موافق شرع محمدی مین شوہر اور زوجہ مین مساوات تمام تعلقات و انتظامات خانگی کا اصل اصول قرار دیا گیا ہے۔ اور طرفین کو تاکید کی گئی ہے کہ تعلق زوجیت مین ایک دوسرے

وجوب میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

حنفیہ[1] اور شیعہ کے نزدیک شوہر اُس زوجہ نابالغہ کی ذات کی حراست کا مستحق نہیں ہے جسکو اُسے نفقہ دینا فرض نہیں ہے۔

اگر زوجہ[2] بالغہ اور شوہر نابالغ ہو اور زفاف شوہر کے عدم بلوغ کی وجہ سے نہو سکے تو بھی زوجہ نفقہ کی مستحق ہے اِس بات سے شوہر کے نفقہ دینے کے وجوب میں کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ تندرست ہے یا بیمار اور اسیر جنگ ہے یا کسی جرم کی سزا حق یا ناحق پا رہا ہے اور مکان سے کہیں کام کو یا تفریح کے لیے چلا گیا ہے یا حج یا زیارت[3] کو گیا ہے۔ فی الواقع جبتک نکاح باقی رہے اور جبتک زوجہ شوہر کے اختیار میں رہے اُسوقت تک زوجہ اُس سے نفقہ پانے کی مستحق ہیگی اور اگر زوجہ کسی مرض میں مبتلا ہو تو بھی اُسکا نفقہ کا حق نہیں زائل[4] ہوتا۔

جب شوہر اپنے مکان سے چلا جائے اور زوجہ کے نفقہ کا کچھ انتظام نہ کر جائے تو قاضی شرعًا مجاز ہے کہ یہ حکم صادر کرے کہ زوجہ کا نفقہ[5] کسی سرمایہ یا جائداد سے دیا جائے جو اُسکا شوہر چھوڑ گیا ہو یا کسی تجارت یا کام میں لگا گیا ہو۔

شوہر کی غیبت[6] میں زوجہ قرض لیکر اپنا نفقہ مہیا کر سکتی ہے اور اگر ایسا قرضہ جائز ہو اور زوجہ نے اپنے گذارہ کے لیے نیک نیتی سے لیا ہو تو قرضخواہ اُسکے شوہر کی جائداد سے وہ قرضہ لے سکتے ہیں۔

اِسی طرح سے اگر شوہر کسی وقت خاص میں زوجہ کو نفقہ نہ دے سکے تو ہدایہ میں لکھا[7] ہے کہ دو یہ سبب طلاق کا نہوگا مگر قاضی یا حاکم وقت زوجہ کو حکم دے سکتا ہے کہ اپنے شوہر کے نام سے قرض لیکر اپنی حوائج ضروریہ کو رفع کرلے اور شوہر اُس قرضہ کا ذمہ دار رہیگا۔

---

[1] نظیر مقدمہ حمد یحییٰ بی بی اللہ یور رپورٹ بنگالہ جلد ۵ صفحہ ۱۲۵ ۱۲ منہ [2] ہدایہ ترجمہ انگریزی صفحہ ۱۴۵ ۳۹۵ فصول العمادیہ و فتاوے قاضیخان صفحہ ۴۰۰ - جامع الشتات ۱۲ منہ [3] فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۳۳ - ۱۲ منہ [4] فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۴۴ و جامع الشتات [5] فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۵۱ - ۱۲ منہ [6] نیل المرام ۱۲ منہ [7] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۳۹۷ - ۱۲ منہ -

جب شوہر غیر حاضر ہو اور جائداد غیر منقولہ زوجہ کے قبضہ مین یا اُسکی طرف سے اور شخص کے قبضہ مین چھوڑ گیا ہو تو زوجہ اُس جائداد کو اپنے گذارہ کے لیے فروخت نہین کرسکتی گو اُس جائداد پر چند روز کے لیے قرض لے سکتی ہے اور شوہر کو وہ قرضہ ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ جائداد اُسکے اور اُسکی اولاد کے نفقہ کے واسطے نیک نیتی سے رہن رکھی گئی ہو اور جتنی ضرورت واقع مین ہو اُس سے زیادہ رہن نہ رکھی گئی ہو۔ ایسی صورت مین مرتہن پر فرض ہے کہ اپنا اطمینان کرلے کہ زر رہن جو دیا گیا ہے وہ غیر حاضر شوہر کے عیال کے نفقہ مین جائز طور سے صرف کیا جاتا ہے۔

جب زوجہ اپنے شوہر کے گھر کو بغیر کسی سبب معقول کے چھوڑ دے تو وہ نفقہ کی مستحق نہ رہیگی محض نشوز یعنی نافرمانی سے زوجہ کا یہ حق نہین زائل ہو جاتا جیسا عوام الناس کو گمان ہے۔ یعنی اگر وہ شوہر کے گھر مین رہے مگر اُسکی اطاعت نہ کرے تو اُسکا حق نفقہ شرعًا نہین زائل ہو جاتا۔ البتہ اگر وہ بغیر کسی سبب معقول کے شوہر کے گھر سے اُسکے بلا اذن چلی جائے تو اُسکا حق نفقہ جاتا رہیگا مگر جب شوہر کے گھر مین پھر آئیگی تو پھر وہ حق قائم ہو جائیگا۔

یہ امر قاضی کی راے پر موقوف ہے کہ شوہر کے گھر سے چلے جانے کا سبب معقول کیا ہے عام اصول یہ ہے اور اسی اصول کو صوبہ الجیرس کے قاضیون نے اختیار کیا ہے کہ جب زوجہ اپنے شوہر کے گھر سے اسوجہ سے چلی جائے کہ شوہر اور اُسکے اقربا اُس سے ہمیشہ بدسلوکی کرتے ہون تو وہ زوجہ شرعًا ناشزہ نہ سمجھی جائیگی اور نفقہ کی مستحق رہیگی۔

جو عورات کسی جرم کے مواخذہ مین قید ہوگئی ہو یا نادہندی قرضہ کی علت مین

لہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۳۳-۱۲ منہ سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۳۳ - فصول عمادیہ جامع الشتات ۱۲ منہ سلہ فتاواے عالمگیری - جامع الشتات - کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ۱۲ منہ سلہ اگر اُسکو اُسکے شوہر نے قید کرایا ہو تو اُسکا حق نفقہ نہین زائل ہوگا - ۱۲ منہ

جب شوہر غیر حاضر ہو اور جائداد غیر منقولہ زوجہ کے قبضہ مین یا اُسکی طرف سے اور شخص کے قبضہ مین چھوڑ گیا ہو تو زوجہ اُس جائداد کو اپنے گذارہ کے لیے فروخت نہین کرسکتی گو اُس جائداد پر چند روز کے لیے قرض لے سکتی ہے اور شوہر کو وہ قرضہ ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ جائداد اُسکے اور اُسکی اولاد کے نفقہ کے واسطے نیک نیتی سے رہن رکھی گئی ہو اور جتنی ضرورت واقع مین ہو اُس سے زیادہ رہن نہ رکھی گئی ہو۔ ایسی صورت مین مرتہن پر فرض ہے کہ اپنا اطمینان کرلے کہ زر رہن جو دیا گیا ہے وہ غیر حاضر شوہر کے عیال کے نفقہ مین جائز طور سے صرف کیا جاتا ہے۔

جب زوجہ اپنے شوہر کے گھر کو بغیر کسی سبب معقول کے چھوڑدے تو وہ نفقہ کی مستحق نہ رہیگی محض نشوز یعنی نافرمانی سے زوجہ کا یہ حق نہین زائل ہوجاتا جیسا عوام الناس کو گمان ہے۔ یعنی اگر وہ شوہر کے گھر مین رہے مگر اُسکی اطاعت نہ کرے تو اُسکا حق نفقہ شرعًا نہین زائل ہوجاتا۔ البتہ اگر وہ بغیر کسی سبب معقول کے شوہر کے گھر سے اُسکے بلا اذن چلی جائے تو اُسکا حق نفقہ جاتا رہیگا مگر جب شوہر کے گھر مین پھر آئیگی تو پھر وہ حق قائم ہوجائیگا۔

یہ امر قاضی کی رائے پر موقوف ہے کہ شوہر کے گھر سے چلے جانے کا سبب معقول کیا ہے عام اصول یہ ہے اور اسی اصول کو صوبہ الجیرس کے قاضیون نے اختیار کیا ہے کہ جب زوجہ اپنے شوہر کے گھر سے اسوجہ سے چلی جائے کہ شوہر اور اُسکے اقربا اُس سے ہمیشہ بدسلوکی کرتے ہون تو وہ زوجہ شرعًا ناشزہ نہ سمجھی جائیگی اور نفقہ کی مستحق رہیگی۔

جو عورات کسی جرم کے مواخذہ مین قید ہوگئی ہو یا نادہندی قرضہ کی علت مین

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۳۳-۱۲ منہ [۲] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۳۷۔ فصول عمادیہ جامع الشتات ۱۲ منہ [۳] فتاوائے عالمگیری۔ جامع الشتات۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ ۱۲ منہ [۴] اگر اسکو اسکے شوہر نے قید کرایا ہو تو اُسکا حق نفقہ نہین زائل ہوگا۔ ۱۲ منہ

موافق زوجہ سال بھر نفقہ پانے کی مستحق ہے اور یہ میعاد قاضی مقرر کریگے یہ دریافت کریگا کہ اُسکا جنون علاج پذیر ہے یا نہین ہے۔ مالکیہ کے نزدیک زوجہ اسکی مستحق نہین ہے کہ شوہر کے مجنون ہوجانے کی وجہ سے طلاق طلب کرے اور معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ نے بھی اِس مسئلہ مین مالکیہ سے اتفاق کیا ہے۔ پس اُس فرقہ کے نزدیک زوجہ کا حق نفقہ شوہر کے جنون کے زمانہ مین قائم رہتا ہے گو وہ زمانہ کیسا ہی ممتد یا طولانی ہو مگر شیعون کے نزدیک زوجہ طلاق کی مستحق ہے اگر اُسکے شوہر کا جنون لاعلاج ہے۔ پس اگر وہ اس حق کو عمل مین لاکر طلاق لے لے تو اُسکا حق نفقہ زائل ہوجائیگا۔

شوہر کا مسکن

شرع محمدی مین یہ احکام بالتصریح موجود ہین کہ (۱) زوجہ پر اپنے شوہر کے ساتھ رہنا فرض ہے اور جہان وہ جائے وہان اُسکے ساتھ جانا بھی فرض ہے (۲) اگر زوجہ بغیر کسی سبب کافی یا وجہ وجیہ کے اِس سے انکار کرے جبکہ شوہر استرداد حقوق زوجیت یعنی زوجہ کو رخصت کرا پانے کی نالش دائر کرے۔ اُسوقت حاکم عدالت زوجہ کو حکم دے کہ شوہر کے ساتھ جاکر رہے[1]۔

زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے مثلاً ایسے وجوہ سے نہین انکار کرسکتی کہ۔

(۱) وہ اپنے مان باپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔

(۲) جس مکان مین اُسکا شوہر رہتا ہے وہ اُسکے باپ کے مکان سے دور ہے۔

(۳) وہ اپنے مولد سے دور رہنا نہین چاہتی ہے۔

(۴) آب وہوا اُس مقام کی جہان اُسکے شوہر نے سکونت اختیار کی ہے غالباً اُسکو مضر ہوگی

[1] بعض علما کا قول یہ ہے کہ زوجہ شوہر کے ساتھ جانے سے اُسوقت انکار کرسکتی ہے جبکہ وہ ایسے ملک مین جانا چاہے جو اُس ملک سے جہانکی رہنے والی زوجہ ہو برسر جنگ ہو۔ یہ معنی اس قول کے ہوسکتے ہین کہ زوجہ اپنے شوہر کے ہمراہ دارالحرب مین جانے سے انکار کرسکتی ہے۔ ۱۲ منہ

موافق زوجہ سال بھر نفقہ پانے کی مستحق ہے اور یہ میعاد قاضی مقرر کرے کہ یہ دریافت ہوگا
کہ اسکا جنون علاج پذیر ہے یا نہین ہے۔ مالکیہ کے نزدیک زوجہ اسکی مستحق نہین ہے
کہ شوہر کے مجنون ہوجانے کی وجہ سے طلاق طلب کرے اور معلوم ہوتا ہے کہ صاحب
ہدایہ نے بھی اس مسئلہ مین مالکیہ سے اتفاق کیا ہے۔ پس اُس فرقہ کے نزدیک زوجہ کا
حق نفقہ شوہر کے جنون کے زمانہ مین قائم رہتا ہے گو وہ زمانہ کیسا ہی ممتد یا طولانی ہو
مگر شیعون کے نزدیک زوجہ طلاق کی مستحق ہے اگر اُسکے شوہر کا جنون لاعلاج ہے۔ پس
اگر وہ اس حق کو عمل مین لاکر طلاق لے لے تو اُسکا حق نفقہ زائل ہوجائیگا۔

شوہر کا مسکن

شرع محمدی مین یہ احکام بالتصریح موجود ہین کہ (۱) زوجہ پر اپنے شوہر کے ساتھ
رہنا فرض ہے اور جہان وہ جائے وہان اُسکے ساتھ جانا بھی فرض ہے (۲) اگر زوجہ
بغیر کسی سبب کافی یا وجہ وجیہ کے اِس سے انکار کرے جب شوہر استرداد حقوق زوجیت یعنی
زوجہ کو رخصت کرا پانے کی نالش دائر کرے۔ اُسوقت حاکم عدالت زوجہ کو حکم دے کہ شوہر کے
ساتھ جاکر رہے[1]۔

زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے مثلاً ایسے وجوہ سے نہین انکار کرسکتی کہ۔
(۱) وہ اپنے مان باپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔
(۲) جس مکان مین اُسکا شوہر رہتا ہے وہ اُسکے باپ کے مکان سے دور ہے۔
(۳) وہ اپنے مولد سے دور رہنا نہین چاہتی ہے۔
(۴) آب وہوا اُس مقام کی جہان اُسکے شوہر نے سکونت اختیار کی ہے غالباً اُسکو مضر ہوگی (۵)

[1] بعض علما کا قول یہ ہے کہ زوجہ شوہر کے ساتھ جانے سے اُسوقت انکار کرسکتی ہے جب وہ ایسے ملک مین جانا
چاہے جو اُس ملک سے جہان کی رہنے والی زوجہ ہو برسر جنگ ہو۔ یہی معنی اس قول کے ہوسکتے ہین کہ زوجہ اپنے
شوہر کے ہمراہ دارالحرب مین جانے سے انکار کرسکتی ہے۔ ۱۲ منہ۔

درج کیجاتی ہے۔ صرف اقرار زبانی اس باب مین شرعاً کافی نہین ہے۔
لکن اگر زوجہ ایک مرتبہ بھی اس مقام سے چلی جانے پر راضی ہو جاے جہان رہنے کا اقرار
نکاح کے وقت شوہر سے لیا گیا تھا تو یہ سمجھا جائیگا کہ زوجہ اپنے اس حق سے دست بردار
ہوگئی جو بموجب اُس شرط کے اُسکو حاصل ہوا تھا جو نکاح مین کر لی گئی تھی اور اُس مقام پر
سکونت قبول کرلے جو اُسکے شوہر نے پسند کیا ہے۔ اگر نکاحنامہ مین کوئی خاص جگہ لکھدی
جائے کہ شوہر زوجہ کو اُس جگہ رکھیگا اور بعد ازان معلوم ہو کہ ایسی جگہ پر ایک معزز عورت کو
رہنا مناسب نہین ہے یا اگر زوجہ وہان رہیگی تو نقصان یا ضرر اُٹھائیگی یا یہ معلوم ہو کہ
زوجہ کے مان باپ کا چال چلن اچھا نہین ہے تو شوہر اُس جگہ سے یا ایسے مان باپ کے
گھر سے زوجہ کو زبردستی اور کہین لیجا سکتا ہے۔ اور شوہر اُس صورت مین بھی اپنی زوجہ کو
اپنے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجا سکتا ہے جب اُسکو نقل مکان بمقتضی
اپنے فرائض منصبی کے کرنا پڑے۔

ڈی منورویل صاحب فرماتے ہین کہ ہر ایک مقدمہ جسمین امر متنازع فیہ شوہر زوجہ
کی جاے سکونت ہو اپنی خاص ودادپر موقوف ہے۔ عام اصول شرع محمدی کا اس
باب مین وہی ہے جو اور قوانین کا ہے کہ زوجہ کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنا فرض ہے الا اسکے
کوئی سبب معقول اُسکے انکار کا ہو۔ اِس سبب کا کافی یا غیر کافی یا جائز یا ناجائز ہونا قاضی کی
راے پر موقوف ہے اور اُسکا تصفیہ کرنے مین قاضی طرفین کی آبرو اور حیثیت اور اُس
ملک کے رسم و رواج کا ضرور لحاظ رکھیگا جس ملک کے وہ باشندے ہون۔

اولاد کی پرورش

قبل شیوع اسلام مشرکین عرب مین اولاد کو پرورش کرنا والدین پر فرض نہ تھا نہ صلۂ رحم
بجالانا یا ایک عزیز کو دوسرے عزیز کا تکفل کرنا واجب تھا۔ بلکہ برخلاف اِسکے تواریخ
سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ جاہلیت مین جو قبل شایع ہونے دین اسلام اور شرع محمدی

درج کرلیجاتی ہے - صرف اقرار زبانی اس باب مین شرعاً کافی نہین ہے -

لیکن اگر زوجہ ایک مرتبہ بھی اس مقام سے چلی جانے پر راضی ہو جائے جہان رہنے کا اقرار نکاح کے وقت شوہر سے لیا گیا تھا تو یہ سمجھا جائیگا کہ زوجہ اپنے اس حق سے دست بردار ہو گئی جو بموجب اُس شرط کے اُسکو حاصل ہوا تھا جو نکاح مین کر لی گئی تھی اور اُس مقام پہ سکونت قبول کر لے جو اُسکے شوہر نے پسند کیا ہے - اگر نکاحنامہ مین کوئی خاص جگہ لکھدی جائے کہ شوہر زوجہ کو اُس جگہہ رکھیگا اور بعد ازان معلوم ہو کہ ایسی جگہہ پر ایک معزز عورت کو رہنا مناسب نہین ہے یا اگر زوجہ وہان رہیگی تو نقصان یا ضرر اُٹھائیگی یا یہ معلوم ہو کہ زوجہ کے مان باپ کا چال چلن اچھا نہین ہے تو شوہر اُس جگہہ سے یا ایسے مان باپ کے گھر سے زوجہ کو زبردستی اور کہین لیجا سکتا ہے - اور شوہر اُس صورت مین بھی اپنی زوجہ کو اپنے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجا سکتا ہے جب اُسکو نقل مکان بمقتضی اپنے فرائض منصبی کے کرنا پڑے -

ڈی منورویل صاحب فرماتے ہین کہ ہر ایک مقدمہ جسمین امر متنازع فیہ شوہر و زوجہ کی جائے سکونت ہو اپنی خاص روداد پر موقوف ہے - عام اصول شرع محمدی کا اس باب مین وہی ہے جو اور قوانین کا ہے کہ زوجہ کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنا فرض ہے الا اسکے کوئی سبب معقول اُسکے انکار کا ہو - اِس سبب کا کافی یا غیر کافی یا جائز یا ناجائز ہونا قاضی کی رائے پر موقوف ہے اور اُسکا تصفیہ کرنے مین قاضی طرفین کی آبرو اور حیثیت اور اُس ملک کے رسم و رواج کا ضرور لحاظ رکھیگا جس مُلک کے وہ باشندے ہون -

اولاد کی پرورش

قبل شیوع اسلام مشرکین عرب مین اولاد کو پرورش کرنا والدین پر فرض نہ تھا نہ صلہ رحم بجا لانا یا ایک عزیز کو دوسرے عزیز کا تکفل کرنا واجب تھا - بلکہ برخلاف اِسکے تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ جاہلیت مین جو قبل شایع ہونے دین اسلام اور شرع محمدی

جو شخص اپنے قوت بازو سے اپنے عیال کے لیے نفقہ بہم پہونچا سکتا ہو اُسکو اُنکی پرورش کرنا واجب ہے گو وہ کیسا ہی غریب و نادار ہو یا کیسی ہی عسرت سے بسر کرتا ہو۔

اگر باپ اپنی اولاد صلبی یا حرامی سے عمداً غفلت کرے یا اُنکو چھوڑ دے اور باوجود مقدرت رکھنے کے اُنکو نفقہ نہ دے تو قاضی کو اختیار اُسکو سزا دینے کا ہے۔[1]

باپ اور اولاد کے اختلاف مذہب سے باپ سے جو اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف شرعی متعلق ہے اُسمین کچھ فرق نہین پڑتا۔[2]

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر باپ غریب اور ماں متموّل ہو تو نابالغ اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف ماں سے متعلق ہو جاتی ہے اور اُسکو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ آخر کو وہ نفقہ اپنے شوہر سے مجرا لے اگرچہ اُن لڑکون کا دادا بڑا مالدار ہو۔[3]

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر باپ غریب ہو مگر دادا متموّل ہو تو اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف ابتدائً دادا سے متعلق ہوتی ہے ماں سے نہین متعلق ہوتی گو وہ کیسی ہی ذی مقدور ہو۔[4]

جب باپ اور ماں دونون غریب ہون مگر دادا ذی مقدور ہو تو پوتی پوتیون کو پرورش کرنے کی تکلیف اُس سے متعلق ہوتی ہے۔ مگر اُسکو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ جتنا روپیہ اُنکی پرورش مین صرف کیا ہے وہ سب اُنکے باپ سے وصول کرے۔ لیکن اگر باپ ضعیف و عاجز ہو تو دادا اسکا مستحق نہوگا کہ جو روپیہ اُسنے اپنے بیٹے کی اولاد کی پرورش مین صرف کیا ہے اُسکو وصول کر لے۔[5]

اولاد ذکور کو نفقہ دینے کا فرض اُنکے بلوغ تک باقی رہتا ہے۔ بعد بلوغ باپ کو اُنکی پرورش کرنا واجب نہین ہے اِلّا اینکہ کسی بیماری یا نقص جسمانی کی وجہ سے وہ محنت و مشقت کرنے سے

---

[1] اس باب مین ایکٹ ۱۰ سنہ ۱۸۶۶ع۔ اور ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۷۷ع ملاحظہ ہون۔ ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۵۰۔ ۱۲ منہ [3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۵۲۔ ۱۲ منہ [4] جامع الشتات ۱۲ منہ [5] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۵۳۔ ۱۲ منہ۔

معذور ہو گئے ہون یا تحصیل علم مین مشغول ہون - جب اولاد ذکور اتنے قوی و توانا ہون کہ خود اپنی معاش حاصل کر سکتے ہون تو بھی باپ اُنھین کے گذارہ کے لیے اُن سے کوئی کام لے سکتا ہے یا اُن سے محنت و مزدوری کرا سکتا ہے[1] -

اگر اولاد ذکور محنت کرنے کے قابل ہون مگر جو کام لینا اُنسے تجویز کیا ہے وہ اُنکے مناسب حال نہو یا اُنکے خاندانی عزت کے خلاف ہو تو اُنکی نسبت بھی وہی حکم شرع ہے جو اُن لڑکون کا ہے جو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے محنت کرنے سے معذور ہون - ایسی صورتون مین محنت کرنے کی قابلیت کا لحاظ اولاد اور والدین دونون کے خاندانی عزت کے اعتبار سے کیا جائیگا -

پس اگر باپ معزز خاندان سے ہو اور اولاد کو ناز و نعم سے پرورش کیا ہو تو ایسی اولاد سے کوئی ایسا کام نہیں لے سکتا جو فی نفسہ یا اپنے اوصاف کے اعتبار سے اُنکی آبرو کے خلاف ہو -

اگر پسر بالغ مشلول یا مفلوج یا اور کسی طرح سے معذور ہو تو اُسکو نفقہ دینے کی تکلیف باپ سے متعلق ہے اور اگر وہ مجنون ہو تب بھی یہی ہے -

باپ کو اولاد اناث یعنی لڑکیون کی پرورش کرنا اُنکے نکاح کے زمانہ تک واجب ہے بشرطیکہ وہ اپنی علحدہ معاش کچھ نہ رکھتی ہون - مگر اُنکو کسی حال مین باجرت کام کرنے یا نوکری کرنے کے لیے نہیں بھیج سکتا -

نکاح کر دینے سے باپ کی تکلیف بیٹی کو نفقہ دینے کی بالکل ساقط نہیں ہو جاتی - اگر وہ اپنی بیٹی کا نکاح کسی شخص سے کر دے مگر یہ بات اُس سے پوشیدہ رکھے کہ اُسکی لڑکی کسی ایسے مرض مین مبتلا ہے جس سے اُسکے شوہر کو فسخ نکاح کرنا شرعاً جائز ہو گیا ہے تو اس صورت مین بحالت وقوع طلاق باپ اُسکے نفقہ دینے کا ذمہ دار ہوگا -

جو لڑکے اپنی ذاتی جائداد رکھتے ہون دودھ چھٹنے کے زمانہ سے اُنکی پرورش اُسی جائداد سے کیجائیگی - دودھ چھٹنے کے زمانہ تک اُنکو پرورش کرنا اور اُنکے لیے انا کھلائی وغیرہ

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۶۳ - فتاواے قاضیخان صفحہ ۴۸۲ - ۱۲ منہ

معذور ہوگئے ہون یا تحصیل علم مین مشغول ہون - جب اولاد ذکور اتنے قوی و توانا ہون کہ خود اپنی معاش حاصل کرسکتے ہون تو بھی باپ اُنھین کے گذارہ کے لیے اُنسے کوئی کام لے سکتا ہے یا اُنسے محنت[1] ومزدوری کراسکتا ہے -

اگر اولاد ذکور محنت کرنے کے قابل ہون مگر جو کام لینا اُنسے تجویز کیا ہے وہ اُنکے مناسب حال نہو یا اُنکے خاندانی عزت کے خلاف ہو تو اُنکی نسبت بھی یہی حکم شرع ہے جو اُن لڑکون کی نسبت ہے جو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے محنت کرنے سے معذور ہون - ایسی صورتون مین محنت کرنے کی قابلیت کا لحاظ اولاد اور والدین دونون کے خاندانی عزت کے اعتبار سے کیا جائیگا -

پس اگر باپ معزز خاندان سے ہو اور اولاد کو ناز ونعم سے پرورش کیا ہو تو ایسی اولاد سے کوئی ایسا کام نہین لے سکتا جو فی نفسہ یا اپنے اوصاف کے اعتبار سے اُنکی آبرو کے خلاف ہو -

اگر پسر بالغ مشلول یا مفلوج یا اور کسی طرح سے معذور ہو تو اُسکو نفقہ دینے کی تکلیف باپ سے متعلق ہے اور اگر وہ مجنون ہو تب بھی یہی ہے -

باپ کو اولاد اناث یعنی لڑکیون کی پرورش کرنا اُنکے نکاح کے زمانہ تک واجب ہے بشرطیکہ وہ اپنی علحدہ معاش کچھ نہ رکھتی ہون - مگر اُنکو کسی حال مین باجرت کام کرنے یا نوکری کرنے کے لیے نہین بھیج سکتا -

نکاح کردینے سے باپ کی تکلیف بیٹی کو نفقہ دینے کی بالکل ساقط نہین ہوجاتی - اگر وہ اپنی بیٹی کا نکاح کسی شخص سے کردے مگر یہ بات اُس سے پوشیدہ رکھے کہ اُسکی لڑکی کسی ایسے مرض مین مبتلا ہے جس سے اُسکے شوہر کو فسخ نکاح کرنا شرعاً جائز ہوگیا ہے تو اس صورت مین بحالت وقوع طلاق باپ اُسکے نفقہ دینے کا ذمہ دار ہوگا -

جو لڑکے اپنی ذاتی جائداد رکھتے ہون دودھ چھٹنے کے زمانہ سے اُنکی پرورش اُسی جائداد سے کیجائیگی - دودھ چھٹنے کے زمانہ تک اُنکو پرورش کرنا اور اُنکے لیے انا کھلائی وغیرہ

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۵۳ - فتاواے قاضیخان صفحہ ۴۸۲ - ۱۲ منہ

واجب ہے اور اِس صورت میں اولاد کی ذمہ داری یکسان ہے خواہ والدین مسلم ہون خواہ غیر مسلم۔ اگر والدین اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کرکے کچھ معاش پیدا کرسکین تو بھی اولاد اُنکو مدد خرچ دینے کی تکلیف سے بری نہوگی۔

اگر اولاد خود محتاج ہو تو ماں باپ کا کفیل اسپر فرض نہین ہے الا اینکہ والدین بالکل ضعیف و ناتوان ہون اور محنت مزدوری سے بھی کچھ معاش پیدا کرسکتے ہون۔ ایسی صورت مین اولاد کو حکم ہے کہ اپنے ضعیف باپ یا مان یا دونون کو اپنے کھانے مین شریک کرلیا کرین۔

حنفیہ کے نزدیک آدمی کو اپنے دادا دادی کو اور اپنے نابالغ اقربار ذکور کو بشرطیکہ محارم شرعیہ مین سے ہون اور مفلس ہون نفقہ دینا واجب ہے۔ اور سب اقربار اناث جو محرمات شرعیہ مین سے ہون خواہ بالغ ہون خواہ نابالغ مگر مفلس ہون اور وہ اقربار ذکور جو بالغ ہون اور محارم شرعیہ مین داخل ہون مگر نابینا یا مشلول ہون اور مفلس بھی ہون۔ ان سب کی پرورش بھی واجب ہے۔ مگر دادا اور دادی کے سوا ان سب اقربار کی پرورش کرنا صرف[1] واجب کفائی ہے۔

زوجہ اور اولاد اور والدین اور جدین کے وجوب نفقہ مین حنفیہ کے نزدیک اختلاف مذہب سے کچھ فرق نہین واقع ہوتا مگر اور اقربا کا نفقہ ایسا نہین ہے یعنی متمول مسلمان کو اپنے غیر مسلم اور مفلس بھائی اور چچا اور چچازاد بھائی کو پرورش کرنا واجب نہین ہے۔

شیعہ اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک والدین اور اولاد اور زوجہ کے سوا دیگر اقربا کو نفقہ دینا ثواب ہے مگر فرض نہین ہے یعنی شرعاً اُسکا نفاذ واجب نہین ہے۔

---

[1] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ مین لکھا ہے کہ آدمی کو اپنے باپ اور دادا اور دادی کی پرورش کرنا واجب ہے اگر وہ غریب و نادار ہون گو خلاف مذہب ہون مگر انکا غریب و نادار ہونا اس وجوب کی شرط ہے ۱۲ منہ عہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۵۶ - ۱۲ منہ عہ بعض علمائے شیعہ نے حنفیہ کے ساتھ اتفاق کرکے جدین کو والدین کا مقام قرار دیا ہے ۱۲ منہ

واجب ہے اور اس صورت مین اولاد کی ذمہ داری یکسان ہے خواہ والدین مسلم ہون خواہ غیر مسلم۔ اگر والدین اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کر کے کچھ معاش پیدا کر سکین تو بھی اولاد اُنکو مدد خرچ دینے کی تکلیف سے بری ہوگی۔

اگر اولاد خود محتاج ہو تو مان باپ کا کفل اسپر فرض نہین ہے الا اینکہ والدین بالکل ضعیف و ناتوان ہون اور محنت مزدوری سے بھی کچھ معاش پیدا کر سکتے ہون۔ ایسی صورت مین اولاد کو حکم ہے کہ اپنے ضعیف باپ یا مان یا دونون کو اپنے کھانے مین شریک کر لیا کرین۔

حنفیہ کے نزدیک آدمی کو اپنے دادا دادی کو اور اپنے نابالغ اقربا ذکور کو بشرطیکہ محارم شرعیہ مین سے ہون اور مفلس ہون نفقہ دینا واجب ہے۔ اور سب اقربا اُناث جو محرمات شرعیہ مین سے ہون خواہ بالغ ہون خواہ نابالغ مگر مفلس ہون اور وہ اقربا ذکور جو بالغ ہون اور محارم شرعیہ مین داخل ہون مگر نابینا یا مشلول ہون اور مفلس بھی ہون۔ ان سب کی پرورش بھی واجب ہے۔ مگر دادا اور دادی کے سوا ان سب اقربا کی پرورش کرنا صرف[1] واجب کفائی ہے۔

زوجہ اور اولاد اور والدین اور جدین کے وجوب نفقہ مین حنفیہ کے نزدیک اختلاف مذہب سے کچھ فرق نہین واقع ہوتا مگر اور اقربا کا نفقہ ایسا نہین ہے یعنی متمول مسلمان کو اپنے غیر مسلم اور مفلس بھائی اور چچا اور چچازاد بھائی کو پرورش کرنا واجب نہین ہے۔

شیعہ اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک والدین اور اولاد اور زوجہ کے سوا دیگر اقربا کو نفقہ دینا ثواب ہے مگر فرض نہین ہے یعنی شرعًا اُسکا نفاذ واجب نہین ہے۔

---

[1] ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۱ مین لکھا ہے کہ آدمی کو اپنے باپ اور دادا اور دادی کی پرورش کرنا واجب ہے اگر وہ غریب و نادار ہون گو خلاف مذہب ہون مگر اُنکا غریب و نادار ہونا اس وجوب کی شرط ہے ۱۲ منہ — فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۵۶—۱۲ منہ — بعض علمائے شیعہ نے حنفیہ کے ساتھ اتفاق کر کے جدین کو والدین کا ہمپایہ قرار دیا ہے ۱۲ منہ

دیجایا کرے اور پھر ان دونوں شخصوں کی حالت میں کچھ تغیر واقع ہو تو اُس تغیر کی وجہ سے اُنکی ذمہ داری کو دوبارا تشخیص کرنا جائز ہوجائیگا[1]۔ اگر ذمہ داری قاضی کے حکم سے مقرر ہوئی ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ جب فریقین کی حالت میں کوئی تغیر واقع ہونا ثابت کردیا جائے تو اپنے حکم میں ترمیم کرکے اُس حد بند تغیر شدہ حالت کے مناسب و موافق کردے۔

اگر وہ شخص جسکے نام قاضی نے حکم صادر کیا ہے اُس حکم کی تعمیل سے قاصر رہے تو اُسکا اسباب قرق یا بیع کرکے یہ قرضہ لے لیا جاسکے یا اُس پر مزد اور عدم تعمیل حکم قاضی کے جرم میں وہ قید کیا جائے صرف مفلسی کے عذر سے کوئی شخص اپنی زوجہ اور اطفال کو نفقہ دینے سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ شخص محنت کرکے معاش حاصل کرسکتا ہے اور اگر وہ لنگڑا یا ایسا ضعیف و نحیف نہیں ہے کہ قوت لایموت نہ حاصل کرسکتا ہو تو اُسکو اپنے عیال و اطفال کے لیے نفقہ مہیا کرنا فرض ہے۔ فقط

حاشیہ

یہ بیان کرنا مناسب ہے کہ شوہر و زوجہ کی سکونت کے باب میں شرع محمدی یہود اور رومیوں کی قوانین پر گوے سبقت لیگئی ہے۔ یہود کی شریعت میں جو عورت اپنے خاوند کے ہمراہ جانے سے انکار کرتی تھی جہاں کہیں وہ اُسکو لیجانا چاہتا تھا تو اُس عورت کا مہر ساقط ہوجاتا تھا اور جو جہیز وہ اپنے ماں باپ کے گھر سے لاتی تھی وہ ضبط ہوجاتا تھا اور اُسکے تمام حقوق شرعی زائل ہوجاتے تھے رومیوں کے قانون کے بموجب زوجہ شوہر کے ہمراہ بے عذر چلی جاتی تھی اور ذرا بھی مجال انکار نہ رکھتی تھی اور یہی اصول اِس زمانہ کے قانون انگلستان میں نقل ہوآیا ہے۔

مجموعہ قوانین نپولین (آرٹکل ۲۱۴) میں لکھا ہے کہ عورت پر فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہا کرے اور جہاں وہ رہنا چاہے اُسکے ہمراہ چلی جاوے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں ہے

[1] شرائط دفعہ ۳۲ اور اُسکے بعد کے دفعات ایکٹ ۱۴ سنہ ۱۸۶۹ع اور اُنھیں کے نانث۔ دفعات ایکٹ ۱۸۹۲ع ملاحظہ ہوں ۱۲ منہ

دیجایا کرے اور پھر ان دونون شخصون کی حالت مین کچھ تغیر واقع ہو تو اُس تغیر کی وجہ سے اُنکی ذمہ داری کو دوبارہ تشخیص کرنا جائز ہو جائیگا۔ اگر ذمہ داری قاضی کے حکم سے مقرر ہوئی ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ جب فریقین کی حالت مین کوئی تغیر واقع ہونا ثابت کر دیا جائے تو اپنے حکم مین ترمیم کر کے اُس حد بہ تغیر شدہ حالت کے مناسب و موافق کر دے۔

اگر وہ شخص جسکے نام قاضی نے حکم صادر کیا ہے اُس حکم کی تعمیل سے قاصر رہے تو اسکا اسباب قرق یا بیع کر کے یہ قرضہ لے لیا جاسکے یا اُس عذر اور عدم تعمیل حکم قاضی کے جرم مین وہ قید کیا جائے

صرف مفلسی کے عذر سے کوئی شخص اپنی زوجہ اور اطفال کو نفقہ دینے سے بری الذمہ نہین ہو سکتا۔ اگر وہ شخص محنت کر کے معاش حاصل کر سکتا ہے اور اگر وہ لنگڑا یا ایسا ضعیف و نحیف نہین ہے کہ قوت لایموت نہ حاصل کر سکتا ہو تو اُسکو اپنے عیال و اطفال کے لیے نفقہ مہیا کرنا فرض ہے۔ فقط

حاشیہ

یہ بیان کرنا مناسب ہے کہ شوہر و زوجہ کی سکونت کے باب مین شرع محمدی یہود اور رومیون کی قوانین پر گوے سبقت لیگئی ہے۔ یہود کی شریعت مین جو عورت اپنے خاوند کے ہمراہ جانے سے انکار کرتی تھی جہان کہین وہ اُسکو لیجانا چاہتا تھا تو اُس عورت کا مہر ساقط ہو جاتا تھا اور جو جہیز وہ اپنے ماں باپ کے گھر سے لاتی تھی وہ ضبط ہو جاتا تھا اور اُسکے تمام حقوق شرعی زائل ہو جاتے تھے رومیون کے قانون کے بموجب زوجہ شوہر کے ہمراہ بے عذر چلی جاتی تھی اور ذرا بھی مجال انکار نہ رکھتی تھی اور یہی اصول اِس زمانہ کے قانون انگلستان مین نقل ہوا آیا ہے۔

مجموعہ قوانین نپولین (آرٹکل ۲۱۴) مین لکھا ہے کہ عورت پر فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہا کرے اور جہان وہ رہنا چاہے اُسکے ہمراہ چلی جاوے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں ہے

سلہ شرائط دفعہ ۳۲ اور اُسکے بعد کے دفعات ایکٹ ۴ سنہ ۱۸۶۶ء اور انھین کے نانت۔ دفعات ایکٹ ۱۸۷۲ء

ملاحظہ ہون ۲ ء منسم

پھر اُسکو اختیار تھا کہ اُس مہر کو جو چاہے کرے[1]۔

شرع محمدی مین جو نکاح بلا تعیین مہر وقوع مین آیا ہو وہ ناجائز نہین تصور کیا جائیگا بلکہ جب مہر معین نہ کیا جائے تو شرعاً یہ قیاس کر لیا جاتا ہے کہ زوجہ کو کچھ معاوضہ دینا چاہیئے اور وہ معاوضہ ایک مسلم بنیاد پر مشخص کر لیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ زوجہ کو ایک حق فوری مہر کا یا اُسکے اُس جزو کا جو معجل ہو حاصل ہو جاتا ہے۔

شرع محمدی کا مہر تمام اعتبارات شرعیہ سے رومیون کے مہر سے مشابہ ہے۔ مہر ایک معاوضہ ہے جو قبل تکمیل نکاح اور بمعاوضہ نکاح زوجہ کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے۔ مگر رومیون کے مہر اور مسلمانون کے مہر مین یہ فرق عظیم ہے کہ رومیون کا مہر اختیاری تھا یعنی اُسکا ادا کرنا شوہر کے اختیار مین تھا۔ لکن مسلمانون کا مہر بالکل اضطراری ہے یعنی شوہر اُسکے ادا کرنے پر شرعاً مجبور ہے چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ مہر نکاح کو ایسا لازم ہے کہ اگر اُسکا ذکر نکاح کے وقت یا معاہدہ نکاح مین نہ کیا جائے تو شرعاً وہ نفس معاہدہ نکاح سے قیاس کر لیا جائیگا[2]۔

اگر عورت قبل نکاح یہ شرط کرلے کہ مہر سے دست بردار ہو جائیگی تو ایسی شرط شرعاً ناجائز اور غیر مؤثر ہے اور اگر ایسی شرط کر لیجائے تو بھی وہ مہر المثل کی مستحق رہیگی۔ البتہ بعد نکاح اُسکو مہر معاف کر دینے کا اختیار ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ مہر کی عوض مین جو جائداد اُسکو شوہر نے دی ہو وہ اُسکو واپس کر دے۔

یہ گمان کیا گیا ہے کہ جواز نکاح تعیین مہر پر موقوف ہے اور جب نکاح کا کچھ معاوضہ نہو یا زوجہ کے مفید کوئی بندوبست نہ کر دیا گیا ہو تو وہ نکاح ناجائز ہے۔ مگر ہدایہ اور فتاواے قاضیخان[3] مین صاف لکھا ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہوا ہو تو بھی نکاح شرعاً جائز ہوگا اور اُسکی

---

[1] یونانیون اور رومیون مین زوجہ جہیز لاتی تھی۔ اور مجموعہ قوانین نپولین مین بھی کیفیت فرانسیسی جہیز کی لکھی ہے۔ اور انگلستان مین بھی لڑکی کو جہیز دینے کا رسم اسی طرح ہے جیسا مسلمانون مین ہے ۱۲ منہ [2] فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۲۶۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۰۔ جامع الشتات ۱۲ منہ

پھر اُسکو اختیار تھا کہ اُس مہر کو جو چاہے کرے[1]۔

شرع محمدی مین جو نکاح بلا تعیین مہر وقوع مین آیا ہو وہ ناجائز نہین متصور کیا جائیگا بلکہ جب مہر معین نہ کیا جائے تو شرعاً یہ قیاس کر لیا جاتا ہے کہ زوجہ کو کچھ معاوضہ دینا چاہیے اور وہ معاوضہ ایک مسلّم بنیاد پر مشخص کر لیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ زوجہ کو ایک حق فوری مہر کا یا اُسکے اُس جزو کا جو معجل ہو حاصل ہو جاتا ہے۔

شرع محمدی کا مہر تمام اعتبارات شرعیہ سے رومیون کے مہر سے مشابہ ہے۔ مہر ایک معاوضہ ہے جو قبل تکمیل نکاح اور بمعاوضہ نکاح زوجہ کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے۔ مگر رومیون کے مہر اور مسلمانون کے مہر مین یہ فرق عظیم ہے کہ رومیون کا مہر اختیاری تھا یعنی اُسکا ادا کرنا شوہر کے اختیار مین تھا۔ لیکن مسلمانون کا مہر بالکل اضطراری ہے یعنی شوہر اُسکے ادا کرنے پر شرعاً مجبور ہے چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[2] مہر نکاح کو ایسا لازم ہے کہ اگر اُسکا ذکر نکاح کے وقت یا معاہدہ نکاح مین نہ کیا جائے تو شرعاً وہ نفس معاہدہ نکاح سے قیاس کر لیا جائیگا[3]۔

اگر عورت قبل نکاح یہ شرط کر لے کہ مہر سے دست بردار ہو جائیگی تو ایسی شرط شرعاً ناجائز اور غیر مؤثر ہے اور اگر ایسی شرط کر لی جائے تو بھی وہ مہر المثل کی مستحق رہیگی۔ البتہ بعد نکاح اُسکو مہر معاف کر دینے کا اختیار ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ مہر کی عوض مین جو جائداد اُسکو شوہر نے دی ہو وہ اُسکو واپس کر دے۔

یہ گمان کیا گیا ہے کہ جواز نکاح تعیین مہر پر موقوف ہے اور جب نکاح کا کچھ معاوضہ نہو یا زوجہ کے مفید کوئی بندوبست نہ کر دیا گیا ہو تو وہ نکاح ناجائز ہے۔ مگر ہدایہ اور فتاواے قاضیخان[4] مین صاف لکھا ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہوا ہو تو بھی نکاح شرعاً جائز ہوگا اور اُسکی

---

[1] یونانیون اور رومیون مین زوجہ جہیز لاتی تھی۔ اور مجموعہ قوانین نپولین مین بھی کیفیت فرانسیسی جہیز کی لکھی ہے۔ اور انگلستان مین بھی لڑکی کو جہیز دینے کا رسم اسی طرح ہے جیسا مسلمانون مین ہے ۱۲ منہ [2] فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۲۶ [3] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۲۰ ۔ جامع الشتات ۱۲ منہ

مبب کوئی ایسی چیز مہر مین دیجائے جو نکاح کے وقت حقیقتاً یا شرعاً موجود نہو تو ایسا مہر ناجائز ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی زوجہ کے مہر مین اپنی آراضی غیر مقبوضہ یا درختون کی آیندہ کی پیداوار دے تو ایسا مہر ناجائز ہے اور وہ عورت مہر المثل کی مستحق ہوگی۔ لیکن اگر محاصل بیع یا زرثمن اُس چیز کا مہر مین دے جو اُسکی ملک مین موجود ہو یعنی جسکا وہ بالفعل مالک ہو تو ایسا مہر شرعاً جائز[1] ہوگا۔

مگر شیعہ[2] اور شافعیہ[3] کے نزدیک حُر یعنی آزاد آدمی مہر کے بدلے زوجہ کو اپنی خدمات دے سکتا ہے اور شیعون کے نزدیک مذہب یا صنعت وحرفت کی تعلیم پر اور اس اقرار پر کہ شوہر زوجہ کو حج یا زیارت کو لیجائیگا اور مال غیر موجود کی منفعت اور منافع آیندہ وغیرہ ان سب چیزون پر مہر بندھ[4] سکتا ہے۔

مہر کی تعداد مختلف ملکون مین مختلف ہوئی ہے۔ کوئی خاص قاعدہ منتہی تعداد مہر کا نہین ہے۔ اُسکی مقدار طرفین کے اعزاز خاندانی اور اُس قوم یا گروہ کے حالات پر موقوف ہے جسمین وہ[5] رہتے ہون چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ وہ اکثر یا اقل مقدار مہر کی کوئی حد نہین ہے،، کیونکہ یہ ایک قسم کا معاہدہ درمیان شوہر وزوجہ کے ہے۔ جبتک وہ چیز جسپر مہر بندھا ہو قیمت معینہ رکھتی ہے اُسوقت تک وہ مہر شرعاً جائز سمجھا جائیگا۔ سنی اور شیعہ مین مہر کے اصول کے باب مین کچھ اختلاف نہین ہے۔ دونون فرقون کے نزدیک مہر کا معتدل المقدار ہونا مستحسن ہے مگر اس استحسان کو ہندوستان کے مسلمان نہین مانتے اور اُنکے نہ ماننے کے وجوہ اس کتاب کے مقدمہ مین بیان ہوچکے ہین۔

قدما علما حنفیہ نے اقل مقدار مہر دس درہم مقرر کیے تھے۔ مگر مالکیہ چونکہ ایسے ملک مین رہتے تھے جو حنفیہ کے ملک کی بہ نسبت مفلس تھا اور آبادی بھی کم تھی لہذا اُنھون نے اقل مقدار مہر یا صداق تین درہم قرار دی ہے۔ یہی

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۷ - ۱۲ - منہ [2] ہدایہ (ترجمہ فارسی) کتاب ۲ باب ۳ - شرایع الاسلام صفحہ ۲۴۹ - ۱۲ منہ [3] جامع الشتات ۱۲ - منہ [4] مصعب ابن زبیر نے حضرت ابو بکر کی پوتی کا مہر پانچ لاکھ درہم مقرر کیا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص قاعدہ مقدار مہر کا نہین ارشاد فرمایا بلکہ اسکو رسم ورواج پر موقوف رکھا۔ مگر چونکہ آپ نے بیبیوں کا مہر پانچ سو درہم پر باندھا تھا لہذا شیعون کے نزدیک مقدار مہر کی سنت [5] ...

سبب کوئی ایسی چیز مہر مین دیجائے جو نکاح کے وقت حقیقتاً یا شرعاً موجود نہو تو ایسا مہر ناجائز ہے - مثلاً کوئی شخص اپنی زوجہ کے مہر مین اپنی آراضی غیر مقبوضہ یا درختون کی آیندہ کی پیداوار دے تو ایسا مہر ناجائز ہے اور وہ عورت مہر المثل کی مستحق ہوگی - لکن اگر محاصل بیع یا زر ثمن اُس چیز کا مہر مین دے جو اُسکی ملک مین موجود ہو یعنی جسکا وہ بالفعل مالک ہو تو ایسا مہر شرعاً جائز[۱] ہوگا -

مگر شیعہ[۲] اور شافعیہ[۳] کے نزدیک حُر یعنی آزاد آدمی مہر کے بدلے زوجہ کو اپنی خدمات دے سکتا ہے اور شیعون کے نزدیک مذہب یا صنعت و حرفت کی تعلیم پر اور اس اقرار پر کہ شوہر زوجہ کو حج یا زیارت کو لیجائیگا اور مال غیر موجود کی منفعت اور منافع آیندہ وغیرہ ان سب چیزون پر مہر بندھ[۴] سکتا ہے -

مہر کی تعداد مختلف ملکون مین مختلف ہوئی ہے - کوئی خاص قاعدہ منتہی تعداد مہر کا نہین ہے - اُسکی مقدار طرفین کے اعزاز خاندانی اور اُس قوم یا گروہ کے حالات پر موقوف ہے جسمین وہ[۵] رہتے ہون چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ وہ اکثر یا اقل مقدار مہر کی کوئی حد نہین ہے ،، کیونکہ یہ ایک قسم کا معاہدہ درمیان شوہر و زوجہ کے ہے - جبتک وہ چیز جسپر مہر بندھا ہو قیمت معینہ رکھتی ہے اُسوقت تک وہ مہر شرعاً جائز سمجھا جائیگا - سنی اور شیعہ مین مہر کے اصول کے باب مین کچھ اختلاف نہین ہے - دونون فرقون کے نزدیک مہر کا معتدل المقدار ہونا مستحسن ہے مگر اس استحسان کو ہندوستان کے مسلمان نہین مانتے اور اُنکے نہ ماننے کے وجوہ اس کتاب کے مقدمہ مین بیان ہوچکے ہین -

قدمار علمار حنفیہ نے اقل مقدار مہر دس درہم مقرر کیے تھے - مگر مالکیہ چونکہ ایسے مُلک مین رہتے تھے جو حنفیہ کے ملک کی بہ نسبت مفلس تھا اور آبادی بھی کم تھی لہٰذا اُنھون نے اقل مقدار مہر یا صداق تین درہم قرار دی ہے - یہی

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۷۴ - ۱۲ - منہ [۲] ہدایہ (ترجمہ فارسی) کتاب ۲ باب ۳ - شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۹ - ۱۲ منہ [۳] جامع الشتات ۱۲ - منہ [۴] مصعب ابن زبیر نے حضرت ابوبکر کی پوتی کا مہر پانچ لاکھ درہم مقرر کیا تھا - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص قاعدہ مقدار مہر کا نہین ارشاد فرمایا بلکہ اسکو رسم و رواج پر موقوف رکھا - مگر چونکہ آپ نے میمونؓ کا مہر پانچ سو درہم پر باندھا تھا لہٰذا شیعون کے نزدیک مقدار مہر کی سنت ...

نکالنے کا یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ اُسکے شوہر کی حالت باعتبار شرافت اور دولت کے اُس عورت کے شوہر کی حالت کے مانند ہو جو اُسکے مثل قرار دیگئی ہے[۱]۔

اسی طرح سے ممکن ہے کہ کوئی عورت اپنے باپ کے کنبہ کی سب عورتون سے کمالات عقلی یا محاسن ذاتی مین افضل ہو پس اُسکا مہر اُسکے کنبہ کی اُن عورتون کے مہر پر قیاس کرکے نہین مقرر ہوسکتا جو ویسے کمالات اور ویسے محاسن نہین رکھتین[۲]۔

شیعون مین بھی یہی قاعدہ مہر المثل کا جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد علامہ مین لکھا ہے کہ "وہ مہر المثل عورت کی شرافت خاندان اور حسن وجمال اور اُسکے کنبہ کی عورتون کو دیکھکر قرار دیا جاتا ہے" تہذیب الاحکام اور جامع الشتات مین اسمین اتنا اور بڑھا دیا ہے کہ "چونکہ مہر کے باب مین مختلف مقامات کا مختلف رواج ہے لہذا مہر المثل مقرر کرنے مین رواج مختص المقام کا لحاظ رکھنا چاہیئے اور خاص کر اُن عورتون کے مہر کا لحاظ کیا جائے جو حسب ونسب اور علم وفضل اور مال و دولت اور فہم وفراست وغیرہ مین اُس عورت کی مد مقابل ہون[۳]"

شیعون مین بھی مہر تین قسم کا ہے۔ (۱) مہر سنت یعنی وہ مہر جو رسول اللہ صلعم نے اختیار کیا تھا اور جسکی مقدار پانچ سو درہم ہے۔ (۲) مہر المثل (۳) مہر المسمّے یعنی وہ مہر جسکی تعیین و تصریح ہو گئی ہو۔

بعض علماء شیعہ کا قول یہ ہے کہ جب نکاح کے وقت کچھ مہر نہ طے ہوا ہو اور عورت کے رواج خاندان سے اُسکے مہر کا قیاس کیا جائے تو اس صورت مین مہر کی مقدار پانچ سو درہم سے

[۱] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۰۲ - ۱۲منہ [۲] ہدایہ مین لکھا ہے کہ وہ عورت کا مہر المثل تشخص کرنے مین انکی برابری عمر مین اور حسن وجمال اور دولت و مال اور فہم و فراست اور نیک بختی اور پاکدامنی مین اُن عورتون کے ساتھ دیکھی جائے جنکے مہر پر قیاس کرکے اُسکا مہر باندھا جائے اسواسطے کہ اِن اُمور کے اختلاف سے مہر مختلف ہوتا ہے اور علے ہذا القیاس اختلاف محل و مقام اور اختلاف زمانہ سے بھی مہر مین اختلاف ہوجاتا ہے۔ (ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۰ - ۱۲منہ [۳] مہر المثل صرف اُن صورتون مین لیا جاتا ہے جنمین نکاح شرعاً صحیح و جائز ہو۔ اگر مرد اور عورت مین صرف آشنائی ہو تو مہر نہ رکھا جائیگا۔ جامع الشتات۔ ۱۲منہ

نکالنے کا یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ اُسکے شوہر کی حالت باعتبار شرافت اور دولت کے اُس عورت کے شوہر کی حالت کے مانند ہو جو اُسکے مثل قرار دیگئی ہے۔[1]

اسی طرح سے ممکن ہے کہ کوئی عورت اپنے باپ کے کنبہ کی سب عورتون سے کمالات عقلی یا محاسن ذاتی مین افضل ہو پس اُسکا مہر اُسکے کنبہ کی اُن عورتون کے مہر پر قیاس کرکے نہین مقرر ہو سکتا جو ویسے کمالات اور ویسے محاسن نہین رکھتین[2]۔

شیعون مین بھی یہی قاعدہ مہر المثل کا جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد علامہ مین لکھا ہے کہ "مہر المثل عورت کی شرافت خاندان اور حسن وجمال اور اُسکے کنبہ کی عورتون کو دیکھکر قرار دیا جاتا ہے" تہذیب الاحکام اور جامع الشتات مین اسمین اتنا اور بڑھا دیا ہے کہ "چونکہ مہر کے باب مین مختلف مقامات کا مختلف رواج ہے لہذا مہر المثل مقرر کرنے مین رواج مختص المقام کا لحاظ رکھنا چاہیئے اور خاص کر اُن عورتون کے مہر کا لحاظ کیا جائے جو حسب ونسب اور علم وفضل اور مال ودولت اور فہم وفراست وغیرہ مین اُس عورت کی مدمقابل ہون"[3]

شیعون مین بھی مہر تین قسم کا ہے۔ (۱) مہر سنت یعنی وہ مہر جو رسول اللہ صلعم نے اختیار کیا تھا اور جسکی مقدار پانچ سو درہم ہے۔ (۲) مہر المثل (۳) مہر المسمے یعنی وہ مہر جسکی تعیین وتصریح ہوگئی ہو۔

بعض علماء شیعہ کا قول یہ ہے کہ جب نکاح کے وقت کچھ مہر نہ طے ہوا ہو اور عورت کے رواج خاندان سے اُسکے مہر کا قیاس کیا جائے تو اس صورت مین مہر کی مقدار پانچ سو درہم سے

---

[1] فتاولے عالمگیری صفحہ ۲۰۳-۲۰۴ منہ [2] ہدایہ مین لکھا ہے کہ وہ عورت کا مہر المثل مشخص کرنے میں اُسکی برابری عمر مین اور حسن وجمال اور دولت ومال اور فہم وفراست اور نیک بختی اور پاکدامنی مین اُن عورتون کے ساتھ دیکھی جائے جنکے مہر پر قیاس کرکے اُسکا مہر باندھا جائے اسواسطے کہ اِن اُمور کے اختلاف سے مہر مختلف ہوتا ہے اور علے ہذا القیاس اختلاف محل ومقام اور اختلاف زمانہ سے بھی مہر مین اختلاف ہوجاتا ہے۔ (ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۴۰-۴۱ منہ [3] مہر المثل صرف اُن صورتون مین لیا جاتا ہے جنمین نکاح شرعاً صحیح وجائز ہو۔ اگر مرد اور عورت مین صرف زنا ہی ہو تو مہر نہ رکھا جائیگا۔ جامع الشتات - ۱۲ منہ

اُس سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ آیا یہ مقدمہ سُنّی یا شیعہ کے طریق کے موافق فیصلہ کیا گیا ہے۔

مذہب شیعہ مین یہ ہے کہ اگر مہر ادا کرنے کا کوئی وقت نہ مقرر کیا ہو یا اگر مہر کی تصریح صرف عام الفاظ مین کردی گئی ہو اور نکاح مین اسکی تصریح نہ کی گئی ہو کہ مہر معجّل کتنا ہے اور موجّل کتنا ہے تو کل مہر معجّل سمجھنا چاہیئے[1]۔

مگر مذہب حنفی مین یہ ہے کہ ہر ایک مقدمہ کا فیصلہ اُسکی خاص روداد پر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فتاوائے قاضیخان مین لکھا ہے کہ جب طرفین نے کہدیا ہو کہ اتنا مہر معجّل ہے تو اُتنا مہر فوراً دیدیا جائے مگر جب یہ نہوا ہو تو اُس عورت پر اور اُس مہر پر جسکا ذکر نکاح مین ہوا ہے نظر کرکے یہ قیاس کیا جائے کہ اُس مہر مین سے کتنا ایسی عورت کو فوراً دیدینا چاہیئے پس جو مبلغ اسطرح سے قرار دیا جائے وہی معجّل سمجھا جائیگا اور ربع یا خمس کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اور جو رواج ہو اُسکا بھی لحاظ کرنا ضرور ہے لکن جب یہ شرط کرلیجائے کہ کُل مہر معجّل ہوگا تو سارا مہر فوراً بالالحاظ رواج ادا کردینا واجب ہے[2]۔

وہ فیصلہ صدر عدالت دیوانی آگرہ کا جسکا ذکر سابق مین کیا گیا ہائیکورٹ الہ آباد کے ایک فیصلہ سے ضمناً منسوخ ہوگیا ہے۔ بمقدمہ عیدن بنام مظہر حسین اور بمقدمہ توفیق النسا بنام غلام قنبر ہائیکورٹ الہ آباد[3] نے وہی اصول اختیار کرکے نافذ کیا ہے جو فتاوائے قاضیخان مین لکھا ہے پہلے مقدمہ مین مظہر حسین مدعی نے اپنی زوجہ پر رخصت دلاپانے کی نالش کی۔ اُسکا مہر نکاح کے وقت پانچہزار روپیہ قرار پایا تھا مگر یہ شرط نہوئی تھی کہ اسمین سے کتنا معجّل اور کتنا موجّل ہے۔ زوجہ نے کہا کہ جبتک جزو معجّل میرے مہر کا نہ دیدیا جائیگا اُسوقت تک شوہر کے مکان پر نہ جاؤنگی

---

[1] جامع الشتات ۲ مسئلہ ۶۵ ان بینوا قدر المعجل یعجل ذلک وان لم یبینوا شیئاً ینظر الی المرءة والی المہر المذکور فی العقد انہ کم یکون المعجل لمثل ہذہ المرءة من مثل ہذ المہر فیعجل ذلک معجلاً ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وانما ینظر الی المتعارف وان شرطوا فی العقد تعجیل کل المہر یعجل الکل معجلاً ویترک العرف فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۲۶۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۸ ۔ ۱۲

[2] منہ ۱۲

[3] انڈین لاء رپورٹ سلسلہ الہ آباد جلد ۱ صفحہ ۴۸۳ ۔ ۱۲ منہ

اُس سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ آیا یہ مقدمہ سُنّی یا شیعہ کے طریق کے موافق فیصلہ کیا گیا ہے۔
مذہب شیعہ مین یہ ہے کہ اگر مہر ادا کرنے کا کوئی وقت نہ مقرر کیا ہو یا اگر مہر کی تصریح صرف عام الفاظ مین کردی گئی ہو اور نکاح مین اسکی تصریح نہ کی گئی ہو کہ مہر معجّل کتنا ہے اور موجّل کتنا ہے تو کل مہر معجّل سمجھنا چاہیئے[1]۔
مگر مذہب حنفی مین یہ ہے کہ ہر ایک مقدمہ کا فیصلہ اُسکی خاص رو داد پر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فتاوائے قاضیخان مین لکھا ہے کہ جب طرفین نے کہدیا ہو کہ اتنا مہر معجّل ہے تو اتنا مہر فوراً دیا جائے مگر جب یہ نہوا ہو تو اُس عورت پر اور اُس مہر پر جسکا ذکر نکاح مین ہوا ہے نظر کرکے یہ قیاس کیا جائے کہ اُس مہر مین سے کتنا ایسی عورت کو فوراً دینا چاہیئے پس جو مبلغ اسطرح سے قرار دیا جائے وہی معجّل سمجھا جائیگا اور ربع یا خمس کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اور جو رواج ہو اُسکا بھی لحاظ کرنا ضرور ہے لیکن جب یہ شرط کرلیجائے کہ کل مہر معجّل ہوگا تو سارا مہر فوراً بلا لحاظ رواج ادا کردینا واجب ہے[2]
وہ فیصلہ صدر عدالت دیوانی آگرہ کا جسکا ذکر سابق مین کیا گیا ہائی کورٹ آلہ آباد کے ایک فیصلہ سے ضمناً منسوخ ہوگیا ہے۔ مقدمۂ عیدن بنام مظہر حسین اور مقدمہ توفیق النسا بنام غلام قنبر ہائی کورٹ الہ آباد[3] نے وہی اصول اختیار کرکے نافذ کیا ہے جو فتاوائے قاضیخان مین لکھا ہے پہلے مقدمہ مین مظہر حسین مدعی نے اپنی زوجہ پر رخصت دلا پانے کی نالش کی۔ اُسکا مہر نکاح کے وقت پانچہزار روپیہ قرار پایا تھا مگر یہ شرط نہوئی تھی کہ اسمین سے کتنا معجّل اور کتنا موجّل ہے۔ زوجہ نے کہا کہ جبتک جزو معجّل مہر سے مہر کا نہ دیدیا جائیگا اُسوقت تک شوہر کے مکان مین نجاؤنگی

---

[1] جامع الشتات ۲ منہ [2] ان بینوا قدر المعجل یعجل ذلک وان لم یبینوا شیئاً ینظر الی المرءة والی المہر المذکور فی العقد انہ کم یکون المعجل لمثل ہذہ المرءة من مثل ہذا المہر فیعجل ذلک معجلاً ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وانما ینظر الی المتعارف وان شرطوا فی العقد تعجیل کل المہر یعجل الکل معجلاً ویترک العرف فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۲۶ - فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۴ - ۱۲ منہ [3] انڈین لا رپورٹ سلسلہ آلہ آباد جلد ۱ صفحہ ۴۸۳ - ۱۲ منہ

حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ یا اُسکا شوہر قبل زفاف اور بحالت بقاے نکاح مرجاے۔ ائمۂ ثلثہ
فرقون کے نزدیک خلوت صحیحہ یا زفاف سے زوجہ کل مہر پانے کی مستحق نہین ہوتی۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر قبل زفاف یا قبل خلوت صحیحہ شوہر و زوجہ مین جدائی ہو جائے تو زوجہ نصف مہر معین کی مستحق ہوگی۔ لیکن اگر نکاح کے وقت مہر کی مقدار نہ معین ہوئی ہو تو زوجہ صرف کچھ بطور نذر پانے کی مستحق ہوگی جسکی مقدار اُس ملک کے رواج پر موقوف ہے۔ اگر عورت کا مہر تفویض یا مہر تحکیم مقرر ہوا ہو تو وہ اُس مہر کا نصف بھی نہین طلب کر سکتی اگر طلاق قبل زفاف ہو گیا ہو بلکہ صرف کچھ بطور نذر کے پائیگی۔

اصل مسئلہ مین شیعہ اور حنفیہ مین اتفاق ہے شیعون کے نزدیک بھی یہی ہے کہ اگر طلاق قبل زفاف واقع ہوا ہو تو عورت صرف نصف مہر مسمّٰی کی مستحق ہوگی مگر انھون نے حنفیہ سے اس امر مین اختلاف کیا ہے کہ جب مہر تفویض یا مہر تحکیم زوجہ کا بعد نکاح قرار دیا گیا ہو اور شوہر اُسکو قبل زفاف طلاق دیدے تو زوجہ ایسے مہر کا نصف پانے کی اُسی طرح مستحق ہوگی جسطرح مہر مسمّٰی کا نصف پانے کی مستحق ہوتی ہے[1]۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر نے قبل زفاف طلاق دیدیا ہو اور تعیین مہر نہوئی ہو تو شوہر پر بطور نذر کچھ زوجہ کو دینا واجب ہے۔ مگر یہ بھی شوہر کو اُسوقت واجب ہے جبکہ طلاق کا سبب اُسکی طرف سے پیدا ہوا ہو۔ مثلاً جب شوہر اور زوجہ مین تفرقہ اس سبب سے واقع ہو کہ شوہر عنین یعنی نامرد ہو یا مرتد ہو گیا ہو یا جب اُنکے تفرقہ کا سبب طلاق ہوا ہو اور زفاف یا خلوت صحیحہ نہوئی ہو اور تعیین مہر قبل نکاح ہو چکی ہو تو اِس صورت مین شوہر پر فرض ہے کہ زوجہ کو کچھ نذر دے۔ لیکن اگر تفرقہ کا سبب زوجہ کی طرف سے پیدا ہوا ہو تو شوہر کے ذمہ کچھ نذر کرنا شرعاً نہین عائد ہوگا۔ مثلاً اگر زوجہ مرتد ہو جائے یا مرتکب زنا ہو یا عدم کفات یا تدلیس وغیرہ کی وجہ سے نکاح کو منسوخ کر دے جسکا اختیار اُسکو شرعاً دیا گیا ہے تو وہ بطور نذر کچھ پانے کی مستحق نہین ہے[2]۔

[1] جامع الشتات۔ ارشاد علامہ۔ ۲ امنہ [2] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۲۰۔ ۳۲۹ ہہ۔ ۱۳ امنہ

حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ یا اُسکا شوہر قبل زفاف اور بحالت بقاے نکاح مر جاے - ان فریقون کے نزدیک خلوت صحیحہ بلا زفاف سے زوجہ کل مہر پانے کی مستحق نہین ہوتی -

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر قبل زفاف یا قبل خلوت صحیحہ شوہر و زوجہ مین جدائی ہو جائے تو زوجہ نصف مہر معین کی مستحق ہوگی - لکن اگر نکاح کے وقت مہر کی مقدار نہ معین ہوئی ہو تو زوجہ صرف کچھ بطور نذر پانے کی مستحق ہوگی جسکی مقدار اُس ملک کے رواج پر موقوف ہے - اگر عورت کا مہر تفویض یا مہر تحکیم مقرر ہوا ہو تو وہ اُس مہر کا نصف بھی نہین طلب کر سکتی اگر طلاق قبل زفاف ہو گیا ہو بلکہ صرف کچھ بطور نذر کے پائیگی -

اصل مسئلہ مین شیعہ اور حنفیہ مین اتفاق ہے شیعون کے نزدیک بھی یہی ہے کہ اگر طلاق قبل زفاف واقع ہوا ہو تو عورت صرف نصف مہر مسمّٰی کی مستحق ہوگی مگر انھون نے حنفیہ سے اس امر مین اختلاف کیا ہے کہ جب مہر تفویض یا مہر تحکیم زوجہ کا بعد نکاح قرار دیا گیا ہو اور شوہر اُسکو قبل زفاف طلاق دیدے تو زوجہ ایسے مہر کا نصف پانے کی اُسی طرح مستحق ہوگی جسطرح مہر مسمّٰی کا نصف پانے کی مستحق ہوتی ہے[1] -

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر نے قبل زفاف طلاق دیدیا ہو اور تعیین مہر نہوئی ہو تو شوہر پر بطور نذر کچھ زوجہ کو دینا واجب ہے - مگر یہ بھی شوہر کو اُسوقت واجب ہے جبکہ طلاق کا سبب اُسکی طرف سے پیدا ہوا ہو - مثلاً جب شوہر اور زوجہ مین تفرقہ اس سبب سے واقع ہو کہ شوہر عنین یعنی نامرد ہو یا مرتد ہو گیا ہو یا جب اُنکے تفرقہ کا سبب طلاق ہوا ہو اور زفاف یا خلوت صحیحہ نہوئی ہو اور تعیین مہر قبل نکاح ہو چکی ہو تو اِس صورت مین شوہر پر فرض ہے کہ زوجہ کو کچھ نذر دے - لکن اگر تفرقہ کا سبب زوجہ کی طرف سے پیدا ہوا ہو تو شوہر کے ذمہ کچھ نذر کرنا شرعاً نہین عائد ہوگا - مثلاً اگر زوجہ مرتد ہو جائے یا مرتکب زنا ہو یا عدم کفاءت یا تدلیس وغیرہ کی وجہ سے نکاح کو منسوخ کر دے جسکا اختیار اُسکو شرعاً دیا گیا ہے تو وہ بطور نذر کچھ پانے کی مستحق نہین ہے[2]

[1] جامع الشتات - ارشاد علامہ - ۲ امنہ [2] فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۲۸ - ۲۲۹ - ۱۲ منہ

جز مؤجل فسخ نکاح کے بعد نہین ادا کیا جاتا۔ لیکن یہ کچھ ضرور نہین ہے کہ جب مہر زوجہ کے قبضہ مین آجائے تب وہ اپنے حقوق کو اُسکی نسبت عمل مین لا سکتی ہے۔ مہر مؤجل کی نسبت عورت کو اختیار ہے کہ جس شخص کو چاہے سپرد کردے اور اُس شخص کو اختیار ہے کہ جب وہ مہر واجب الادا ہوجائے تو شوہر سے یا اُسکی جائداد سے وصول کرلے۔

شرائع الاسلام مین صاف لکھا ہے کہ[1] بمحض معاہدہ نکاح کے رو سے مہر زوجہ کا مال ہوجاتا ہے (جب زفاف وقوع مین آیا ہو) اور اُسکا اختیار ہے کہ عین مہر پر قبضہ پانے سے پیشتر جو چاہے اُسکو کرے علاوہ اپنا مہر شوہر کو یا کسی غیر آدمی کو ہبہ کرسکتی ہے جب وہ ایسا کرے تو شوہر مہر سے بری الذمہ ہوجائیگا اور زوجہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے مہر کا مبادلہ شوہر کی اور کسی جائداد سے کرلے۔ جب مہر کا مبادلہ کسی جائداد سے کیا جاتا ہے تو اُسکو بیع مقاصات کہتے ہین۔

فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[2] عورت شوہر کو مہر ہبہ کرسکتی ہے اور کوئی ولی اُسکا یہانتک کہ اُسکا باپ بھی اُسکے اس فعل پر اعتراض[3] نہین کرسکتا[4]۔ وہ اپنے شوہر کو کل دین مہر یا اُسکے کسی جزو سے بری الذمہ کرسکتی ہے۔ مگر اُسکا بری الذمہ کرنا اُسوقت شرعًا معتبر ہوگا کہ جب وہ صحیح و سالم اور صحیح العقل ہو۔ ہندوستان مین اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عورت عالم احتضار مین مہر شوہر کو معاف کردیتی ہے۔ یہ امر مشکوک ہے کہ جانکنی کے عالم مین مہر معاف کردینا کہانتک جائز ہے[5]۔ اگر زوجہ نابالغہ اپنا مہر معاف کردے تو غالبًا جائز نہوگا تاوقتیکہ اُسکا ولی تصدیق نہ کردے۔

حنفیہ[6] کے نزدیک باپ اپنی بیٹی کے مہر کو اُسکے شوہر کے خاطر سے نہین گھٹا سکتا۔ مگر شیعون کے نزدیک باپ یا دادا ایسا کرسکتا ہے یعنی مہر مین تخفیف کرسکتا ہے الا اینکہ کسی وجہ سے یہ یقین ہوسکے کہ فریب سے ایسا[7] کیا گیا ہے۔ مگر باپ یا دادا کو یہ ہرگز اختیار نہین ہے کہ دختر نابالغ کے شوہر کو کل مہر[8] معاف کردے۔

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۶ ۳۴۴ — [2] متن — [3] فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[4] مہر معاف کرنا اُسوقت جائز ہے کہ جب عورت اُسکو معاف کرنے کے وقت مرض الموت مین نہ مبتلا ہو — [5] فتاوائے عالمگیری ۴۴۶ ۳۴۴ — [6] متن — [7] جامع الشتات — [8] متن شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۵ ۔ ۲۹۶

شوہر کے اَور دیون کے مانند مہر بھی ایک دین یا قرضہ ہے اور تمام حقوق وصیت اور حقوق وراثت پر مقدم ہے۔ متوفی کی جائداد نہین تقسیم ہو سکتی تاوقتیکہ دین مہر نہ ادا کر دیا جائے۔

جب زوجہ زندہ ہو تو وہ خود اپنا مہر شوہر کی جائداد سے لے سکتی ہے۔ جب وہ مر جائے تو اُسکے ورثہ یا قائم مقامان شرعی اُسکا مہر وصول کرنے کے مستحق ہین۔

شرع محمدی مین کفالت بغیر قبضہ جائز نہین ہے اور زن بیوہ کو کوئی حق انتقال اپنے شوہر متوفی کی کسی جائداد مین نہین رکھتی ہے تاکہ اُس جائداد کو کسی مشتری کے ہاتھ مکفول کر سکے جیسا رہن مین ہوتا ہے۔ زوجہ کا حق مہر صرف ایک دین شوہر کی جائداد پر ہے اور حقوق وصیت اور حقوق وراثت پر تقدم رکھتا ہے[1]۔ اور جب زوجہ شوہر کی جائداد پر مہر کا دعوے کر کے قبضہ واقعی شرعی پا جائے تو اُسپر اُسوقت تک قابض رہیگی جبتک کہ اُسکا مہر ادا ہو جائے اور شوہر کے ورثہ کو حساب سمجھانے کی ذمہ دار رہیگی[2]۔ ہائی کورٹ کلکتہ نے مقدمہ احمد حسین بنام خدیجہ بیگم یہ تجویز کیا کہ جب مہر کے مقدار نہ دریافت ہو سکے مگر بیوہ عورتین اپنے شوہرون کی جائداد پر بعوض اپنے مہر کے قابض ہون تو اُنکو ایک حق اُس جائداد مین اُسوقت تک حاصل رہیگا جبتک کہ اُنکا مہر ادا ہو جائے[3]

اگر کوئی بیوہ کسی جائداد پر بعوض مہر قبضہ پا چکی ہو اور اُسکے شوہر کا کوئی وارث اُسکا قبضہ اُٹھا دیوے تو اس وارث کو وہ جائداد اس شرط سے ملیگی کہ بیوہ کا حق مہر اُسپر باقی رہیگا[4]۔

جو بیوہ اپنے مہر کے عوض مین شوہر کی جائداد پر قابض ہو اُسپر بیدخلی کی نالش نہین ہو سکتی تاوقتیکہ یہ نہ بیان کیا جائے کہ اُسکا مہر ادا ہو چکا ہے۔

تمادی ایام کا عذر مہر مؤجل مین اسوقت تک نہین عارض ہو سکتا جبتک کہ وہ مہر شوہر یا زوجہ کے مر جانے سے یا طلاق کی وجہ سے واجب الادا نہو جائے۔ مگر مہر معجل ایسا قرضہ ہے

---

[1] مقدمہ وحید النسا بنام شجراتن لا رپورٹ بنگالہ جلد ۶ صفحہ ۴ ۵ ۔۔ ۱۲ منہ [2] مقدمہ پنچن بنام حامد حسین لا رپورٹ بنگالہ جلد ۱۰ ۔۔ ۱۲ منہ [3] لا رپورٹ بنگالہ جلد ۳ صفحہ ۵ ۷ ۱ ۔۔ ۱۲ منہ [4] مقدمہ امید علی بنام سیف حسن لا رپورٹ بنگالہ جلد ۳ صفحہ ۵ ۷ ۱ ۔۔ ۱۲ منہ

شوہر کے اور دیون کے مانند مہر بھی ایک دین یا قرضہ ہے اور تمام حقوق وصیت اور حقوق وراثت پر مقدم ہے - متوفی کی جائداد نہین تقسیم ہو سکتی تا وقتیکہ دین مہر نہ ادا کر دیا جائے -

جب زوجہ زندہ ہو تو وہ خود اپنا مہر شوہر کی جائداد سے لے سکتی ہے - جب وہ مرجائے تو اُسکے ورثہ یا قائم مقامان شرعی اُسکا مہر وصول کرنے کے مستحق ہین -

شرع محمدی مین کفالت بغیر قبضہ جائز نہین ہے اور زن بیوہ کو کوئی حق انتقال اپنے شوہر متوفی کی کسی جائداد مین نہین رکھتی ہے تاکہ اُس جائداد کو کسی مشتری کے ہاتھ منتقل کر سکے جیسا رہن مین ہوتا ہے - زوجہ کا حق مہر صرف ایک دین شوہر کی جائداد پر ہے اور حقوق وصیت اور حقوق وراثت پر تقدم رکھتا ہے[1] - اور جب زوجہ شوہر کی جائداد پر مہر کا دعوے کر کے قبضہ واقعی شرعی پا جائے تو اُسپر اُسوقت تک قابض رہیگی جبتک کہ اُسکا مہر ادا ہو جائے اور شوہر کے ورثہ کو حساب سمجھانے کی ذمہ دار رہیگی[2] - ہائی کورٹ کلکتہ نے مقدمہ احمد حسین بنام خدیجہ بیگم یہ تجویز کیا کہ جب مہر کے مقدار رقم دریافت ہو سکے مگر بیوہ عورتین اپنے شوہرون کی جائداد پر بعوض اپنے مہر کے قابض ہون تو اُنکو ایک حق اُس جائداد مین اُسوقت تک حاصل رہیگا جبتک کہ اُنکا مہر ادا ہو جائے[3]

اگر کوئی بیوہ کسی جائداد پر بعوض مہر قبضہ پا چکی ہو اور اُسکے شوہر کا کوئی وارث اُسکا قبضہ اُٹھا دے تو اس وارث کو وہ جائداد اس شرط سے ملیگی کہ بیوہ کا حق مہر اُسپر باقی رہیگا[4] -

جو بیوہ اپنے مہر کے عوض مین شوہر کی جائداد پر قابض ہو اُسپر بیدخلی کی نالش نہین ہو سکتی تا وقتیکہ یہ نہ بیان کیا جائے کہ اُسکا مہر ادا ہو چکا ہے -

تمادی ایام کا عذر مہر مؤجل مین اسوقت تک نہین عارض ہو سکتا جبتک کہ وہ مہر شوہر یا زوجہ کے مرجانے سے یا طلاق کی وجہ سے واجب الادا نہو جائے - مگر مہر معجل لیا قرضہ سے

---

[1] مقدمہ وحید النسا بنام شجاعت لا رپورٹ بنگالہ جلد ۶ صفحہ ۴۵ — ۱۲ منہ [2] مقدمہ منجن بنام حامد حسین لا رپورٹ بنگالہ جلد ۱۰ — ۱۲ منہ [3] لا رپورٹ بنگالہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ — ۱۲ منہ [4] مقدمہ امیدعلی بنام سیف حسن لا رپورٹ بنگالہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ — ۱۲ منہ

اُسکے ہاتھ بعوض اُسکے مہر کے فروخت کر ڈالے یا مال تو اس صورت میں بھی زوجہ اُسکے ساتھ ہمبستری سے انکار کر سکتی ہے تاوقتیکہ مال مذکور اُسکو نہ دیدیا جائے۔

جب وہ جائداد جو زوجہ کے نام بمعاوضہ مہر لکھدی گئی ہو اُسکو دیئے جانے سے پیشتر ضائع ہو جائے یا کوئی تیسرا شخص اُسپر دعویٰ کرے تو شوہر پر فرض ہے کہ اُسکی قیمت جائداد زوجہ کو دیدے اگر وہ جائداد جو مہر میں لکھدی گئی ہو اُس سے کم قیمت ہو جتنی قیمت اُسکی بیان کی گئی ہے تو زوجہ کو قبل زفاف اختیار ہے کہ اُسکا معاوضہ یا اُسکے بجائے دوسری جائداد طلب کرے۔ مگر جب زفاف ہو چکا ہو تو یہ خیال کیا جائیگا کہ زوجہ حق معاوضہ سے دست بردار ہو گئی ہے۔

مہر سے متعلق متفرق اصول

سابق میں بیان کیا گیا کہ زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پیشتر ایک شرط ضروری جواز نکاح کی یہ تھی کہ شوہر کو لازم تھا کہ کچھ مہر زوجہ کا مقرر کردے اور وہ مہر زوجہ کا مال مخصوص وبلا شرکت غیر ہو جاتا تھا اُس زمانہ میں عموماً یہی دستور تھا گو معین و منضبط قوانین کے نہ ہونے کی وجہ سے اِس دستور کی پابندی کم کیجاتی تھی بلکہ اکثر اسکی خلاف ورزی کیجاتی تھی۔

اُس زمانہ کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے گو قبائل عرب میں مہر کا دستور جاری تھا تاہم اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شوہر اپنی زوجہ کا سب مال و اسباب چھین کر اُس بیچاری کو فقیر و محتاج کر دیتا تھا۔ اِس ظلم و نا انصافی کی ممانعت قطعی قرآن مجید میں کر دی گئی ہے اور عرب سے یہ کہدیا گیا ہے الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا یعنی طلاق دو مرتبہ ہو سکتا ہے اور جب تم اپنی بیبیوں کو طلاق دو تو اُنکے ساتھ نیکی کرو اور تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ جو تمنے اُنکو دیا ہے اُسکو پھیر لو (سورۂ بقر آیت ۲۲۹)۔

قبائل یہود جو عرب میں سکونت پذیر تھے اُنمیں اور ہی دستور تھا یعنی اُنمیں یہ رسم تھا کہ زوجہ کا مہر اور جہیز جو وہ اپنے گھر سے لاتی تھی دونوں شوہر کے قبضہ میں تا ہنگام فسخ نکاح رہتے تھے[1]

---

[1] مجموعہ قوانین یہود۔ اور ابن عذیر کی کتاب جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ و ۸۸ و ۴ ۱۵ ـ ۱۲ متن۔

اُسکے ہاتھ بعوض اُسکے مہر کے فروخت کر ڈالے یا ما تو اس صورت مین جو زوجہ اُسکے ساتھ مجامعت سے انکار کر سکتی ہے تا وقتیکہ مال مذکور اُسکو دیدیا جائے۔

جب وہ جائداد جو زوجہ کے نام بمعاوضہ مہر لکھدی گئی ہو اُسکو دیدی جائے تو اُسکی ملکیت قطعی ہو جاتی ہے اگر کوئی تیسرا شخص اُسپر دعویٰ کرے تو شوہر پر فرض ہے کہ اُسکی ملکیت جائداد زوجہ کو دیدے اگر وہ جائداد جو مہر مین لکھدی گئی ہو اور بعد کو تلف ہو جائے یا اُسکی قیمت اُس سے کم ہو جتنی قیمت اُسکی بیان کی گئی ہے تو زوجہ کو قبل زفاف اختیار ہے کہ اُسکا معاوضہ یا اُسکے بجائے دوسری جائداد طلب کرے مگر جب زفاف ہو چکا ہو تو یہ خیال کیا جائیگا کہ زوجہ حق معاوضہ سے دست بردار ہو گئی ہے۔

مہر سے متعلق متفرق اصول

سابق مین بیان کیا گیا کہ زمانۂ جاہلیت مین یعنی اسلام سے پیشتر ایک شرط ضروری جواز نکاح کی یہ تھی کہ شوہر کو لازم تھا کہ کچھ مہر زوجہ کا مقرر کردے اور وہ مہر زوجہ کا مال مخصوص و بلا شرکت غیر ہو جاتا تھا اُس زمانہ مین عموماً یہی دستور تھا گو معین و منضبط قوانین کے نہ ہونے کی وجہ سے اِس دستور کی پابندی کم کیجاتی تھی بلکہ اکثر اسکی خلاف ورزی کیجاتی تھی۔

اُس زمانہ کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو قبائل عرب مین مہر کا دستور جاری تھا تاہم اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شوہر اپنی زوجہ کا سب مال و اسباب چھین کر اُس بیچاری کو فقیر و محتاج کر دیتا تھا۔ اِس ظلم و نا انصافی کی ممانعت قطعی قرآن مجید مین کردی گئی ہے اور عرب سے یہ کہدیا گیا ہے الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا یعنی طلاق دو مرتبہ ہو سکتا ہے اور جب تم اپنی بیبیون کو طلاق دو تو اُنکے ساتھ نیکی کرو اور تمھارے لیے حلال نہین ہے کہ جو تمنے اُنکو دیا ہے اُسکو پھیر لو (سورۂ بقر آیت ۲۲۹)۔

قبائل یہود جو عرب مین سکونت پذیر تھے اُنمین اور ہی دستور تھا یعنی اُنمین یہ رسم تھا کہ زوجہ کا مہر اور جہیز جو وہ اپنے گھر سے لاتی تھی دونون شوہر کے قبضہ مین تا ہنگام فسخ نکاح رہتے تھے[1]

[1] مجموعہ قوانین یہود۔ اور ابن عذیر کی کتاب جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ و ۸۸ و ۱۵۴-۱۲ متن

خواہ مہر پر نزاع شوہر و زوجہ کی حیات مین پیدا ہو خواہ اُنکے وفات کے بعد پیدا ہو۔ مگر جب شوہر اور زوجہ مین سے کوئی وقوع نکاح کا انکار کرے یا یہ کہے کہ زبردستی یا بفریب نکاح کر لیا گیا تھا یا یہ بیان کرے کہ جو معاہدہ نکاح کے وقت ہوا تھا اُسمین ترمیم ہوگئی ہے یا اُسکے بدلے دوسرا معاہدہ کیا گیا ہے تو ایسی صورتون مین مہر کا جھگڑا طے کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور اُن قواعد پر نظر کرنا لازم ہوجاتا ہے جو فقہاے اسلام نے تنازعات مہر کا تصفیہ کرنے کے لیے مقرر کیے ہین۔ کفایہ مین یہ لکھا ہے کہ "مہر کا جھگڑا خود متناکحین مین انکی حیات مین یا اُنکی وفات کے بعد اُنکے ورثہ مین یا اُنمین سے ایک کی وفات کے بعد اُسکے ورثہ مین اور جو زندہ ہے اُسکے ورثہ مین ہوتا ہے اگر متناکحین کے حین حیات مہر پر تنازع واقع ہو تو قبل طلاق ہوگا یا بعد طلاق۔ اور ان سب صورتون مین تنازع مہر معین کی مقدار کے باب مین ہوگا یا اِس امر مین کہ کوئی مہر نکاح مین معین ہوا تھا یا نہین[1]۔

سابق مین عرض کیا گیا کہ معاہدۂ نکاح کو قلمبند کرنا کچھ ضرور نہین ہے۔ بلکہ فتاواے عالمگیری مین یہانتک لکھا ہے کہ "اگر شوہر مہر لکھدینے پر راضی نہو تو اُسپر جبر نہ کیا جائے"[2]۔ پس معاہدۂ زبانی نکاح کا اور اقرار زبانی مہر کا بھی شرعاً ویسا ہی جائز ہے جیسا معاہدہ تحریری نکاح کا اور اقرار تحریری مہر کا

چونکہ اب تمام مہذب اور شائستہ اقوام اہل اسلام مین یہ دستور ہوگیا ہے کہ شادی سے پیشتر شرائط نکاح قلمبند کر لیے جاتے ہین لہذا جو مثالین قدماے فقہاے اسلام نے تنازعات مہر کی لکھی ہین اُنکو بیان کرنے سے کوئی فائدہ عملی متصور نہین ہے تاہم وہ مثالین محض بیفائدہ نہین ہین اسواسطے کہ ہندوستان مین بھی بعض مقدمات ایسے نکل آتے ہین جنمین مہر شوہر و زوجہ کے صرف اقرار زبانی پر موقوف ہوتا ہے۔

جب معاہدۂ نکاح قلمبند کر لیا گیا ہو اور نکاحنامہ مین مقدار مہر کی تصریح کردی گئی ہو تو شوہر مجال انکار نہین رکھتا اور یہ نہین کہسکتا کہ میرا ارادہ اتنا مہر مقرر کرنے کا نہ تھا بلکہ اِس سے بالکل مختلف مقدار

[1] کفایہ صفحہ ۲۰۸ بیلی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۱۳۰ - ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۰۵ - ۱۲ منہ

معین کرنے کا تھا البتہ یہ کہ سکتا ہے کہ اتنی مقدار مہر نکاحنامہ مین فریب سے لکھ لیگئی ہے۔

جب کوئی معاہدہ تحریری نکاح کا نہو اور شوہر و زوجہ کی حیات مین مقدار مہر پر جھگڑا ہو تو نہ تو مہر المثل کو معیار قرار دیکر شوہر و زوجہ دونون کے بیانات جانچے جائین۔ مثلاً اگر زوجہ کہے کہ میرا مہر پانچہزار روپیہ مقرر کیا گیا تھا اور شوہر کہے کہ صرف اڑھائی ہزار مہر مقرر ہوا تھا تو یہ دریافت کرنا چاہئیے کہ اس عورت کا مہر المثل کیا ہوگا۔ اگر اسکا مہر المثل پانچہزار سے کم نہ قرار پاے تو ظن غالب یہ ہوگا کہ زوجہ کا بیان مطابق واقعہ ہے[1]۔

یہی اصول جب بھی صادق آئیگا کہ جب شوہر یا زوجہ کی وفات کے بعد مہر پر جھگڑا ہو۔ یعنی جب مہر کی ٹھیک ٹھیک مقدار دریافت کرنا ممکن نہو تو زوجہ یا اُسکے ورثہ مہر المثل پانے کے مستحق ہونگے۔ مگر یہ اُس صورت مین ہوگا کہ جب طرفین سے کوئی ثبوت اسکا نہ بہم پہونچ سکے کہ نکاح کے وقت کیا مقدار مہر مقرر ہوئی تھی۔ لکن اگر کوئی عورت ایسے وجوہ پیش کرے جنسے ثابت ہو جاے کہ اسکا مہر المثل سے زیادہ ہے تو ایسے وجوہ پیش کرنا منع نہین ہے۔ چنانچہ الجیرس کی عدالت نے اسی اصول کو ایک مقدمہ مین جاری کیا جسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص تین ازواج چھوڑکر مرگیا اُنمین سے دو زوجیون نے ثبوت قطعی اپنے مہر کا پیش کیا مگر تیسری زوجہ کچھ ثبوت نہ دے سکی اور کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے ثابت ہوتا کہ اُسکے مہر کی مقدار اُن دونون کے مہر سے کم تھی۔ عدالت نے اس اصول مین قاضی کے ساتھ اتفاق راے کرکے یہ تجویز کیا کہ یہ زوجہ بھی اُسی صداق کی مستحق ہے جسکی مستحق اور دو زوجین ہین۔

جب تعداد مہر قلمبند کرلیگئی ہو اور شوہر بیان کرے کہ یہ تعداد زبردستی یا فریب سے لکھدی گئی ہے تو اس دعوی کا ثبوت شوہر پر عائد ہوگا۔ اور جب زوجہ کی طرف سے یہ بیان کیا جاے کہ جو مقدار مہر نکاحنامہ مین لکھی ہے اُس سے زیادہ مہر بندھا تھا تو اسکا بار ثبوت زوجہ پر ڈالا جائیگا[2]۔

ایسی صورتین بھی ہوتی ہین کہ بعض نکاح پوشیدہ طور سے اور زبانی مہر قلیل پر کرلیا جاتا ہے اور لوگون سے

[1] فتاوائے عالمگیریہ صفحہ ۲۹۵ ۔ [2] جامع الشتات ۲۱ صفحہ — فتاوائے عالمگیریہ صفحہ ۲۰۱ ۔ ۲۱ صفحہ — فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۲۱ و ۲۲۰ ۔ جامع الشتات

بہت زیادہ مہر بیان کیا جاتا ہے یا نکاحنامہ مین مہر کثیر لکھ لیا جاتا ہے - ایسی صورتون مین یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جو مہر لوگون سے بیان کیا گیا ہے یا جو نکاحنامہ مین لکھا گیا ہے وہی مہر واجب تصور کیا جائیگا[1] -

جب کوئی شخص نکاح مین وکالت کرنا اور ایک مہر معین طے کرنا قبول کرے مگر متبنی مہر کی اجازت اُسکو دیگئی ہو اُس سے زیادہ مہر بفریب مقرر کرے تو اسکا ذمہ دار صرف شوہر ہوگا اگر قبل زفاف اُسکو اُس فریب کا شبہ ہوا ہو لیکن اگر زوجہ کو قبل زفاف اپنے شوہر کے وکیل کے فریب کا حال معلوم ہوگیا ہو تو وہ صرف اُس رقم کے پانے کی مستحق ہوگی جسکی اجازت نفس الامر مین دیگئی تھی -

اگر شوہر اور زوجہ دونون اُس فریب سے آگاہ تھے تو شوہر کل مہر کا ذمہ دار ہوگا

جب یہ بیان کیا جائے کہ پہلے معاہدہ مین مابعد کے معاہدہ سے ترمیم ہوگئی ہے تو جو فریق یہ بیان کرے اُسی پر اسکا بار ثبوت ڈالا جائیگا[2] -

جب کوئی خاص مقدار مہر نکاح مین قرار دیجائے اور شوہر قبل زفاف زوجہ سے جدا ہو جائے یا اسکو طلاق دیدے تو زوجہ نصف مہر کی مستحق ہوگی - اگر نکاح مین کچھ مقدار مہر کی نہ مقرر کی گئی ہو تو زوجہ نصف مہر المثل کی مستحق ہوگی[3]

مذکورہ ذیل صورتون مین عورت کچھ مہر پانے کی مستحق نہین ہے اگر اُسمین اور اُسکے شوہر مین قبل زفاف تفرقہ پڑگیا ہو -

(۱) جب دو نابالغ بغیر اذن اپنے ولیون کے نکاح کرلین اور ولیون کی تحریک سے اُنکا نکاح منسوخ کیا جائے[4] -

(۲) جب اُس نکاح کو جو نابالغون کی طرف سے کرلیا گیا ہو خود وہ نابالغ بہ تعمیل خیار البلوغ منسوخ کردین[5] -

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۴ - فصول عمادیہ - جامع الشتات اور مقدمات مندرجہ رپورٹ صدر عدالت دیوانی کلکتہ جلد ۱ - صفحہ ۲۷۹ - اور جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ - ۱۲ منہ [2] محمد عاصم کا رسالہ نکاح اور لاسیل صاحب کی کتاب ۲ - ۱۲ منہ
[3] اس کتاب مین باب النکاح ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [4] ایضاً ایضاً - ۱۲ منہ [5] ایضاً ایضاً - ۱۲ منہ

بہت زیادہ مہر بیان کیا جاتا ہے یا نکاحنامہ مین مہر کثیر لکھ لیا جاتا ہے۔ ایسی صورتون مین یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جو مہر لوگون سے بیان کیا گیا ہے یا جو نکاحنامہ مین لکھا گیا ہے وہی مہر واجب تصور کیا جائیگا۔[1]

جب کوئی شخص نکاح مین وکالت کرتا اور ایک مہر معین طے کرنا قبول کرے مگر متبنی مہر کی اجازت اسکو دیگئی ہو اُس سے زیادہ مہر بفریب مقرر کرے تو اسکا ذمہ دار صرف شوہر ہوگا اگر قبل زفاف اسکو اُس فریب کا شبہ ہوا ہو لیکن اگر زوجہ کو قبل زفاف اپنے شوہر کے وکیل کے فریب کا حال معلوم ہوگیا ہو تو وہ صرف اُس رقم کے پانے کی مستحق ہوگی جسکی اجازت نفس الامر مین دیگئی تھی۔

اگر شوہر اور زوجہ دونون اُس فریب سے آگاہ تھے تو شوہر کل مہر کا ذمہ دار ہوگا

جب یہ بیان کیا جائے کہ پہلے معاہدہ مین ما بعد کے معاہدہ سے ترمیم ہوگئی ہے تو جو فریق یہ بیان کرے اُسی پر اسکا بار ثبوت ڈالا جائیگا۔[2]

جب کوئی خاص مقدار مہر نکاح مین قرار دیجائے اور شوہر قبل زفاف زوجہ سے جدا ہوجائے یا اسکو طلاق دیدے تو زوجہ نصف مہر کی مستحق ہوگی۔ اگر نکاح مین کچھ مقدار مہر کی نہ مقرر کیگئی ہو تو زوجہ نصف مہر المثل کی مستحق ہوگی[3]

مذکورہ ذیل صورتون مین عورت کچھ مہر پانے کی مستحق نہین ہے اگر اُسمین اور اُسکے شوہر مین قبل زفاف تفرقہ پڑگیا ہو۔

(۱) جب دو نابالغ بغیر اذن اپنے ولیون کے نکاح کرلین اور ولیون کی تحریک سے اُنکا نکاح منسوخ کیا جائے۔[4]

(۲) جب اُس نکاح کو جو نابالغون کی طرف سے کرلیا گیا ہو خود وہ نابالغ بہ تعمیل خیار البلوغ منسوخ کردین۔[5]

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۴۴۔ فصول عمادیہ۔ جامع الشتات اور مقدمات مندرجہ رپورٹ صدر عدالت دیوانی کلکتہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۹۔ اور جلد ۲ صفحہ ۱۹۹۔ ۱۲ منہ [2] محمد جاسم کا رسالہ نکاح اور لا سیل صاحب کی کتاب ۲۔ ۱۲ منہ

[3] اس کتاب مین باب النکاح ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [4] ایضاً ایضاً۔ ۱۲ منہ [5] ایضاً ایضاً۔ ۱۲ منہ

الجیرس کی عدالت نے یہ تجویز کیا ہے کہ باپ پر بیٹی کو جہیز دینا فرض نہیں ہے اور اگر وہ اسکو جہیز دے تو اسکی قیمت اسکے مہر سے وصول کر سکتا ہے۔

ہندوستان مین باپ پر بیٹی کو جہیز دینا واجب ہے اِلّا اسکے وہ بالکل غریب و نادار ہو اس صورت مین یہ فرض شوہر پر عائد ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کچھ روپیہ اپنے آئندہ کے زوجہ کے جہیز کے لیے قرض دے تو اسکے باپ پر فرض ہے کہ اگر وہ ذی مقدور ہو تو اسی قدر روپیہ یا اسقدر جسقدر موافق رواج ہو وہ بھی اپنی بیٹی کے جہیز کے لیے دے[1]۔

جو جہیز دولھن اپنے باپ کے گھر سے لاتی ہے وہ اسی کا مال رہتا ہے اور اسکے شوہر کو اُسپر کچھ اختیار نہین ہوتا۔ اور جو اسباب شادی کا شوہر اسکے لیے مہیا کرتا ہے وہ بھی اسی کا مال رہتا ہے۔

ولیمہ یعنی شادی کی دعوت کا خرچ شوہر دیتا ہے۔ اور زوجہ کو گھر کے خرچ کے لیے کچھ نہین دینا پڑتا وہ بھی شوہر کے سر ہے۔

شوہر و زوجہ کی جائداد ہمیشہ علیحدہ علیحدہ رہتی ہے۔ ابتداء زوجیت مین تو یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ شوہر کا مال کتنا ہے اور زوجہ کا کتنا ہے۔ لیکن جب شوہر و زوجہ کی یکجائی کو ایک عرصہ گذر جاتا ہے تو اُن دونون کی جائداد مین تمیز کرنا دشوار ہو جاتا ہے اگر اس صورت مین شوہر اور زوجہ مین یا اُنکی وفات کے بعد اُنکے ورثہ مین اُن دونون کے مشترک اثاث البیت پر جھگڑا ہوا اور کوئی ثبوت قطعی نہ بہم پہونچے تو شرعاً یہ قیاس کیا جائیگا کہ جو چیزین عرفاً عورتون کی ہوتی ہین وہ زوجہ کا مال ہے اور جو اشیاء رواجاً مرد کی ہوتی ہین وہ شوہر کا مال ہے اور جو چیزین دونون کا مال ہون اُنکی حقیت کا تصفیہ رسم و

---

[1] اسکو دست پیان کہتے ہین۔ ۱۲ منہ [2] جامع الشتات۔ حمید سرخسی۔ فتاوی عالمگیری مین لکھا ہے کہ دو جہیز کی مقدار مناسب یہ ہے کہ دست پیان کے ہر ایک دینار کے مقابل مین تین یا چار دینار کا جہیز ہونا چاہیئے۔ ۱۲ منہ

رواج مختص المقام کے روسے کیا جائیگا۔

گیارھوان باب

فسخ نکاح۔ رسوم زمانہ جاہلیت۔ طلاق۔
اختلافِ فرقِ اسلام۔

زمانہ سلف مین طلاق کا حق سب قومون مین نتیجہ ضروری ولابدی حق نکاح کا سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا اختیار دراصل شوہر کو دیا گیا تھا اور زوجہ کسی حال مین طلاق مانگنے کی مستحق نہ تھی۔

تہذیب وشائستگی کی ترقی اور خیالات کا عروج عورتون کی اصلاح حال کا باعث ہوا۔ اور انکو بھی ایک مقید حق طلاق حاصل ہوگیا اور اس حق کو عمل مین لانے مین انھون نے کبھی دریغ نہین کی یہانتک کہ قیاصرۂ روم کے عہد سلطنت مین جس آسانی سے نکاح اور طلاق ہونے لگا وہ تواریخ مین ضرب المثل ہے۔

یہود کی شریعت مین شوہر کو اختیار تھا کہ جب کسی سبب سے زوجہ سے ناراض ہو فوراً اُسکو طلاق دیدے اور اختیار طلاق کو خودرایانہ اور بلاوجہ عمل مین لانے کا کوئی مانع ومزاحم مرد کو نہ تھا اور قدیم یونانیون اور رومیون مین بھی شوہر کا اختیار طلاق ویسا ہی نامحدود اور غیر مقید تھا جیسا بنی اسرائیل مین تھا۔

آخر زمانہ مین یہود کے فرقۂ شمعیہ نے اختیار طلاق کی عمل درآمد کو چند قیود سے مقید کردیا مگر فرقۂ حلیل نے شریعت موسوی کے احکام طلاق کو اُسی حالتِ اصلی پر قائم رکھا۔

شارع اسلام م کی بعثت کے زمانہ مین فرقۂ حلیل کے مسائل عرب کے قبائل یہود مین جاری تھے۔ اور اُنمین بھی مشرکین عرب کی طرح طلاق کا رسم بہ شدت اور بکثرت جاری تھا

---

[۱] امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ جتنی چیزین خانہ داری کے لیے ضروری یا مفید ہون وہ شوہر و زوجہ مین سے اُسکی قرار دیجائینگی جو زندہ رہگیا ہو۔ فتاوائے قاضیخان اور فصول عمادیہ مین بھی یہ مسئلہ ملاحظہ ہو۔ ۱۲ مسم۔

رواج مختص المقام کے رو سے کیا جائیگا۔

گیارھوان باب

فسخ نکاح ۔ رسوم زمانۂ جاہلیت ۔ طلاق ۔ اختلافِ فرقِ اسلام۔

زمانۂ سلف مین طلاق کا حق سب قومون مین نتیجۂ ضروری ولابدی حق نکاح کا سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا اختیار دراصل شوہر کو دیا گیا تھا اور زوجہ کسی حال مین طلاق مانگنے کی مستحق نہ تھی۔

تہذیب و شائستگی کی ترقی اور خیالات کا عروج عورتون کی اصلاح حال کا باعث ہوا۔ اور انکو بھی ایک مقید حق طلاق حاصل ہو گیا اور اس حق کو عمل مین لانے مین انھون نے کبھی دریغ نہین کی یہانتک کہ قیاصرۂ روم کے عہد سلطنت مین جس آسانی سے نکاح اور طلاق ہونے لگا وہ تواریخ مین ضرب المثل ہے۔

یہود کی شریعت مین شوہر کو اختیار تھا کہ جب کسی سبب سے زوجہ سے ناراض ہو فوراً اسکو طلاق دیدے اور اختیار طلاق کو خود رایانہ اور بلا وجہ عمل مین لاتے کا کوئی مانع و مزاحم مرد کو نہ تھا اور قدیم یونانیون اور رومیون مین بھی شوہر کا اختیار طلاق ویسا ہی نامحدود اور غیر منقید تھا جیسا بنی اسرائیل مین تھا۔

آخر زمانہ مین یہود کے فرقۂ شمعیہ نے اختیار طلاق کی عمل درآمد کو چند قیود سے مقید کر دیا مگر فرقۂ حلیل نے شریعت موسوی کے احکام طلاق کو اسی حالتِ اصلی پر قائم رکھا۔

شارع اسلام م کی بعثت کے زمانہ مین فرقۂ حلیل کے مسائل عرب کے قبائل یہود مین جاری تھے۔ اور انمین بھی مشرکین عرب کی طرح طلاق کا رسم بہ شدت اور بکثرت جاری تھا

سلہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ جتنی چیزین خانہ داری کے لیے ضروری یا مفید ہون وہ شوہر و زوجہ مین سے اسکی قرار دیجاینگے جو زندہ رگیا ہو۔ فتاواے قاضیخان اور فصول عمادیہ مین بھی یہ مسئلہ ملاحظہ ہو۔ ۱۲ منہ۔

شارع اسلام نے جب قانون طلاق مقرر کیا تو میں چند شروط شوہر کے اختیار طلاق کی عملدرآمد میں اِس غرض سے لگا دیے ہین کہ جہانتک ممکن ہو عورتون کی حفاظت ہو اور شوہرون کی تلون مزاجی سے وہ دربدر خاک بسر ہونے پائین۔

شارعِ اسلام نے عورتون کو بھی بعض حالات مین فسخ نکاح کا حق عطا فرمایا ہے جب فسخ عقد شوہر کی جانب سے ہو تو اُسکو طلاق کہتے ہین۔ اور جب زوجہ کی جانب سے ہو تو اُسکو خُلع کہتے ہین۔ اور جب طرفین کی جانب سے ہو تو اُسکو مبارات کہتے ہین۔

اِن سب صورتون مین جواز طلاق قاضی کے حکم پر موقوف نہین ہے۔ صرف طرفین کا فعل شرعًا کافی ہے بشرطیکہ تمام شروط ضروریۂ طلاق کی تعمیل کیجائے۔

مگر بعض صورتون مین قاضی اِسکا مجاز ہے کہ شوہر یا زوجہ کی درخواست سے طلاق پڑھ دے یا نکاح کو منسوخ کردے۔

طلاق

اہل سنت کے نزدیک طلاق کی دو قسمین ہین۔ (۱) طلاق السنت (۲) طلاق البدعت

طلاق السنت وہ ہے جو اُن احادیث کے موافق دیا جائے جو رسول اللہ صلعم سے مروی ہین۔ یعنی جو طرز یا طریقۂ طلاق رسول اللہ صلعم نے پسند فرمایا ہے وہی طریقہ جائز اور ممدوح ہے۔

طلاق البدعت کے لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ وہ طلاق ہے جو بنی امیہ کے خلفا جور نے دوسری صدی ہجری مین یہ سمجھکر جاری کیا تھا کہ جو قیود جناب رسالتمآب صلعم نے طلاق پر لگا دیے ہین وہ نہایت سخت ہین اور اِس سختی سے بچنے کی سبیل یہ نکالی کہ فقہا کو نرم آسامی پاکر ایک نئی شکل طلاق کی اپنے مطلب کے موافق مقرر کروالی۔

شیعہ اور مالکیہ کے نزدیک طلاق البدعت ناجائز ہے اور حنفیہ اور شافعیہ

نزدیک جو طلاق بدعتی طریقہ سے پڑھا جاوے گو وہ جائز ہے گو اُسکا پڑھنے والا مرتکب گناہ ہوتا ہے۔

طلاق السنت کی دو قسمیں ہین۔ طلاق احسن۔ اور طلاق حسن۔ طلاق احسن مین شوہر کو یہ شرائط قبول کرنا ضرور ہے یعنی (۱) اُسکو چاہیئے کہ صیغہ طلاق ایکمرتبہ ایک ہی جملہ مین پڑھے۔ (۲) اُسکو چاہیئے کہ طلاق اُسوقت دے جب عورت طاہر ہو یعنی حائضہ نہو اور جب کوئی مانع شرعی جماع کا نہو (۳) اُسکو چاہیئے کہ صیغہ طلاق پڑھنے کے تین مہینہ بعد تک حقوق زوجیت کو عمل مین لانے سے پرہیز کرے۔ اِس شرط سے شارع کا مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ شوہر نے جو زوجہ کو طلاق دینے کا قصد کیا ہے تو یہ قصد سرسری نہین ہے بلکہ ارادہ مصمم وحتمی ہے۔ تین مہینہ یا تین طہر گذر جانے کے بعد طلاق مستحکم ہوجاتا ہے اور لائق منسوخی نہین باقی رہتا۔

طلاق حسن مین شوہر کو ضرور ہے کہ مہینہ مہینہ بھر کے بعد تین مرتبہ زوجہ کے طہر کی حالت مین صیغہ طلاق پڑھے۔ اور جب اخیر مرتبہ صیغہ طلاق پڑھا جائے تو طلاق لائق تنسیخ نہین باقی رہتا۔ شیعون کے نزدیک صرف یہی دو قسمین طلاق کی معتبر ہین جیسا سابق مین عرض کیا گیا۔

طلاق البدعت مین شوہر تین صیغہ طلاق ایک ہی مرتبہ پڑھ سکتا ہے خواہ زوجہ حالت طہر مین ہو خواہ نہو۔ جب عورت اپنا عدہ پورا کرلے تو طلاق مستحکم ہوجائیگا۔

سُنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک رجوع بعد طلاق جائز ہے یعنی اگر شوہر نے دفعتہً اور ایسے حالات مین جو بیان نہین ہوسکتی صیغۂ طلاق پڑھدیا ہو تو اُسکو اختیار رہے کہ تین مہینہ سے پیشتر جسوقت چاہے زوجہ کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ جب رجوع کا اختیار جاتا رہے تو طلاق بائن ہوجاتا ہے اور جبتک رجوع کا اختیار باقی رہے طلاق رجعی

[illegible] فتاویٰ عالمگیریہ ۔۔۔ ۴۹۲ ۔۔ ۱۲ منہ [illegible] شرایع الاسلام ۔ مفاتیح ۔ جامع الشتات ۔۔ ۱۲ منہ

نزدیک جو طلاق بدعتی طریقہ سے پڑھا جائے گو وہ جائز ہے گو اُسکا پڑھنے والا مرتکب گناہ ہوتا ہے۔

طلاق السنت کی دو قسمین ہین۔ طلاق اَحسَن۔ اور طلاق حَسَن۔ طلاق اَحسَن مین شوہر کو یہ شرائط قبول کرنا ضرور ہے یعنی (۱) اُسکو چاہیئے کہ صیغہ طلاق ایک مرتبہ ایک ہی جلسہ مین پڑھے۔ (۲) اُسکو چاہیئے کہ طلاق اُسوقت دے جب عورت طاہر ہو یعنی حائضہ نہو اور جب کوئی مانع شرعی جماع کا نہو (۳) اُسکو چاہیئے کہ صیغہ طلاق پڑھنے کے تین مہینہ بعد تک حقوق زوجیت کو عمل مین لانے سے پرہیز کرے۔ اِس شرط سے شارع کا مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ شوہر نے جو زوجہ کو طلاق دینے کا قصد کیا ہے تو یہ قصد سرسری نہین ہے بلکہ ارادہ مصمم وحتمی ہے۔ تین مہینہ یا تین طہر گذر جانے کے بعد طلاق مستحکم ہو جاتا ہے اور لائق منسوخی نہین باقی رہتا۔

طلاق حَسَن مین شوہر کو ضرور ہے کہ مہینہ مہینہ بھر کے بعد تین مرتبہ زوجہ کے طُہر کی حالت مین صیغہ طلاق پڑھے۔ اور جب اخیر مرتبہ صیغہ طلاق پڑھا جائے تو طلاق لائق تنسیخ نہین باقی رہتا۔ شیعون کے نزدیک صرف یہی دو قسمین طلاق کی معتبر ہین جیسا سابق مین عرض کیا گیا۔

طلاق البدعت مین شوہر تین صیغہ طلاق ایک ہی مرتبہ پڑھ سکتا ہے خواہ زوجہ حالت طہر مین ہو خواہ نہو۔ جب عورت اپنا عدہ پورا کر لے تو طلاق مستحکم ہو جائیگا۔

سُنی اور شیعہ دونون کے نزدیک رجوع بعد طلاق جائز ہے یعنی اگر شوہر نے دفعتہً اور ایسے حالات مین جو بیان نہین ہو سکتی صیغہ طلاق پڑھ دیا ہو تو اُسکو اختیار رہے کہ تین مہینہ سے پیشتر جسوقت چاہے زوجہ کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ جب رجوع کا اختیار جاتا رہے تو طلاق بائن ہو جاتا ہے اور جبتک رجوع کا اختیار باقی رہے طلاق رجعی

سلہ فتاوای عالمگیری صفحہ ۴۹۲ — ۱۲ منہ سلہ شرائع الاسلام مفاتیح — جامع الشتات — ۱۲ منہ

شیعون کے نزدیک طلاق بالکنایہ موثر نہین ہے خواہ طلاق کا قصد طلاق دینے کا ہو خواہ نہو اور اگر طلاق کسی شرط پر موقوف رکھا جائے تو بھی موثر نہ ہوگا۔[1]

علاوہ اُس اختلاف کے جو سنی اور شیعہ مین طلاق بالصراحت اور طلاق بالکنایہ کے بابت ہے قابلیت طلاق کے باب مین بھی فریقین مین اختلاف بین ہے۔شیعون کے نزدیک طلاق کا صرف بالغ و عاقل ہونا ہی کافی نہین ہے بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار اور یہ سمجھکر کہ مین کیا کر رہا ہون طلاق دے۔

سنیون کے نزدیک عموماً بالغ و عاقل کے لیے طلاق دینا شرعاً جائز ہے اور کسی شرط کی تکمیل کی ضرورت نہین ہے۔

قابلیت طلاق

شیعون کے مذہب مین جواز طلاق چار شرطون پر موقوف ہے۔(۱) شوہر حد بلوغ کو پہونچ چکا ہو (۲) وہ عاقل ہو یعنی صحیح العقل ہو (۳) وہ برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار طلاق دے (۴) اُسکا ارادہ صریحاً طلاق دینے کا ہو۔

پس نابالغ اور مجنون صیغۂ طلاق پڑھکر فسخ نکاح نہین کر سکتے۔مگر نابالغ اور مجنون کی طلاق مین یہ فرق ہے کہ نابالغ شوہر کے ولی کو اُسکی طرف سے طلاق دینا شرعاً جائز نہین ہے لیکن مجنون کے ولی کو اُسکی طرف سے طلاق دینا جائز ہے۔جب مجنون کا کوئی ولی نہو تو قاضی کے حکم سے طلاق ہو سکتا ہے۔اس فرق کی علت یہ ہے کہ نابالغی ایک امر عارضی ہے مگر جنون ایک مرض دائمی ہے۔پس جو وقت قانون انگلستان کے بموجب مقدمہ سیکر بنام سیکر کے فیصلہ مین واقع ہوئی تھی کہ اس مقدمہ مین شوہر مجنون تھا اور جو کمیٹی اُسکے ولی نے مقرر کی تھی اُسنے زوجہ کے زانیہ ہونے کو طلاق کی وجہ قرار دیا تھا وہ دقت شیعون کے مذہب کے موافق نہین واقع ہو سکتی۔

---

[1] جامع الشتات۔شرایع الاسلام صفحہ ۱۴۳۔۱۲ منہ

شیعون کے نزدیک طلاق بالکنایہ موثر نہین ہے خواہ طلاق کا قصد طلاق دینے کا ہو خواہ نہو اور اگر طلاق کسی شرط پر موقوف رکھا جائے تو بھی موثر نہ ہوگا۔[1]

علاوہ اُس اختلاف کے جو سُنی اور شیعہ مین طلاق بالصراحت اور طلاق بالکنایہ کے بابت ہے قابلیت طلاق کے باب مین بھی فریقین مین اختلاف بین ہے۔ شیعون کے نزدیک طلاق کا صرف بالغ و عاقل ہونا ہی کافی نہین ہے بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار اور یہ سمجھکر کہ مین کیا کر رہا ہون طلاق دے۔

سنیون کے نزدیک عموماً بالغ و عاقل کے لیے طلاق دینا شرعاً جائز ہے اور کسی شرط کی تکمیل کی ضرورت نہین ہے۔

قابلیت طلاق

شیعون کے مذہب مین جواز طلاق چار شرطون پر موقوف ہے۔ (۱) شوہر حد بلوغ کو پہونچ چکا ہو (۲) وہ عاقل ہو یعنی صحیح العقل ہو (۳) وہ برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار طلاق دے (۴) اُسکا ارادہ صریحاً طلاق دینے کا ہو۔

پس نابالغ اور مجنون صیغۂ طلاق پڑھکر فسخ نکاح نہین کر سکتے۔ مگر نابالغ اور مجنون کی طلاق مین یہ فرق ہے کہ نابالغ شوہر کے ولی کو اُسکی طرف سے طلاق دینا شرعاً جائز نہین ہے لیکن مجنون کے ولی کو اُسکی طرف سے طلاق دینا جائز ہے۔ جب مجنون کا کوئی ولی نہو تو قاضی حاکم سے طلاق ہو سکتا ہے۔ اس فرق کی علت یہ ہے کہ نابالغی ایک امر عارضی ہے مگر جنون ایک مرض دائمی ہے۔ پس جو دقت قانون انگلستان کے بموجب مقدمہ سیکر بنام سیکر فیصلہ مین واقع ہوئی تھی کہ اس مقدمہ مین شوہر مجنون تھا اور جو کمیٹی اُسکے ولی نے مقرر کی تھی اُسنے زوجہ کے زانیہ ہونے کو طلاق کی وجہ قرار دیا تھا وہ دقت شیعون کے مذہب کے موافق نہین واقع ہو سکتی۔

---

[1] جامع الشتات۔ شرایع الاسلام صفحہ ۱۳۲۔ ۱۲ منہ

سے دیا ہو خواہ سہواً صیغہ طلاق زبان سے نکل گیا ہو[۱]

جو طلاق کسی شخص نے نشہ کے عالم مین دیدیا ہو وہ بھی حنفیہ کے نزدیک مؤثر ہے الا اسکہ وہ شراب یا وہ دوا سے مخدر جس سے نشہ یا خدر پیدا ہوا ہو اسکو جبراً پلا دیگئی ہو یا بطور دوا کے دیگئی ہو[۲]—

الکرخی اور طحاوی کے نزدیک طلاق اُس شخص کا جو ایسا مخمور ہو کہ اپنے سر و پا کا ہوش نہ رکھتا ہو شرعاً غیر مؤثر ہے۔ اگرچہ خود امام شافعی کی بھی یہی راے معلوم ہوتی ہے مگر انکے متقدمین نے حنفیہ سے اتفاق کرکے اُس طلاق کو جائز قرار دیا ہے جو کسی شخص نے نشہ کے عالم مین دیا ہو[۳]—

مگر مالکیہ نے شیعہ سے اتفاق کرکے ایسی طلاق کو محض ناجائز قرار دیا ہے—

مالکیہ کا قول اس مسئلہ مین ایک مقدمہ کے فیصلہ مین بڑی صحت اور صفائی کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اِس مقدمہ کا فیصلہ شہر لمش واقع صوبۂ الجیرس کے قاضی نے کیا تھا اور ساٹیر اصاحب نے اپنی کتاب مین اسکا رپورٹ لکھا ہے۔ اِس مقدمہ مین زوجہ نے طلاق کی درخواست اِسوجہ سے گذرانی کہ شوہر نے اسکو طلاق بائن دیا ہے۔ اسکے جواب مین اُسکے شوہر نے کہا کہ مین اِس طلاق سے واقف نہین کہ طلاق دینے کے وقت مین نشہ کے عالم مین تھا۔ فریقین نے جو گواہ پیش کیے اُنکے بیانات سے ثابت ہوا کہ طلاق تو فی الواقع پڑھا گیا تھا مگر اُسوقت شوہر نشہ کے عالم مین تھا۔ قاضی نے زوجہ کی درخواست کو اس دلیل سے خارج کیا کہ شوہر نے نشہ کے عالم مین صیغہ طلاق پڑھا تھا جو اس نالش کی بنا ہے

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۔۔ جوہرۃ النیرہ ۲ صفحہ ۔۔ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۳۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک طلاق اُس شخص کا شرعاً جائز نہین ہے جو ایسی شراب کے نشہ مین ہو جو کسی غلہ یا شہد سے بنائی گئی ہو مگر امام محمد نے اس مسئلہ مین اُنسے اختلاف کیا ہے اور یہ ... اُنکے متاخرین حنفیہ کے مقلدین ... پس اگر کوئی شخص گانجہ یا بھنگ کے نشہ مین طلاق دے وہ بھی اُنکے نزدیک جائز ہوگا۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۹۰۔ [۲] ... ہدایہ صفحہ ۱۱۔ [۳] فتاوائے قاضیخان صفحہ ...

اہل سنت کے فرقون مین اس طلاق کے جواز مین اختلاف عظیم ہے جو کسی شخص سے جبرًا یا دھمکی سے دیدیا ہو۔ حنفیہ کے نزدیک جو طلاق جبرًا دیا گیا ہو وہ بھی اُسی طرح جائز ہے جیسا وہ طلاق جو بلا اکراہ و اجبار دیا گیا ہو۔

مگر شافعیہ کا قول حنفیہ کے بالکل خلاف ہے۔ اُنھون نے شیعہ سے اتفاق کر کے یہ قرار دیا ہے اگر شوہر دھمکی سے یا جبرًا طلاق دیدے وہ فاعل مختار نہین ہے لہذا اُسکا طلاق دینا شرعًا جائز نہین ہے۔

امام شافعی نے جو اس فرقہ کے بانی ہین اپنے قول کو اس عبارت مین لکھا ہے جو ہدایہ مین نقل کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ "طلاق اُس شخص کا جسنے جبرًا طلاق دیا ہو شرعًا موثر نہین ہے اسواسطے کہ جس شخص پر جبر کیا جائے وہ فاعل مختار نہین ہے اور مکلف کا کوئی فعل شرعًا معتبر نہین ہے مگر یہ کہ اُسکے اختیار سے صادر ہوا ہو۔ برخلاف اُس شخص کے جو دل لگی سے طلاق دے کہ صیغۂ طلاق اُسنے اپنے اختیار سے پڑھا ہے جو سبب اُسکے جواز کا ہے"[1]

امام شافعی ائمہ اربعہ مین سب سے زیادہ محتاط ہین۔ اُنکی اس معقول تقریر کا جواب جو علماے حنفیہ نے دیا ہے وہ لائق غور ہے۔ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "وہ ہمارے علمانے فرمایا ہے کہ شخص مجبور قابلیت تامہ طلاق کی رکھتا تھا یعنی بالغ و عاقل تھا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اُسکا طلاق بھی اُسی طرح جائز ہے جسطرح شخص غیر مجبور کا۔ اسکی اصل یہ ہے کہ جو شخص مجبور ہوکر طلاق دے اُسکو اختیار ہے کہ دو بلاؤن مین سے جس بلا کو چاہے قبول کرلے یعنی یا اُس بات کو قبول کرلے جسکی دھمکی اُسکو دی گئی ہے یا طلاق جبرًا دینا قبول کرلے پس ان دونون باتون پر نظر کرکے وہ اُس بات کو اختیار کرتا ہے جو آسان تر ہے یعنی طلاق کو اختیار کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل اُسکے اختیار سے صادر ہوا ہے"[2]

[1] ترجمہ فارسی ہدایہ کتاب ۴ باب ۱-۲۱۳ امنہ [2] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۹ - اس عبارت کا ترجمہ مبہم ہے اور

اہل سنت کے فرقون مین اس طلاق کے جواز مین اختلاف عظیم ہے جو کسی شخص سے جبرًا یا دھمکی سے دیدیا ہو۔ حنفیہ کے نزدیک جو طلاق جبرًا دیا گیا ہو وہ بھی اُسی طرح جائز ہے جیسا وہ طلاق جو بلا اکراہ واجبار دیا گیا ہو۔

مگر شافعیہ کا قول حنفیہ کے بالکل خلاف ہے۔ اُنھون نے شیعہ سے اتفاق کرکے یہ قرار دیا ہے کہ جو شوہر دھمکی سے یا جبرًا طلاق دیدے وہ فاعل مختار نہین ہے لہذا اُسکا طلاق دینا شرعًا جائز نہین ہے۔

امام شافعی نے جو اس فرقہ کے بانی ہین اپنے قول کو اس عبارت مین لکھا ہے جو ہدایہ مین نقل کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ "طلاق اُس شخص کا جسنے جبرًا طلاق دیا ہو شرعًا مؤثر نہین ہے اسواسطے کہ جس شخص پر جبر کیا جائے وہ فاعل مختار نہین ہے اور مکلف کا کوئی فعل شرعًا معتبر نہین ہے مگر یہ کہ اُسکے اختیار سے صادر ہوا ہو۔ برخلاف اُس شخص کے جو دل لگی سے طلاق دے کہ صیغۂ طلاق اُسنے اپنے اختیار سے پڑھا ہے جو سبب اُسکے جواز کا ہے[1]"

امام شافعی ائمہ اربعہ مین سب سے زیادہ محتاط ہین۔ اُنکی اس معقول تقریر کا جواب جو علمائے حنفیہ نے دیا ہے وہ لائق غور ہے۔ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ہمارے علمانے فرمایا ہے کہ شخص مجبور قابلیت تامہ طلاق کی رکھتا تھا یعنی بالغ و عاقل تھا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اُسکا طلاق بھی اُسی طرح جائز ہے جسطرح شخص غیر مجبور کا۔ اسکی اصل یہ ہے کہ جو شخص مجبور ہوکر طلاق دے اُسکو اختیار ہے کہ دو بلاؤن مین سے جس بلا کو چاہے قبول کرلے یعنی یا اُس بات کو قبول کرلے جسکی دھمکی اُسکو دی گئی ہے یا طلاق جبرًا دینا قبول کرلے پس ان دونون باتون پر نظر کرکے وہ اُس بات کو اختیار کرتا ہے جو آسان تر ہے یعنی طلاق کو اختیار کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل اُسکے اختیار سے صادر ہوا ہے[2]"

---

[1] ترجمہ فارسی ہدایہ کتاب ۴ باب ۱ ۔ ۱۲ منہ [2] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۹ ۔ اس عبارت کا ترجمہ مبہم ہے اور

طلاق اسی شخص کا جو مجنون ہو یا مرض مالیخولیا مین مبتلا ہو ناجائز ہے - اسی طرح سے
اگر کوئی شخص حالت خواب یا عالم بیہوشی مین یا تعجب کی حالت مین طلاق دے تو وہ طلاق
بھی شرعاً منسوخ ہوگی -

اگر کوئی مجنون جسکو کبھی کبھی جنون سے افاقہ بھی ہوجاتا ہو جنون کے دورہ مین طلاق
دے تو شرعاً معتبر نہوگا لیکن اگر افاقہ کی حالت مین طلاق دے تو شرعاً صحیح ہوگا -
سُنیون کے نزدیک اختیار کا اثر طلاق پر نہین ہوسکتا - یعنی مثلاً اگر کوئی شخص اپنی
زوجہ سے کہے کہ آلفقتک یعنی مین نے تجھکو طلاق دیا اگر تین روز تک مجھکو تنسیخ طلاق کا
اختیار رہیگا تو طلاق جائز ہوگا مگر اختیار تنسیخ ناجائز ہوگا - اگر طلاق کسی شرط سے دیا جائے
یا ایسے واقعہ کے وقوع پر موقوف رکھا جائے جو فی نفسہ محال نہو تو ایسی شرط جائز ہے
اور طلاق کا نفاذ صرف اُسوقت ہوگا جب وہ شرط پوری کردیجائیگی -
مگر شیعون کے نزدیک سب طلاق جنمین کوئی شرط لگا دیجائے یا کوئی اختیار دیدیا جائے
مطلقاً ناجائز ہین - اُنکے نزدیک طلاق بذریعہ تحریر دینا یا صیغہ طلاق بزبان عربی کے
سوا اور کسی زبان مین پڑھنا درحالیکہ صیغہ طلاق عربی مین پڑھنے کی لیاقت موجود ہو ناجائز ہے
اور اُنکے نزدیک طلاق اشارات و کنایات سے بھی دینا جائز نہین ہے الّا اینکہ شوہر گونگا ہو -
گونگا آدمی بذریعہ تحریر طلاق دے سکتا ہے مگر جو شخص طاقت گویائی رکھتا ہو اُسکو تحریراً طلاق
دینا جائز نہین ہے - اگر شوہر غائب یا غیر حاضر ہو تو بھی زوجہ کو تحریر کے ذریعہ سے طلاق
نہین دے سکتا ہے - مگر برخلاف اسکے سُنیون کے نزدیک طلاق تقریراً اور تحریراً دونون طرح سے
ہوسکتا ہے - اُنکے نزدیک تحریر دو قسم کی ہے مرسوم اور غیر مرسوم - جب طلاق تحریر مرسوم

سلہ فتاوے عالمگیری صفحہ ۵۰۹ - کنز الدقائق - فتاوے قاضیخان - صفحہ ۲۹ - ۱۲ منہ سلہ مسائل و اقوال
اہل سنت کے ہین - ۱۲ منہ سلہ جامع الشتات - ۱۲ منہ سلہ مفاتیح - ۱۲ منہ سلہ جامع الشتات - ۱۲ منہ سلہ فتاوے
عالمگیری صفحہ ۴۰۹ - ۱۲ منہ

طلاق اُس شخص کی جو مجنون ہو یا مرض مالیخولیا مین مبتلا ہو ناجائز ہے - اسی طرح سے
اگر کوئی شخص حالت خواب یا عالم بیہوشی مین یا تعجب کی حالت مین طلاق دے تو وہ طلاق
بھی شرعاً [illegible] ہوگی -

اگر کوئی مجنون جسکو کبھی کبھی جنون سے افاقہ بھی ہوجاتا ہو جنون کے دورہ مین طلاق
دے تو شرعاً معتبر نہوگا لیکن اگر افاقہ کی حالت مین طلاق دے تو شرعاً صحیح ہوگا -

شیعون کے نزدیک اختیار کا اثر طلاق پر نہین ہوسکتا - یعنی مثلاً اگر کوئی شخص اپنی
بیوی سے کہے کہ آج تک یعنی مین نے تجھکو طلاق دیا مگر تین روز تک مجھکو تنسیخ طلاق کا
اختیار رہیگا تو طلاق جائز ہوگا مگر اختیار تنسیخ ناجائز ہوگا - اگر طلاق کسی شرط سے دیا جائے
یا ایسے واقعہ کے وقوع پر موقوف رکھا جائے جو فی نفسہ محال نہو تو ایسی شرط جائز ہے
اور طلاق کا نفاذ صرف اُسوقت ہوگا جب وہ شرط پوری کردیجائیگی -

مگر شیعون کے نزدیک سب طلاق جنمین کوئی شرط لگا دیجائے یا کوئی اختیار دیدیا جائے
مطلقاً ناجائز ہین - اُنکے نزدیک طلاق بذریعہ تحریر دینا یا صیغہ طلاق بزبان عربی کے
سوا اور کسی زبان مین پڑھنا درحالیکہ صیغہ طلاق عربی مین پڑھنے کی لیاقت موجود ہو ناجائز ہے
اور اُنکے نزدیک طلاق اشارات و کنایات سے بھی دینا جائز نہین ہے الا اینکہ شوہر گونگا ہو -
گونگا آدمی بذریعہ تحریر طلاق دے سکتا ہے مگر جو شخص طاقت گویائی رکھتا ہو اُسکو تحریراً طلاق
دینا جائز نہین ہے - اگر شوہر غائب یا غیر حاضر ہو تو بھی زوجہ کو تحریر کے ذریعہ سے طلاق
نہین دے سکتا ہے - مگر برخلاف اسکے سنیون کے نزدیک طلاق تقریراً اور تحریراً دونون طرح سے
ہوسکتا ہے - اُنکے نزدیک تحریر دو قسم کی ہے مرسوم اور غیر مرسوم - جب طلاق تحریر مرسوم

سلہ فتاوے عالمگیری صفحہ ۵۰۰ - کنز الدقائق - فتاوے قاضیخان - صفحہ ۲۹ - ۱۲ منہ سلہ یہ مسائل و اقوال
اہل سنت کے ہین - ۱۲ منہ سلہ جامع الشتات - ۱۲ منہ سلہ مفاتیح - ۱۲ منہ سلہ جامع الشتات - ۱۲ منہ سلہ فتاوے
عالمگیری صفحہ ۴۹۶ - ۱۲ منہ

تاہم شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ[1] اگر ایک گواہ وقوع طلاق کی گواہی دے اور دوسرا گواہ اُسکے قبول ہونے کی گواہی دے تو انکی شہادت شرعاً لائق تسلیم نہوگی۔

جب طلاق گواہون کے سامنے دیا جائے تو اُسکا نفاذ اسپر موقوف ہے کہ کلمات مخصوصہ پڑھا گیا ہو۔ اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو پہلے بغیر گواہون کے اور بعد اُسکے گواہون کے سامنے طلاق دے تو پہلا طلاق کالعدم سمجھا جائیگا۔ اور فرائض طلاق دوسری طلاق کی تاریخ وقوع سے پیدا ہونگے بشرطیکہ وہ جائز ہو۔

مگر سنیون کے نزدیک طلاق مین گواہون کا ہونا ضرور نہین ہے بلکہ جب طلاق کا علم زوجہ کو ہو جائے تو وہ شرعاً جائز و مباح سمجھا جائیگا۔

شیعون کے نزدیک جو طلاق اس عالم مین دیا جائے جب کہ آدمی غصہ کے مارے بے اختیار ہوگیا ہو وہ ناجائز ہے مگر سنیون کے نزدیک جائز ہے۔

سنیون کے نزدیک نامحدود اور بے شمار صیغے[2] طلاق کے ہین جنمین سے بعض کے معانی ظاہر ہین اور بعض سے ارادۂ طلاق ضمناً مفہوم ہوتا ہے

شیعون کے نزدیک صرف دو صیغون سے طلاق ہوسکتا ہے اور اگر کوئی اور صیغہ پڑھا جائے خواہ وہ قطعی الدلالت ہو خواہ متشابہ المعنی ہو تو طلاق باطل ہے۔

ہائی کورٹ[3] کلکتہ نے مذہب حنفی کے موافق یہ تجویز کیا ہے کہ صرف لفظ طلاق تین دفعہ کہہ دینا بے اِسکے کہ کسی شخص سے خطاب کیا جائے جواز طلاق کے لیے کافی نہین ہے۔

چونکہ وہ اصول جو اس فیصلہ مین لکھا ہے مذہب شیعہ کے اصول مین داخل ہے اور اُس مذہب مین جواز طلاق اسپر موقوف ہے کہ صیغۂ طلاق کسی شخص خاص کی طرف خطاب کرکے پڑھا جائے

---

[1] شرائع الاسلام صفحہ ۱۳۷ ۔ جامع الشتات ۔ ۱۲ منہ [2] یہ صیغہائے طلاق فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۲۰ ۔ ۵۳۳ ۔ اور فتاواے قاضیخان جلد ۲ صفحہ ۲۔۳۳ ۔ اور ہدایہ صفحہ ۳۴۱ ۔ ۵۰ مین ملاحظہ ہون ۔ ۱۲ منہ ۔

[3] فرزند حسین بنام جانا بی بی ۔ انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۵۸۸ ۔ ۱۲ منہ

لہذا یہ تعریف شیعہ اور سنی دونوں پر برابر صادق آتی ہے

طلاق کے نتائج شرعی

طلاق کی بحث میں اس شرط کو اور کھنا ضرور ہے جوا ن کے نتائج شرعیہ میں اختلاف صیغہ سے پیدا ہوتا ہے۔ سابق میں بیان کیا گیا کہ طلاق باعتبار اپنے نتائج شرعیہ کے دو قسم کا ہے۔ طلاق بائن اور طلاق راجع۔

طلاق بائن سے فسخ نکاح مطلقاً ہو جاتا ہے اور اختیار رجوع نہیں باقی رہتا۔ طلاق راجع میں شوہر کو رجوع کا یعنی زوجہ کے ساتھ از سر نو ہمبستری کا اختیار باقی رہتا ہے۔ طلاق بائن بمجرد پڑھنے صیغہاے طلاق کے بشرائط ذیل نافذ ہو جاتا ہے (۱) جب شوہر اور زوجہ میں ہمبستری نہوئی ہو۔ (۲) جب زوجہ کے کم سن یا کبیر السن ہونے کی وجہ سے مباشرت ممکن نہو۔ (۳) جب شوہر و زوجہ نے باہم قول قرار کرکے فسخ نکاح کر لیا ہو۔

طلاق راجع میں جو زوجہ کی طرف دوبارا رجوع کیجاتی ہے اسکو رجعت کہتے ہیں۔

اگر رجعت الفاظ کے ذریعہ سے وقوع میں آئے تو گواہوں کی شہادت لیجائیگی لیکن اگر رجعت بذریعہ الفاظ نہوئی ہو تو زوجہ کے بیان کا یقین کیا جائیگا۔

ہر طلاق راجع ایک مدت معینہ منقضی ہونے کے بعد طلاق بائن ہو جاتا ہے یعنی اگر عدت میں جسکے اندر شوہر و زوجہ دوبارا ہمبستری کا ارادہ نظاہر کریں تو طلاق راجع طلاق بائن ہو جائیگا

طلاق کی دونوں قسموں میں سنی اور شیعہ دونوں کے نزدیک ضرور ہے کہ طلاق کے وقت شوہر و زوجہ میں نکاح جائز موجود ہو۔ اور شیعوں کے نزدیک یہ بھی ضرور ہے کہ وہ نکاح دائمی ہو متعہ نہو۔

عموماً طلاق کی ابتدا شوہر کی جانب سے ہوتی ہے اور بعض حالات میں اور بعض وجوہ خصوصہ سے حاکم شرع شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے جیسا آئندہ بیان کیا جائیگا

طلاق راجع میں حاکم شرع دست اندازی کر سکتا ہے اگر شوہر شرع کے منشاء کے خلاف

کوئی امر کرے۔

جب طلاق کی ابتدا شوہر کی جانب سے ہو تو اُسکو زوجہ کی جائداد کا حساب کتاب دینا پڑتا ہے اور اُسکی کُل جائداد مع اُسکے مہر کے اُسکو دیدینی پڑتی ہے۔ اگر شوہر ایسا نہ کرے تو اُسپر حرجہ اور مہر کی نالش ہوسکتی ہے۔

طلاق بائن اور طلاق راجع دونون مین زوجہ کو بعد انقضاء عدہ عقد ثانی کر لینے کا اختیار رہتا ہے۔

طلاق المریض

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر عالم احتضار مین ہوتا ہے یا ایسے مرض مین مبتلا ہوتا ہے جو آخر الامر اُسکی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اور وہ اسلیے زوجہ کو طلاق دینا چاہتا ہے کہ اُسکے مرنے کے بعد اُسکی وارث نہو سکے۔ ایسی صورتون کے لیے چند قواعد مقرر کردیے گیے ہین تاکہ اختیار طلاق کی نا انصافانہ تعمیل سے کوئی حرج یا نقصان نہونے پائے۔ اِن قواعد کا لحاظ رکھنا اِسلیے ضرور ہے کہ اِنسے سُنی اور شیعہ مین فرق عظیم معلوم ہوتا ہے۔

شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ "مریض کو اپنی زوجہ کو طلاق دینا مکروہ اور گناہ ہے لیکن اگر وہ ایسا کرے تو شرعاً جائز ہوگا" ہدایہ مین اس سے بھی زیادہ تصریح سے لکھا ہے کہ "مریض اپنی زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے گو وہ جان کنی کے عالم مین ہو"

سنیون کے نزدیک جب کوئی شخص عالم احتضار مین طلاق دے اور زوجہ کا عدہ منقضی ہونے کے پیشتر مرجاے تو زوجہ اُسکی میراث پانے کی مستحق ہوگی۔ لیکن اگر وہ بعد انقضاء عدہ مرجائے تو زوجہ محجوب الارث ہوجائیگی۔

شیعون کے نزدیک اگر شوہر تاریخ وقوع طلاق سے برس روز کے اندر مرجائے خواہ طلاق بائن ہو خواہ طلاق راجع تو زوجہ اُسکی میراث پانے کی مستحق ہوگی بشرطیکہ اس اثنا مین اُس عورت نے دوسرے شخص سے عقد نہ کرلیا ہو۔ اگر اس عرصہ مین اُسنے

کوئی امر کرے۔

جب طلاق کی ابتدا شوہر کی جانب سے ہو تو اُسکو زوجہ کی جائداد کا حساب کتاب دینا پڑتا ہے اور اُسکی کُل جائداد مع اُسکے مہر کے اُسکو دیدینی پڑتی ہے۔ اگر شوہر ایسا نہ کرے تو اُسپر حرجہ اور مہر کی نالش ہوسکتی ہے۔

طلاق بائن اور طلاق راجع دونون مین زوجہ کو بعد انقضاء عدہ عقد ثانی کر لینے کا اختیار رہے۔

طلاق المریض

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر عالم احتضار مین ہوتا ہے یا ایسے مرض مین مبتلا ہوتا ہے جو آخرالامر اُسکی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اور وہ اسلیے زوجہ کو طلاق دینا چاہتا ہے کہ اُسکے مرنے کے بعد اُسکی وارث نہوسکے۔ ایسی صورتون کے لیے چند قواعد مقرر کر دیے گئے ہین تاکہ اختیار طلاق کی نا انصافانہ تعمیل سے کوئی حرج یا نقصان نہونے پائے۔ اِن قواعد کا لحاظ رکھنا اسلیے ضرور ہے کہ اِنسے سُنی اور شیعہ مین فرق عظیم معلوم ہوتا ہے۔

شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ "مریض کو اپنی زوجہ کو طلاق دینا مکروہ اور گناہ ہے لکن اگر وہ ایسا کرے تو شرعاً جائز ہوگا" ہدایہ مین اس سے بھی زیادہ تصریح سے لکھا ہے کہ "مریض اپنی زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے گو وہ جان کنی کے عالم مین ہو"

سنیون کے نزدیک جب کوئی شخص عالم احتضار مین طلاق دے اور زوجہ کا عدہ منقضی ہونے کے پیشتر مرجاے تو زوجہ اُسکی میراث پانے کی مستحق ہوگی۔ لکن اگر وہ بعد انقضاء عدہ مرجاے تو زوجہ محجوب الارث ہوجائیگی۔

شیعون کے نزدیک اگر شوہر تاریخ وقوع طلاق سے برس روز کے اندر مرجاے خواہ طلاق بائن ہو خواہ طلاق راجع تو زوجہ اُسکی میراث پانے کی مستحق ہوگی بشرطیکہ اِس اثنا مین اُس عورت نے دوسرے شخص سے عقد نہ کر لیا ہو۔ اگر اس عرصہ مین اُسنے

کہ جواز طلاق اسپر موقوف ہے کہ شوہر و زوجہ دونون رشید و عاقل ہون۔

اب یہ سوال ہے کہ آیا شوہر اختیار طلاق کو اُسوقت عمل مین لا سکتا ہے جب زوجہ سفیہہ یا مجنونہ ہو؟ - یہ مسئلہ بھی دقت سے خالی نہین ہے۔ صرف زوجہ کے سفیہہ ہونے سے شوہر کو فسخ نکاح کا حق نہین حاصل ہوجاتا اور اگر زوجہ مجنونہ ہو تو ضرور ہے کہ قبل نکاح اُسکو جنون ہوا ہو تاکہ فسخ عقد کی وجہ وجیہ پیدا ہوجائے۔

مگر یہ مسئلہ تنسیخ نکاح کے حق سے متعلق نہین ہے بلکہ قابلیت طلاق سے متعلق ہے بعض حالات مین اور چند شرائط معینہ کی پابندی سے فسخ عقد کا اختیار شوہر کو اُسوقت دیا گیا ہے جبکہ وہ زوجہ کا مہر ادا کردے۔ پس یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جو شوہر زوجہ کے مجنونہ ہونے کی وجہ سے فسخ عقد نہ کرسکے آیا وہ دوسری کارروائی سے یعنی طلاق سے فسخ نکاح کرسکتا ہے؟

چونکہ ہر طلاق مین ضرور ہے کہ زوجہ اُسکی کارروائی کا علم رکھتی ہو اور چونکہ مجنون دائمی سے خلاصی پانے کی ایک سبیل شرع مین نکالدی گئی ہے لہذا اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو عورت مجنونہ ہو اُسکو طلاق دینا جائز نہین ہے اِلّا اینکہ اُسوقت طلاق دیا جائے جب وہ ہوش مین ہو۔

ہندوستان مین اکثر ایسا ہوا ہے کہ شوہر و زوجہ مین طلاق بائن ہوگیا ہے اور پھر اُن دونون نے بغیر تعمیل احکام شرع کے ہمبستری کی ہے مگر ایسے مقدمات کسی عدالت مین نہین پیش ہوے ہین۔

اگر ایسی ہمبستری کے جواز کا قیاس سنیون کے مذہب پر نظر کرکے کیا جائے تو اُسکو جائز کہنا مشکل ہے۔ اگر دوبارہ ہمبستری کرنے کے بعد مرد اور عورت دونون اُس لعن و طعن سے بچنے کے لیے جو سنیون کے مذہب مین ایسے تعلق پر ہے یہ بیان کرین کہ ہم مذہب شیعہ کے پیرو ہین اور شوہر کہے کہ طلاق دینے کے وقت اُسکا ارادہ طلاق بائن دینے کا نہ تھا تو وہ

ہمبستری شرعاً جائز ہوگی۔

فریقین کے نزدیک شوہر اپنا اختیار طلاق دوسرے شخص کو تفویض کر سکتا ہے۔ بلکہ خود زوجہ کو تفویض کر سکتا ہے۔ اگر شوہر زوجہ کو اختیار طلاق دیدے تو زوجہ کو خود اپنے تئیں طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ حق اُس مقام خاص پر محدود ہے جس مقام پر زوجہ کو اختیار طلاق ملا ہے۔ پس اگر وہ اُس مقام سے اور کہین چلی جائے تو یہ حق زائل ہو جائیگا کیونکہ اِس سے معلوم ہوگا کہ اُسنے اس حق کو نامنظور کیا ہے۔

وکالت طلاق مین شوہر کا ارادہ شرط ہے۔ اگر وکالت کو زوجہ قبول کر کے طلاق عمل مین لائے تو حنفیہ کے نزدیک وہ طلاق بائن ہوگا۔ فقط

بارھوان باب

وہ طلاق جو زوجہ کی جانب سے ہو یعنی خلع۔ مبارات

شرع اسلام جاری ہونے سے پیشتر زوجہ کو طلاق مانگنے کا حق کسی حال مین اور کسی نہج سے حاصل نہ تھا۔ خاص خاص صورتون مین اختیار طلاق معاہدہ کے ذریعہ سے زوجہ کو حاصل ہو جاتا تھا۔ مگر عموماً یہود اور مشرکین عرب دونون کے نزدیک عورت طلاق کا حق نہ رکھتی تھی۔ قرآن مجید مین نسوان عرب کو وہ حق عطا کیا گیا جو اُنکے مُلک کے آئین و قوانین کے بموجب اُنکو کبھی نہ حاصل ہوا تھا۔

چنانچہ فتاواے عالمگیری مین ہدایہ اور ہدایہ کو سند گردانکر لکھا ہے کہ ”جب شوہر و زوجہ مین نااتفاقی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ احکام شرع کی پابندی نہین کر سکتے (یعنی جو فرائض تعلق زوجیت سے اُنپر عائد ہوے ہین اُنکو نہین بجا لا سکتے) تو عورت اپنی گلو خلاصی اِسطرح کر سکتی ہے کہ کچھ جائداد اپنی دیکر اپنے شوہر سے خلع لے لے۔

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۹۵۔ کنز الدقائق ۔ ۲۰۱ سنہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۶۶۔ فتاواے قاضیخان صفحہ ۴۳۱۔ فصول عمادیہ۔ کنز الدقائق۔ شرایع الاسلام۔ مفاتیح۔ جامع الشتات۔ ارشاد علامہ۔ ڈی اوہن صاحب اور سایسی صاحب اور سایٹیر صاحب کی کتابین

اور جب[1] شوہر و زوجہ مین خلع ہو جائے تو بمنزلہ طلاق بائن ہوگی[1]

یہ طریقہ خلع کا جو عبارت مذکورہ بالا مین لکھا ہے اُس اصول پر مبنی ہے جو قرآن مجید[2] مین لکھا ہے

سُنیون کے نزدیک صرف ایک قسم خلع کی ہے مگر شیعون کے نزدیک دو قسمین ہین۔

جب طلاق زوجہ کی جانب سے ہو اور اِسوجہ سے ہو کہ وہ شوہر سے نفرت رکھتی ہو یا اِس سبب سے ہو کہ فرائض زوجیت کو بجالانا اُسے منظور نہو تو زوجہ اپنا مہر معین یا اور کوئی جائداد شوہر کو دیکر قطع تعلق کر سکتی ہے۔ ایسے طلاق کو خلع کہتے ہین۔ جب طلاق شوہر و زوجہ دونون کی رضامندی سے ہو اور اِسوجہ سے ہو کہ ایک دوسرے سے بیزار ہو تو اُسکو مبارات کہتے ہین جس سے دونون کی برأت اور گلو خلاصی ہو جاتی ہے۔

سنیون نے مبارات کو خلع مین داخل کیا ہے مگر شیعون نے اُسکو ایک جداگانہ کارروائی قرار دیا ہے۔ طلاق اور خلع اور مبارات مین جو فرق ضروری ہے وہ بیان ہو چکا ہے۔ اِس مقام پر صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ خلع اور مبارات طلاق بائن کا اثر رکھتے ہین۔

شیعون کے نزدیک چار شرطین جو جواز طلاق کی ہین وہی دوام خلع کی ہین۔ یعنی شوہر کو بالغ و عاقل اور بکار خود مختار ہونا چاہیئے اور قصد طلاق بھی رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ ”جواز خلع اِسپر موقوف ہے کہ شوہر بالغ و عاقل اور بکار خود مختار ہو اور یہ بھی ضرور ہے کہ خلع قصداً دیجائے۔ اگر طفل نابالغ باذن یا بغیر اذن ولی خلع دے یا کوئی شخص اجبار و اکراہ یا داب ناجائز یا فریب سے خلع دے تو وہ شرعاً ناجائز ہوگا،، ۔ خُلع اُس صورت مین بھی ناجائز ہے

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۶۹ – ۱۲ منہ [2] اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ وَ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوا مِمَّا اٰتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَا اَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (سورۃ البقر آیت ۲۲۹ – وسورۃ النساء آیت ۱۲۷ – ۱۲ منہ)

اور جب شوہر و زوجہ مین خلع ہو جائے تو بمنزلہ طلاق بائن ہو گی[1]

یہ طریقہ خلع کا جو عبارت مذکورہ بالا مین لکھا ہے اُس اصول پر مبنی ہے جو قرآن مجید[2] مین لکھا ہے

سُنیون کے نزدیک صرف ایک قسم خلع کی ہے مگر شیعون کے نزدیک دو قسمین ہین۔

جب طلاق زوجہ کی جانب سے ہو اور اِسوجہ سے ہو کہ وہ شوہر سے نفرت رکھتی ہو یا اِس سبب سے ہو کہ فرائض زوجیت کو بجا لانا اُسے منظور نہو تو زوجہ اپنا مہر معین یا اور کوئی جائداد شوہر کو دیکر قطع تعلق کر سکتی ہے۔ ایسے طلاق کو خلع کہتے ہین۔ جب طلاق شوہر و زوجہ دونون کی رضامندی سے ہو اور اِسوجہ سے ہو کہ ایک دوسرے سے بیزار ہو تو اُسکو مبارات کہتے ہین جس سے دونون کی برائت اور گلو خلاصی ہو جاتی ہے۔

سنیون نے مبارات کو خلع مین داخل کیا ہے مگر شیعون نے اسکو ایک جداگانہ کاروائی قرار دیا ہے۔ طلاق اور خلع اور مبارات مین جو فرق ضروری ہے وہ بیان ہو چکا ہے۔ اِس مقام پر صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ خلع اور مبارات طلاق بائن کا اثر رکھتے ہین۔

شیعون کے نزدیک چار شرطین جو جواز طلاق کی ہین وہی دوام خلع کی ہین۔ یعنی شوہر کو بالغ و عاقل اور بکار خود مختار ہونا چاہیئے اور قصد طلاق بھی رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "جواز خلع اِسپر موقوف ہے کہ شوہر بالغ و عاقل اور بکار خود مختار ہو اور یہ بھی ضرور ہے کہ خلع قصداً دیجائے۔ اگر طفل نابالغ باذن یا بغیر اذن ولی خلع دے یا کوئی شخص اجبار و اکراہ یا داب ناجائز یا فریب سے خلع دے تو وہ شرعاً ناجائز ہو گا"۔ خُلع اُس صورت مین بھی ناجائز ہے

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۶۹ - ۱۲ منہ

[2] اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ - وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (سورۃ البقر آیت ۲۲۹ - و سورۃ النساء آیت ۱۲۷ - ۱۲ منہ)

کرکے فسخ نکاح کردین۔

شیعون کے نزدیک وہی رسوم شرعی مبارات مین بھی ادا کرنا ضرور ہے جو خلع مین بجالانا واجب ہین۔ جو خلع کسی عورت کے ولی یا اُسکے باپ نے حاصل کی ہو وہ جائز ہے اور طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے مگر اُس عورت کو مہر شوہر کو دینا فرض نہین ہے الا اینکہ خود اُسکی اجازت سے اُسکے ولی یا باپ نے اُسکی طرف سے خلع لی ہو۔ اگر اُسنے اُنکو اپنی طرف سے خلع لینے کی اجازت دی ہے تو اُنکے اختیارات اُس حد کے اندر محدود رہینگے جس حد تک اُسنے اجازت دی ہے لکن اگر اُس عورت کے بغیر اجازت اُنھون نے خلع مانگی ہو اور شوہر نے خلع دیدی ہو تو وہ لوگ اور نہ زوجہ مہر واپس کردینے کی مکلف ہونگے۔ اگر زوجہ نابالغ ہو اور اُسکے ولی اُسکی طرف سے اُسکے شوہر سے خلع لے لین تو وہ خلع ناجائز ہوگی۔

جو معاوضہ زوجہ خلع مین شوہر کو دیتی ہے وہ ایک ذریعہ ایک مطلب حاصل کرنے کا ہے یعنی شوہر کا اذن حاصل کرکے فسخ عقد مقصود ہوتا ہے۔ مگر یہ شرط ضرور نہین ہے اسواسطے کہ جب متناکحین فسخ نکاح پر راضی ہوجائین تو طلاق جائز ہوجاتا ہے۔

ہدایہ مین لکھا ہے کہ ''اگرچہ جس معاوضہ کا اقرار کیا گیا ہے وہ نہ دیا گیا ہو تو بھی مبارات اور خلع ایک ہی چیز ہے (مبارات کے معنی یہ ہین کہ شوہر زوجہ سے کہے کہ مین اُس نکاح سے بری ہوگیا جو میرا تجھسے ہوا تھا اور زوجہ اسپر راضی ہوجائے) یعنی دونون کے ابرا کی وجہ سے اُنکے باہمی حقوق زوجیت [1] ساقط ہوجاتے ہین''

اصول مصرحہ بالا کے بموجب الجیرس کی عدالتون نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب شوہر زوجہ دونون کی رضامندی سے طلاق ہوا ہو تو ایسی طلاق سے اُن دونون مین بالکل قطع تعلق ہوجاتا ہے گو زوجہ وہ معاوضہ جسکا اقرار اُسنے کیا ہے ادا کرنے سے قاصر رہی ہو یا اُسنے مہر معین نہ چھوڑ دیا ہو اور گو شوہر بحث کرے کہ جب زوجہ مہر سے نہین دست بردار

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۲۳۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۶۹۔ کنز الدقائق۔ ۱۲ منہ

ہوئی ہے تو خلع ناجائز ہے۔

پس علوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک صرف شوہر و زوجہ کی رضامندی جواز خلع کو کافی ہے
اور ہدایہ مین ایک مقام پر یہانتک لکھا ہے کہ خلع کے لیے قصد ضرور نہین ہے بلکہ صرف
معاوضہ کا ذکر کر دینا شرعًا کافی ہے۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو عورتین شرعًا اپنا نکاح کر سکتی ہین وہ خلع یا مبارات کی کارروائی بھی
کر سکتی ہین۔ مگر اس قاعدہ کی چند مستثنیات بھی ہین۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بالغ
عورت ایک حق ذاتی خلع کا رکھتی ہے یعنی صرف وہی خلع طلب کر سکتی ہے اور معاوضہ مطلوبہ
دینا منظور کر سکتی ہے گو وہ ہمیشہ بغیر اپنے ولی کی اجازت کے نکاح کا اذن نہین دے سکتی نہ خود
اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ البتہ باپ اُس بیٹی کی طرف سے خلع لے سکتا ہے جو سریہ یعنی نابالغہ ہو اور جسکا
نکاح اُسنے جبرًا کر دیا ہو۔ اور چونکہ وہ باپ کے اختیار مین ہے لہذا باپ اُسکی طرف سے
خلع لے سکتا ہے اور ایک جزو مہر سے دست بردار ہو کر فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ اِسی طرح سے
طفل سریہ یعنی نابالغ لڑکے کی طرف سے اُسکا باپ خلع دے سکتا ہے۔ اور باپ کا وصی صرف
اُسوقت خلع دے سکتا ہے جبکہ باپ کے اختیارات اُسکو دیے گئے ہوں۔ سریہ یعنی نابالغ
لڑکی شرعًا خلع نہین لے سکتی۔ مگر جہانتک اُسکی جدائی شوہر سے متعلق ہے وہانتک وہ
خلع جو اُسنے خود دے ہی بالکل ناجائز نہو جائیگی۔ الکرخی کا قول یہ ہے کہ جب نابالغ زوجہ
طلاق پر اس شرط سے راضی ہو جائے کہ اپنے مہر سے دست بردار ہو یا معاوضہ دے تو
ایسی خلع جائز ہو گی مگر مہر سے دست بردار ہونے یا معاوضہ دینے کی شرط باطل ہوگی۔ اور اگر
اُسنے کچھ مہر یا معاوضہ دیا ہو تو اُسکو واپس کر دینا چاہئیے۔

بعض علماے مالکیہ کے نزدیک فاتر العقل عورت خلع لے سکتی ہے مگر سیدی خلیل نے
اس مسئلہ مین بہت کلام کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک سب بالغ عورتون کو خلع لینے کا حق حاصل ہے۔ اور اسمین اُنکے نزدیک

ہوئی ہے تو خلع ناجائز ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک صرف شوہر و زوجہ کی رضامندی جواز خلع کو کافی ہے
اور ہدایہ مین ایک مقام پر یہانتک لکھا ہے کہ خلع کے لیے قصد ضرور نہین ہے بلکہ صرف
معاوضہ کا ذکر کردینا شرعًا کافی ہے۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو عورتین شرعًا اپنا نکاح کرسکتی ہین وہ خلع یا مبارات کی کارروائی بھی
کرسکتی ہین۔ مگر اس قاعدہ کی چند مستثنیات بھی ہین۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بالغ
عورت ایک حق ذاتی خلع کا رکھتی ہے یعنی صرف وہی خلع طلب کرسکتی ہے اور معاوضہ مطلوبہ
دینا منظور کرسکتی ہے گو وہ ہمیشہ بغیر اپنے ولی کی اجازت کے نکاح کا اذن نہین دے سکتی نہ خود
اپنا نکاح کرسکتی ہے۔ البتہ باپ اُس بیٹی کی طرف سے خلع لے سکتا ہے جو سریہ یعنی نابالغہ ہو اور جسکا
نکاح اُسنے جبرًا کردیا ہو۔ اور چونکہ وہ باپ کے اختیار مین ہے لہذا باپ اُسکی طرف سے
خلع لے سکتا ہے اور ایک جزو مہر سے دست بردار ہوکر فسخ نکاح کرسکتا ہے۔ اِسی طرح سے
طفل سریہ یعنی نابالغ لڑکے کی طرف سے اُسکا باپ خلع دے سکتا ہے۔ اور باپ کا وصی صرف
اُسوقت خلع دے سکتا ہے جبکہ باپ کے اختیارات اُسکو دیے گئے ہون۔ سریہ یعنی نابالغ
لڑکی شرعًا خلع نہین لے سکتی۔ مگر جہانتک اُسکی جدائی شوہر سے متعلق ہے وہانتک وہ
خلع جو اُسنے خود دے ہی بالکل ناجائز نہو جائیگی۔ الکرخی کا قول یہ ہے کہ جب نابالغ زوجہ
طلاق پر اس شرط سے راضی ہو جائے کہ اپنے مہر سے دست بردار ہو یا معاوضہ دے تو
ایسی خلع جائز ہوگی مگر مہر سے دست بردار ہونے یا معاوضہ دینے کی شرط باطل ہوگی۔ اور اگر
اُسنے کچھ مہر یا معاوضہ دیا ہو تو اُسکو واپس کردینا چاہیئے۔

بعض علماے مالکیہ کے نزدیک فاتر العقل عورت خلع لے سکتی ہے مگر سیدی خلیل نے
اس مسئلہ مین بہت کلام کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک سب بالغ عورتون کو خلع لینے کا حق حاصل ہے۔ اور اِسمین اُنکے نزدیک

نہ کھڑا ہوسکے۔ مگر انمین سے کوئی تعریف اُس معنی پر نہین صادق آتی جو اس لفظ سے مقصود معلوم ہوتے ہین گو علماے شیعہ نے ظاہرا پہلی تعریف کو اختیار کیا ہے۔ بعض صورتون مین وہ بیماری باعث ہلاکت سال بھر کے اندر نہین ہوتی مگر مریض کے حواس منتشر ہوجاتے ہین اور اُسکے قوئے عقلی مین فتور پڑجاتا ہے۔ اور بعض صورتون مین اُس مرض سے مریض کی عقل مین کچھ فتور نہین آتا بلکہ وہ معمولی کاروبار کرنے کے قابل رہتا ہے۔ جو قول فتاواے عالمگیری اور جامع الشتات مین لکھا ہے وہ زیادہ تر موافق عقل سلیم معلوم ہوتا ہے یعنی کوئی مرض جس سے آدمی غالباً سال بھر کے اندر ہلاک ہوجاتا ہے مرض الموت ہے۔

سُنیون کے نزدیک خلع کا اذن مطلق یا مشروط دونون ہوسکتا ہے جب اذن خلع مطلق اور غیر مشروط ہو تو طلاق بائن کا اثر پیدا کرتا ہے۔ جب اذن مشروط ہو تو شوہر و زوجہ مین جدائی نہین ہوتی تاوقتیکہ اُس شرط کی تکمیل نہو جائے۔ مگر شیعون کے نزدیک خلع شرعاً جبھی جائز ہے کہ جب مطلق اور غیر مشروط ہو۔[1]

ہدایہ اور بدایہ دونون مین لکھا ہے کہ جب شوہر اُن شرطات خلع پر راضی ہوکہ زوجہ مہر سے دست بردار ہوجائے یا شوہر کو ایک رقم یا کوئی جزو اپنی جائداد کا بطور معاوضہ دے اور زوجہ اُس شرط یا معاہدہ کی تعمیل سے قاصر رہے تو شوہر خلع کو منسوخ کرنے کا مستحق نہوگا۔ مگر وہ زوجہ پر اُس رقم کی نالش کرسکتا ہے جسکا اقرار اُسنے کیا تھا یا اُس رقم کو ایسے دعوے کے مقابل مین لاسکتا ہے جو زوجہ اُسپر دائر کرے۔[2]

جب زوجہ شوہر پر مہر کی نالش کرے اور یہ بیان کرے کہ اُسنے مجھکو طلاق دیا ہے اور اُسکے جواب مین شوہر یہ عذر پیش کرے کہ اُسنے خلع لی ہے اور مہر سے دست بردار ہوگئی ہے تو ایسی نالش کا فیصلہ صرف اس امر کی شہادت پر موقوف ہوگا کہ آیا طلاق زوجہ کی استدعا سے ہوا ہے یا نہین اور آیا رشتہ زوجیت کو قطع کرنے کے لیے وہ اپنے مہر سے دست بردار

---

[1] فتاوے قاضیخان صفحہ ۴۴۲۔ کنز الدقائق ۲۱۰۔ [2] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۳۰۳۔ ۳۱۔ جامع الشتات

نہ کھڑا ہو سکے۔ مگر اُنمین سے کوئی تعریف اُس معنی پر نہین صادق آتی جو اِس لفظ سے مقصود معلوم ہوتے ہین گو علماے شیعہ نے ظاہرا پہلی تعریف کو اختیار کیا ہے۔ بعض صورتون مین وہ بیماری باعث ہلاکت سال بھر کے اندر نہین ہوتی مگر مریض کے حواس منتشر ہوجاتے ہین اور اُسکے قوٰے عقلی مین فتور پڑجاتا ہے۔ اور بعض صورتون مین اُس مرض سے مریض کی عقل مین کچھ فتور نہین آتا بلکہ وہ معمولی کاروبار کرنے کے قابل رہتا ہے۔ جو قول فتاواے عالمگیری اور جامع الشتات مین لکھا ہے وہ زیادہ تر موافق عقل سلیم معلوم ہوتا ہے یعنی کوئی مرض جس سے آدمی غالباً سال بھر کے اندر ہلاک ہوجاتا ہے مرض الموت ہے۔

سُنیون کے نزدیک خُلع کا اذن مطلق یا مشروط دونون ہو سکتا ہے جب اذن خلع مطلق اور غیر مشروط ہو تو طلاق بائن کا اثر پیدا کرتا ہے۔ جب اذن مشروط ہو تو شوہر و زوجہ مین جدائی نہین ہوتی تا وقتیکہ اُس شرط کی تکمیل[۱] نہو جائے۔ مگر شیعون کے نزدیک خلع شرعاً بھی جائز ہے کہ جب مطلق اور غیر مشروط ہو۔

ہدایہ اور بدایہ دونون مین لکھا ہے کہ جب شوہر اِس شرط سے خلع پر راضی ہو کہ زوجہ مہر سے دست بردار ہو جائے یا شوہر کو ایک رقم یا کوئی جزو اپنی جائداد کا بطور معاوضہ دے اور زوجہ اِس شرط یا معاہدہ کی تعمیل سے قاصر رہے تو شوہر خلع کو منسوخ کرنے کا مستحق نہوگا۔ مگر وہ زوجہ پر اُس رقم کی نالش کر سکتا ہے جسکا اقرار اُسنے کیا تھا یا اُس رقم کو ایسے دعوے کے مقابل مین لا سکتا ہے جو زوجہ اُسپر دائر کرے[۲]۔

جب زوجہ شوہر پر مہر کی نالش کرے اور یہ بیان کرے کہ اُسنے مجھکو طلاق دیا ہے اور اُسکے جواب مین شوہر یہ عذر پیش کرے کہ اُسنے خلع لی ہے اور مہر سے دست بردار ہوگئی ہے تو ایسی نالش کا فیصلہ صرف اس امر کی شہادت پر موقوف ہوگا کہ آیا طلاق زوجہ کی استدعا سے ہوا ہے یا نہین اور آیا رشتہ زوجیت کو قطع کرنے کے لیے وہ اپنے مہر سے دست بردار

ہوئی

[۱] فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۴۴ — کنز الدقائق [illegible] [۲] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۰۳ [illegible]

تو عقد شرعاً فسخ ہو جائیگا اور مہر ساقط ہو جائیگا۔

سب فرقوں کے نزدیک معاوضہ دینا جواز خلع کی شرط ضروری ہے۔ اگر زوجہ ایسی شی معاوضہ میں دے جسمین وہ کچھ حق نہ رکھتی ہو تو اہل سنت کے نزدیک ایسی خلع کی پابندی شوہر پر فرض ہوگی۔ مگر شیعون کے نزدیک[1] ایسی خلع جائز ہے اور شوہر اسکا مستحق ہے کہ زوجہ سے اُس شی کی قیمت وصول کر لے جسکا اقرار اُسنے کیا تھا۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز مہر میں دیجا سکتی ہے وہ معاوضہ خلع مین بھی دیجا سکتی ہے چنانچہ فتاواے عالمگیری اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ "جو چیز[2] شرعاً مہر مین دیجا سکتی ہے یا جو مہر مین قبول ہو سکتی ہے وہ شرعاً معاوضہ خلع مین بھی دیجا سکتی ہے" ایسی ہی عبارت شیعون کی کتاب شرایع الاسلام مین لکھی ہے کہ "جو چیز مہر مین دیجا سکے معاوضہ خلع مین بھی شرعاً دیجا سکتی ہے اور اُس چیز کی مقدار کی کوئی حد[3] نہیں ہے"

مگر شرایع الاسلام کی اس عبارت پر صاحب مفاتیح نے جو اضافہ کیا ہے وہ لائق غور ہے مفاتیح مین لکھا ہے کہ "جو چیز شرعاً مہر ہو سکتی ہو معاوضہ خلع بھی ہو سکتی ہے خواہ وہ موجود ہو خواہ نہو جیسے اُس نکاح سے جو بچہ پیدا ہوا ہو اُسکو دودھ پلانا یا مان کا حق الحضانت یا مان کا اور اُسکی اولاد کا نفقہ وغیرہ۔

فقہاء اہل سنت نے یہ چاہا کہ جہانتک ممکن ہو زوجہ کو ایسے نکاح سے جو اسکی جان کا جنجال ہو گیا ہو گلو خلاصی مین آسانی ہو اسلیے اُنھون نے قواعد ذیل معاوضہ خلع کے باب مین مقرر کر دیے ہین۔

---

[1] شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایسی چیز کے معاوضہ مین خلع دے جو دوسرے شخص کا مال ثابت ہو تو کہا گیا ہے کہ ایسی خلع باطل ہے مگر قول اصح یہی ہے کہ ایسی خلع جائز ہے اور وہ شخص اُس چیز کی قیمت پانے کا یا اُسکی مثل کوئی چیز پانے کا مستحق ہے اگر اُسکے مثل اور چیزین بھی موجود ہون۔ شرایع الاسلام صفحہ ۳۳۰-۲۱۲

[2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۷۶ - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۹۳ - ۱۲

[3] شرایع الاسلام صفحہ ۴۹

تو عقد شرعاً فسخ ہو جائیگا اور مہر ساقط ہو جائیگا۔

سب فرقوں کے نزدیک معاوضہ دینا جواز خلع کی شرط ضروری ہے۔ اگر زوجہ ایسی شی معاوضہ مین دے جسمین وہ کچھ حق نرکھتی ہو تو اہل سنت کے نزدیک ایسی خلع کی پابندی شوہر پر فرض نہوگی۔ مگر شیعون کے نزدیک[1] ایسی خلع جائز ہے اور شوہر اسکا مستحق ہے کہ زوجہ سے اُس شی کی قیمت وصول کر لے جسکا اقرار اُسنے کیا تھا۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز مہر مین دیجا سکتی ہے وہ معاوضۂ خلع مین بھی دیجا سکتی ہے چنانچہ فتاواے عالمگیری اور ہدایہ مین لکھا ہے کہ ''جو چیز[2] شرعاً مہر مین دیجا سکتی ہے یا جو مہر مین قبول ہو سکتی ہے وہ شرعاً معاوضہ خلع مین بھی دیجا سکتی ہے'' ایسی ہی عبارت شیعون کی کتاب شرایع الاسلام مین لکھی ہے کہ ''جو چیز مہر مین دیجا سکے معاوضہ خلع مین بھی شرعاً[3] دیجا سکتی ہے اور اُس چیز کی مقدار کی کوئی حد[4] نہین ہے''

مگر شرایع الاسلام کی اس عبارت پر صاحب مفاتیح نے جو اضافہ کیا ہے وہ لائق غور ہے مفاتیح مین لکھا ہے کہ ''جو چیز شرعاً مہر ہو سکتی ہو معاوضہ خلع بھی ہو سکتی ہے خواہ وہ موجود ہو خواہ نہو جیسے اُس نکاح سے جو بچہ پیدا ہوا ہو اُسکو دودھ پلانا یا مان کا حق الحضانت یا مان کا اور اُسکی اولاد کا نفقہ وغیرہ۔

فقہاء اہل سنت نے یہ چاہا کہ جہانتک ممکن ہو زوجہ کو ایسے نکاح سے جو اُسکی جان کا جنجال ہو گیا ہو گلو خلاصی مین آسانی ہو اسلیے اُنھون نے قواعد ذیل معاوضۂ خلع کے باب مین مقرر کر دیے ہین۔

---

[1] شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایسی چیز کے معاوضہ مین خلع دے جو دوسرے شخص کا مال ثابت ہو تو کہا گیا ہے کہ ایسی خلع باطل ہے مگر قول اصح یہی ہے کہ ایسی خلع جائز ہے اور وہ شخص اُس چیز کی قیمت پانے کا یا اُسکی مثل کوئی چیز پانے کا مستحق ہے اگر اُسکے مثل اور چیزین بھی موجود ہون۔ شرایع الاسلام صفحہ ۳۳۲۔ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۷۵۔ ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۱۳۔ [3] شرایع الاسلام صفحہ ۳۲۹

سوئم یہ کہ سب فرقون کے نزدیک جائز ہے کہ معاوضہ خلع مین زوجہ یہ اقرار کرے کہ حمل کے زمانہ مین شوہر سے اپنا نفقہ نہ طلب کریگی اور اولاد کی حضانت کا دعوے نہ کریگی ——— وغیرہ وغیرہ —

شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ " اگر معاوضہ خلع شوہر کی اولاد کو دودھ پلانا قرار پائے تو خلع جائز ہے مگر مدت رضاعت یعنی دودھ پلانے کی میعاد مقرر کردینی چاہئیے — اسی طرح سے اگر کوئی شخص لپنے لڑکے کے نفقہ کے معاوضہ مین خلع دے تو خلع جائز ہے جبکہ زوجہ معاوضہ خلع مین شوہر کے لڑکے کو پرورش کرنے کا اقرار کرے تو اُس اقرار کو چاہئیے کہ دو سال سے زیادہ کا ہو - اگر وہ اُسکو دو برس یا اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کا اقرار کرے تو یہ معاوضہ کافی نہوگا کیونکہ اُسکو شرعًا دو برس لڑکے کو دودھ پلانا واجب ہے -

معاوضہ خلع شوہر و زوجہ کے اقرار باہمی سے مقرر ہوتا ہے - اور شرائط خلع طرفین کی رضامندی سے طے ہونی چاہئیین - چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ " اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو خلع لینے پر مجبور کرے تو ایک فعل خلاف شرع کریگا - وہ خلع شرعًا جائز ہوگی مگر زوجہ پر کچھ معاوضہ دینا فرض نہوگا "

اگلے زمانہ مین جب مہر معجل ہوا کرتا تھا تب معاوضہ خلع بھی اُسی وقت دیدیا جاتا تھا جس وقت خلع کا بندوبست ہوجاتا تھا - مگر اس زمانہ مین یہ ضرور نہین ہے کہ جب خلع دیجائے اُسی وقت معاوضہ بھی دیدیا جائے بشرطیکہ اُسکی ادائی کی ایک میعاد معین کردیجائے - بلکہ زوجہ کو یہانتک جائز ہے کہ یہ اقرار کرے کہ جب دوسرے شخص سے نکاح کریگی تب معاوضہ خلع ادا کریگی —

خلع کی بحث مین یہ بھی بیان کرنا مناسب ہے کہ وہ کون لوگ ہین جنکو خلع کا معاملہ طے کرنا اور

---

[۱] شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۳ - ۱۲ منہ [۲] شرایع الاسلام صفحہ ۱۳۳ - اس کتاب مین یہ بھی لکھا ہے کہ " اگر شوہر زوجہ کو اُس ہنگام مین خلع دے جبکہ اُن دونون کے مزاج مین موافقت ہو تو وہ بھی جائز ہوگی

معاوضہ مطلوبہ کا اقرار کرنا شرعًا جائز ہے ۔

پہلے تو وہ عورت جسکو خلع لینا منظور ہے ۔ اُسکے بعد اُسکے اقربا اور دوست بلکہ غیرون کو بھی اگر وہ اجازت دے تو اُسکے شوہر سے خلع طلب کرسکتے ہین اور اس معاملہ کو طے کرسکتے ہین ۔ چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "جب شخص کو زن بالغہ خاص اجازت دے وہ اُسکی طرف سے اُسکے شوہر سے خلع کا بندوبست کرسکتا ہے"[1]

سابق مین بیان کیا گیا کہ باپ کو کیا اختیار اپنی نابالغ بیٹی کی طرف سے معاملہ کرنے کا ہے اب صرف یہ بیان کرنا باقی ہے کہ بالغ لڑکی کی طرف سے کارروائی کرنے کا اُسکو اختیار کہانتک حاصل ہے ۔ باپ اپنی بالغ لڑکی کی طرف سے اُسکے اذن سے خلع لے سکتا ہے ۔ اور اُسکی طرف سے اُسکا مہر چھوڑ دینے کا اقرار کرسکتا ہے اگر اُسوقت بغیر لڑکی کی اجازت کے خلع لی گئی ہو یا بعد ازآن اُسکی منظوری نہ لی گئی ہو اور اگر باپ نے اُس معاوضہ کی ضمانت نہ کی ہو جو طے ہوا ہے تو ایسا معاملہ شرعًا ناجائز ہوگا اور وہ خلع غیر مؤثر ہوگی جب باپ نے معاوضہ خلع ادا کرنا اپنے ذمہ کرلیا ہو مگر اُسکی بیٹی نے بعد ازآن اُسکے اِس فعل کو جائز نہ رکھا ہو اور معاوضہ ادا کرنا اپنے ذمہ کرلیا ہو تو وہ اپنے شوہر پر مہر کی نالش کرسکتی ہے اور شوہر اُسکے باپ پر معاوضہ کا دعوے کرسکتا ہے ۔[2]

شیعون کے مذہب مین شوہر زوجہ کے وکیل یا اُسکے باپ پر نالش کرنے کا حق نہین رکھتا ہے جبکہ وکیل نے اپنی موکلہ کی اجازت سے زیادہ کارروائی کی ہو یا باپ نے اپنی بیٹی کی اجازت صریحی کے بغیر کارروائی کی ہو ۔ اِن دونون صورتون مین اُسکا حق مہر بعینہ قائم رہیگا اور ایسی خلع اُس طلاق کا اثر پیدا کریگی جسکو منسوخ کرنے کا اختیار شوہر رکھتا ہے[3]

جب معاوضہ خلع شوہر نے ناجائز طور سے پایا ہو تو اُسکو واپس کردینا واجب ہے معاوضہ ناجائز ہے (۱) جبکہ اصل نکاح مین کوئی بات خلاف شرع ہوگئی ہو جسکی وجہ سے

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۰۵ ۔ ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۰۶ ۔ ۱۲ منہ [3] شرایع الاسلام صفحہ ۳۲۶ ۱۲ منہ

نکاح منسوخ ہو سکتا ہو (۲) جبکہ نکاح میں کوئی ایسا امر پیدا ہو کے جو زوجہ کو اصل سے منسوخ
کیا گیا ہو (۳) جبکہ ابتدا شوہر کی طرف سے زیادتی ہو اور اسنے زوجہ کو طلاق دیا ہو
(۴) جبکہ زوجہ کسی عدالت کے ذریعہ سے خلع پانے کی مستحق ہو۔

شہر قسطنطنیہ میں ... قاضی ... اگست ۱۸۶۲ع کو ایک مقدمہ کا
فیصلہ کیا اور ملزم شوہر کو حکم دیا گیا کہ زوجہ کو ... واپس کردے اسواسطے کہ تحقیقات سے
معلوم ہوا کہ شوہر نے زوجہ پر ایسا ظلم کیا تھا کہ زوجہ مجبور ہو کر چار سو درہم
شوہر کو دیکر اپنے تئیں اسکی قید نکاح سے آزاد کرایا۔ فی الواقع شوہر نے اُس سے جبراً خلع
لی تھی۔ خلع کے بعد اُسنے شوہر پر اُس چار سو درہم کے دلا پانے کی نالش کی جو اُسنے اُس سے
جبراً بطور معاوضہ لیا تھا۔ شوہر نے اجبار واکراہ کے الزام کا انکار کیا مگر جب واقعات
بخوبی ثابت ہو گئے تو قاضی نے اُس طلاق کو بائن لکھکر شوہر کو حکم دیا کہ جو رقم تونے اپنی زوجہ
سے زبردستی لے لی ہے فوراً اُسکو واپس کردے[1]۔

اس مقام پر اُن اختلافات کو بیان کرنا بیفائدہ نہیں ہے جو شیعہ اور سُنّی میں اُس
خلع کے باب میں ہیں جو زوجہ نے تخویف یعنی دھمکی سے لی ہو۔

شیعوں کے نزدیک یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زوجہ پر جبر کرکے خلع دیدے تو
شوہر و زوجہ میں طلاق راجع ہوگا اور زوجہ پر معاوضہ دینا فرض نہوگا۔ مگر سنیوں کے
نزدیک ایسی خلع طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے

شیعہ اور سُنّی میں جو اختلاف مبارات کے باب میں ہے اُسکا کچھ ذکر سابق میں ہوچکا ہے
اِس مسئلہ میں کچھ اور عرض کرنا بے موقع نہوگا تاکہ معلوم ہوجائے کہ شیعوں کے مذہب میں
کیسی تاکید شدید اس امر کی ہے کہ شوہر و زوجہ کو جو اختیار طلاق دیا گیا ہے اُسکو وہ بے وجہ
اور بلا ضرورت نہ عمل میں لاویں۔

---

[1] سانٹہرا صاحب کی کتاب صفحہ ۹۴۲ - ۱۲ امنہ۔

مبارات کے معنی شرع میں شوہر و زوجہ کا ایک دوسرے کو قید زوجیت سے خلاص کر دینا ہے۔[1]

اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر و زوجہ مبارات کریں تو تمام حقوق زوجیت جو ایک دوسرے پر رکھتا ہے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور جواز مبارات بھی اُنھیں شروط پر موقوف ہے جنپر جواز طلاق و خلع موقوف ہے۔

شیعون کے نزدیک مبارات میں ضرور ہے کہ شوہر اور زوجہ دونوں رشتہ زوجیت کو باعث اپنے رنج اور تکلیف کا سمجھکر مبارات چاہیں۔ اگر ایک سے دوسرے کو نفرت کلی نہ ہو تو مبارات جائز نہیں ہے۔

شیعون کے نزدیک مبارات میں صیغہ صریحًا پڑھنا ضرور ہے۔ صیغہ مبارات یہ ہے بَارَئْتُکِ عَلٰی وَکَذَا وَاَنْتِ طَالِقٌ یعنی مین نے تجھکو (اتنا روپیہ دیکر) قید زوجیت سے رہا کیا اور تو جدا ہو گئی (مجھسے)، اگر شوہر صرف بَارَئْتُکِ کہے اور اَنْتِ طَالِقٌ نہ کہے تو ساری کارروائی باطل ہو جائیگی۔ لکن اگر شوہر صرف اَنْتِ طَالِقٌ کہے اور بَارَئْتُکِ نہ کہے تو ایسی مبارات بمنزلہ طلاق کے ہوگی اور شوہر مہر کا ذمہ دار رہیگا۔ مگر شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ جب عربی مین صیغہ پڑھنے کی لیاقت نہو یا جب شوہر و زوجہ شرع کی اصطلاحات سے واقف نہون تو اُنکے قصد کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اگر اُنکے کردار و رفتار اور اُنکی گفتار سے یہ قصد ثابت ہو کہ ایک دوسرے سے گلو خلاصی چاہتا ہے تو مبارات ہو جائیگی گو ٹھیک ٹھیک صیغہ نہ پڑھا گیا ہو۔[2]

جن صورتون مین رسوم شرعیہ کی پابندی کما حقہ کی گئی ہو اور صیغہ پڑھا گیا ہو اور اُسکا پڑھا جانا ثابت کر دیا جائے اُن صورتون مین مبارات طلاق بائن کا حکم رکھیگی۔[3] مبارات سے رشتہ زوجیت بالکل قطع ہو جاتا ہے اور شوہر کو کچھ اختیار زوجہ پر نہین باقی رہتا۔ چنانچہ الکرخی فرماتے ہین کہ جب شوہر زوجہ سے معاوضہ لے تو طلاق بائن ہوگا اور اگر معاوضہ نہ بھی لے

---

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۲۳ — ہدایہ، عالمگیری صفحہ ۹۱ — [2] شرایع الاسلام صفحہ ۳۲۳ — ۱۲ منہ [3] حاشیہ ... صاحب کی کتاب صفحہ ... ۱۲ منہ

اور طلاق رجعی ہو تو اگر زوجہ کے عدہ کے زمانہ مین اُس سے معاوضہ لینا قبول کرلے تو بھی طلاق بائن ہو جائیگا[1]

اگر شوہر و زوجہ مین شرائط خلع یا شرائط مبارات پر جھگڑا ہو تو عموماً زوجہ کے قول کو ترجیح دیجائیگی اور بار ثبوت شوہر پر ڈالا جائیگا۔

جب زوجہ شوہر سے خلع لینا بشرط ادا کرنے معاوضہ کے قبول کرلے مگر یہ بیان کرے کہ شوہر کی زبردستی سے اُسنے ایسا کیا ہے تو اجبار و اکراہ کے بیان کا بار ثبوت زوجہ پر رہیگا[2]

جب خلع ہو چکی ہو اور شرائط خلع طے ہو چکے ہون تو معاوضہ خلع مین اضافہ کرنا جائز نہین ہے

اگر کوئی عورت اِس شرط سے خلع لے کہ شوہر سے جو اولاد اُسکی ہے اُسکو اُسکے بلوغ کے زمانہ تک نفقہ دیگی تو خلع صحیح ہوگی اگر وہ اولاد لڑکی ہو مگر ناجائز ہوگی اگر وہ اولاد لڑکا ہو۔

اگر عورت اپنے وکیل یا کارندہ کو اجازت دے کہ پانسے درہم دیکر شوہر سے خلع لے لے مگر وہ وکیل یا کارندہ اُس اجازت سے تجاوز کرکے ہزار درہم پر معاملہ طے کرے تو الکرخی کے نزدیک ایسی خلع جائز ہوگی اور وہ عورت صرف اُس رقم کی ذمہ دار ہوگی جسکی اجازت اُسنے دی ہے ۔ یہ قول سنیون کا ہے ۔

مگر شیعون مین اور ہی قاعدہ ہے ۔ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ جب کوئی عورت کسی کو خلع لینے کے لیے وکیل کرے مگر مقدار معاوضہ کی تصریح نہ کردے تو معاوضہ خلع اُسکے مہر المثل سے زائد نہونا چاہیئے ۔ اگر مہر المثل سے زیادہ معاوضہ طے کیا گیا ہو تو وہ باطل ہوگا اور وہ خلع طلاق رجعی کا حکم رکھیگی اور وہ وکیل اُسکا ذمہ دار نہ سمجھا جائیگا۔

---

[1] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۱۲۴ ۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۶۰ ۔ مختلف صیغہائے مبارات مین جو اختلافات اور مسائلین دونون فتاوائے مین لکھی ہین اُنکو بیان کرنا عام فائدہ کے لیے کچھ ضرور نہین ہے ۔ کیونکہ جب وقوع طلاق تسلیم کرلیا جائے اور صرف اُسکی شرائط پر نزاع ہو تو بار ثبوت شوہر پر ہوگا مگر جب وقوع طلاق مورد نزاع ہو یعنی شوہر وقوع طلاق کا انکار کرے تو بار ثبوت زوجہ پر ہوگا ۔

[2] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۱۲۴ ۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۶۰ ۔

اور طلاق راجع ہو تو اگر زوجہ کے عدہ کے زمانہ مین اُس سے معاوضہ لینا قبول کر لے تو بھی طلاق بائن ہو جائیگا[1]

اگر شوہر و زوجہ مین شرائط خلع یا شرائط مبارات پر جھگڑا ہو تو عموماً زوجہ کے قول کو ترجیح دیجائیگی اور بار ثبوت شوہر پر ڈالا جائیگا۔

جب زوجہ شوہر سے خلع لینا بشرط ادا کرنے معاوضہ کے قبول کر لے مگر یہ بیان کرے کہ شوہر کی زبردستی سے اُسنے ایسا کیا ہے تو اجبار و اکراہ کے بیان کا بار ثبوت زوجہ پر رہیگا[2]

جب خلع ہو چکی ہو اور شرائط خلع طے ہو چکے ہون تو معاوضہ خلع مین اضافہ کرنا جائز نہین ہے

اگر کوئی عورت اِس شرط سے خلع لے کہ شوہر سے جو اولاد اُسکی ہے اُسکو اُسکے بلوغ کے زمانہ تک نفقہ دیگی تو خلع صحیح ہوگی اگر وہ اولاد لڑکی ہو مگر ناجائز ہوگی اگر وہ اولاد لڑکا ہو۔

اگر عورت اپنے وکیل یا کارندہ کو اجازت دے کہ پانسے درہم دیکر شوہر سے خلع لے لے مگر وہ وکیل یا کارندہ اُس اجازت سے تجاوز کر کے ہزار درہم پر معاملہ طے کرے تو الکرخی کے نزدیک ایسی خلع جائز ہوگی اور وہ عورت صرف اُس رقم کی ذمہ دار ہوگی جسکی اجازت اُسنے دی ہے ــ یہ قول سنیون کا ہے ــ

مگر شیعون مین اور ہی قاعدہ ہے ــ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "جب کوئی عورت کسی کو خلع لینے کے لیے وکیل کرے مگر مقدار معاوضہ کی تصریح نہ کر دے تو معاوضہ خلع اُسکے مہر المثل سے زائد نہونا چاہیئے ــ اگر مہر المثل سے زیادہ معاوضہ طے کیا گیا ہو تو وہ باطل ہوگا اور وہ خلع طلاق راجع کا حکم رکھیگی اور وہ وکیل اُسکا ذمہ دار نہ سمجھا جائیگا ــ

[1] فتاوا ے قاضیخان صفحہ ۴۴۲ ــ فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۰۶ ــ مختلف صیغہاے مبارات مین جو اختلافات اور مثالین دونون فتاواے مین لکھی ہین اُنکو بیان کرنا عام فائدہ کے لیے کچھ ضرور نہین ہے ــ کیونکہ جب وقوع طلاق تسلیم کر لیا جاے اور صرف اُسکی شرائط پر نزاع ہو تو بار ثبوت شوہر پر ہوگا مگر جب وقوع طلاق مورد نزاع ہو یعنی شوہر وقوع طلاق کا انکار کرے تو بار ثبوت زوجہ پر ہوگا ــ [2] فتاواے قاضیخان صفحہ ۴۴۲ ــ فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۰۶ ــ

جو سکتے ہین یا قاضی دست اندازی کرسکتا ہے اور اگر کچھ فیصلہ نہو سکے تو فسخ نکاح کرنا لازم ہے
شارع اسلام کو اپنی حیات مین یہ اصول کئی مرتبہ اپنے اصحاب کے مقدمات مین جاری
کرنا پڑا - انمین سے ایک مقدمہ ایسا مشہور ہے کہ فقہاء اسلام کے لیے ایک مستند نظیر ہوگئی ہے
لکھا ہے کہ صبیہ بنت حارث جسکا عمرو کے ساتھ نکاح ہوا تھا دفعۃً مکہ سے چلی گئی اور لشکر
اسلام مین جاکر پناہ لی - اُسکے شوہر سے کہا گیا کہ تو بھی وہین چلا جا جہان تیری زوجہ چلی گئی ہے -
مگر اُسنے انکار قطعی کیا - پس اُنکا نکاح فسخ کیا گیا اور صبیہ کو اجازت دی گئی کہ جن لوگون سے
وہ آکر ملی تھی انمین سے کسی شخص کے ساتھ دوسرا عقد کرلے -

جو فرائض شوہر پر نکاح سے عائد ہوتے ہین وہ سابق مین کماحقہ بیان ہوچکے ہین -
جو ناظرین شرع محمدی کے شائق ہین اُنکو چاہیئے کہ اسکی زیادہ تفصیل کتاب المستطرف
مین ملاحظہ کرین -

طلاق قاضی کے حکم سے اُس صورت مین ہوسکتا ہے جبکہ شوہر اپنے فرائض کو بجا
لانے مین قصور کرے - اور اُس صورت مین بھی ہوسکتا ہے جبکہ شوہر شرائط نکاح کو پورا کرنے سے
انکار کرے یا جب وہ زفاف یا وطی کے قابل نہو - اور اُس صورت مین ہوسکتا ہے جبکہ شوہر
زوجہ کو زنا سے متہم کرے جسکو شرع مین لعان کہتے ہین یا جب اُسکو اپنے محرمات شرعیہ مین سے
کسی عورت کے ساتھ مشابہت دے یعنی اُسکو اپنی مان یا بہن وغیرہ کہے جسکو ظہار کہتے ہین -
یا جب قسم کھا جائے کہ چار مہینے تک اُس سے مقاربت نہ کریگا جسکو ایلا کہتے ہین -

سائیلر صاحب اور ڈی منز دیل صاحب مصنفان فرانسیسی نے بہت سے مقدمات
بطور نظیر کے لکھے ہین جنکا فیصلہ صوبہ الجیرس کی عدالتون نے کیا ہے اور جنسے ثابت ہوتا ہے
کہ منجملہ دیگر وجوہ کے وجوہ ذیل سے بھی زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہوجاتی ہے -

(۱) جب شوہر اُسکو چھوڑ دے اور نفقہ نہ دے -
(۲) جب اُسکو لباس سے محروم رکھے -

ہو سکتے ہین یا قاضی دست اندازی کر سکتا ہے اور اگر کچھ فیصلہ نہو سکے تو فسخ نکاح کرنا لازم ہے
شارع اسلام کو اپنی حیات مین یہ اصول کئی مرتبہ اپنے اصحاب کے مقدمات مین جاری
کرنا پڑا - انمین سے ایک مقدمہ ایسا مشہور ہے کہ فقہاء اسلام کے لیے ایک مستند نظیر ہو گئی ہے
لکھا ہے کہ صبیہ بنت حارث جسکا عمرو کے ساتھ نکاح ہوا تھا دفعتہ مکہ سے چلی گئی اور لشکر
اسلام مین جا کر پناہ لی - اُسکے شوہر سے کہا گیا کہ تو بھی وہین چلا جا جہان تیری زوجہ چلی گئی ہے -
مگر اُسنے انکار قطعی کیا - پس اُنکا نکاح فسخ کیا گیا اور صبیہ کو اجازت دی گئی کہ جن لوگون سے
وہ آکر ملی تھی اُنمین سے کسی شخص کے ساتھ دوسرا عقد کر لے -

جو فرائض شوہر پر نکاح سے عائد ہوتے ہین وہ سابق مین کماحقہ بیان ہو چکے ہین -
جو ناظرین شرع محمدی کے شائق ہین اُنکو چاہیئے کہ اسکی زیادہ تفصیل کتاب المستطرف
مین ملاحظہ کرین -

طلاق قاضی کے حکم سے اُس صورت مین ہو سکتا ہے جبکہ شوہر اپنے فرائض کو بجا
لانے مین قصور کرے - اور اُس صورت مین بھی ہو سکتا ہے جبکہ شوہر شرائط نکاح کو پورا کرنے سے
انکار کرے یا جب وہ زفاف یا وطی کے قابل نہو - اور اُس صورت مین ہو سکتا ہے جبکہ شوہر
زوجہ کو زنا سے متہم کرے جسکو شرع مین لعان کہتے ہین یا جب اُسکو اپنے محرمات شرعیہ مین سے
کسی عورت کے ساتھ مشابہت دے یعنی اُسکو اپنی مان یا بہن وغیرہ سے کہے جسکو ظہار کہتے ہین -
یا جب قسم کھا جائے کہ چار مہینے تک اُس سے مقاربت نہ کریگا جسکو ایلا کہتے ہین -

سائیرا صاحب اور ڈی منزیل صاحب مصنفان فرانسیسی نے بہت سے مقدمات
بطور نظیر کے لکھے ہین جنکا فیصلہ صوبہ الجیریس کی عدالتون نے کیا ہے اور جنسے ثابت ہوتا ہے
کہ منجملہ دیگر وجوہ کے وجوہ ذیل سے بھی زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہو جاتی ہے -

(۱) جب شوہر اُسکو چھوڑ دے اور نفقہ نہ دے -
(۲) جب اُسکو لباس سے محروم رکھے -

مفلس ہو اور زوجہ کے لیے نفقہ نہ مہیا کر سکتا ہو نہ کوئی محنت مزدوری کرنے کے قابل ہو تو زوجہ طلاق مانگنے کی شرعاً مستحق نہین ہے۔

جب شوہر زوجہ کو نفقہ دینے سے انکار کرے جس سے وہ طلاق مانگنے کی مستحق ہو جاوے تو اُس انکار کو چاہیئے کہ برابر چلا آیا ہو نہ یہ کہ زمانہ ماضی مین انکار کیا ہو۔

جب زوجہ کی درخواست طلاق گذرنے پر شوہر اُسکو نفقہ دینا قبول کرلے اور یہ اقرار اُسنے نیک نیتی سے کیا ہو تو زوجہ طلاق کی مستحق نہوگی گو اِس صورت مین قاضی کو اختیار ہوگا۔

بقایاے نفقہ واجب الادا نہین ہوتا تاوقتیکہ مجسٹریٹ یا قاضی اُسکی مقدار نہ مقرر کردے یا اُسکی تعداد فریقین نے باہم گفتگو کرکے پیشتر ہی سے مقرر کرلی ہو۔ ایسی صورتون مین زوجہ بقایاے نفقہ عدالت دیوانی مین نالش کرکے وصول کرسکتی ہے۔

اگر شوہر اپنے گھر سے چلا جاوے اور کوئی تدبیر زوجہ کے گذارہ کی اپنی عدم موجودگی زمانہ مین کرجاے یا کوئی ذریعہ اُسکے معاش کا نہ دیا کرجاوے تو زوجہ قاضی سے طلاق کی استدعا کرسکتی ہے حاکم شرع کو اجازت دیگئی ہے کہ جب زوجہ ایسی طلاق کی درخواست کرے تو مقدمہ تیس روز تک ملتوی رکھکر اشتہار جاری کرے کہ شوہر یا اُسکی طرف سے کوئی شخص اشخاص اِس میعاد کے اندر حاضر عدالت ہون۔ پس اگر خود شوہر یا اُسکا وکیل یا کارندہ وغیرہ عدالت مین حاضر ہو تو قاضی اُسکے جواب دعوے کے سچ یا جھوٹ ہونے کی تحقیقات کرے۔ اگر شوہر یا اُسکا وکیل وغیرہ عدالت مین نہ حاضر ہو یا شوہر یا اُسکا وکیل نہ ثابت کرسکے کہ زوجہ کا کافی ذریعہ اپنے معاش کا رکھتی ہے تو قاضی طلاق کا حکم شرعاً دیسکتا ہے لیکن اگر شوہر زوجہ کے پاس یا اور کسی شخص کے پاس کچھ جائداد چھوڑ گیا ہو یا کسی تجارت یا شراکت مین کچھ روپیہ لگا گیا ہو تو قاضی یہ حکم دیسکتا ہے کہ اس عورت کا نفقہ اُس جائداد سے یا اُسکی آمدنی سے دیا جاوے۔ ایسے سب مقدمات مین زوجہ کو یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ شوہر نے اُسکو چھوڑ دیا ہے اور کوئی ذریعہ اُسکے معاش کا نہین مہیا کیا ہے۔ ایسا حکم ہمیشہ زوجہ کے اختیار سے دیا جاتا ہے یعنی اُسکو اختیار رہتا ہے کہ یا قید نکاح مین باقی رہکر تکالیف زوجیت کو گوارا کرے

مفلس ہو اور زوجہ کے لیے نفقہ نہ مہیا کر سکتا ہو نہ کوئی محنت مزدوری کرنے کے قابل ہو تو زوجہ
طلاق مانگنے کی شرعاً مستحق نہین ہے -

جب شوہر زوجہ کو نفقہ دینے سے انکار کرے جس سے وہ طلاق مانگنے کی مستحق ہو جاوے
تو اُس انکار کو چاہیئے کہ برابر چلا آیا ہو نہ یہ کہ زمانہ ماضی مین انکار کیا ہو -

جب زوجہ کی درخواست طلاق گذرنے پر شوہر اُسکو نفقہ دینا قبول کر لے اور یہ اقرار اُسنے
نیک نیتی سے کیا ہو تو زوجہ طلاق کی مستحق نہوگی گو اس صورت مین قاضی کو اختیار ہوگا -

بقایاے نفقہ واجب الادا نہین ہوتا تاوقتیکہ مجسٹریٹ یا قاضی اُسکی مقدار نہ مقرر کر دے یا
اُسکی تعداد فریقین نے باہم گفتگو کرکے پیشتر ہی سے طے کر لی ہو - ایسی صورتون مین زوجہ بقایاے نفقہ عدالت
دیوانی مین نالش کرکے وصول کر سکتی ہے -

اگر شوہر اپنے گھر سے چلا جاوے اور کوئی تدبیر زوجہ کے گذارہ کی اپنی عدم موجودگی زمانہ مین کر جاے
یا کوئی ذریعہ اُسکے معاش کا نہ دیا کر جاوے تو زوجہ قاضی سے طلاق کی استدعا کر سکتی ہے حاکم شرع کو
اجازت دیگئی ہے کہ جب زوجہ ایسی طلاق کی درخواست کرے تو مقدمہ تیس روز تک ملتوی رکھکر اشتہار
جاری کرے کہ شوہر یا اُسکی طرف سے کوئی شخص اشتہار اس میعاد کے اندر حاضر عدالت ہون - پس اگر
خود شوہر یا اُسکا وکیل یا کارندہ وغیرہ عدالت مین حاضر ہو تو قاضی اُسکے جواب دعوے کے
سچ یا جھوٹ ہونے کی تحقیقات کرے - اگر شوہر یا اُسکا وکیل وغیرہ عدالت مین نہ حاضر ہو یا شوہر
یا اُسکا وکیل نہ ثابت کر سکے کہ زوجہ کافی ذریعہ اپنے معاش کا رکھتی ہے تو قاضی طلاق کا حکم شرعاً دے سکتا ہے
لیکن اگر شوہر زوجہ کے پاس یا اور کسی شخص کے پاس کچھ جائداد چھوڑ گیا ہو یا کسی تجارت یا
شراکت مین کچھ روپیہ لگا گیا ہو تو قاضی یہ حکم دے سکتا ہے کہ اس عورت کا نفقہ اُس جائداد سے
یا اُسکی آمدنی سے دیا جاوے - ایسے سب مقدمات مین زوجہ کو یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ شوہر نے اُسکو
چھوڑ دیا ہے اور کوئی ذریعہ اُسکے معاش کا نہین مہیا کیا ہے - ایسا حکم ہمیشہ زوجہ کے اختیار سے
دیا جاتا ہے یعنی اُسکو اختیار رہتا ہے کہ یا قید نکاح مین باقی رہکر تکالیف زوجیت کو گوارا کرے

صرف زوجہ کا دعوے بے دلیل جبتک کہ اسکی تائید مین معتبر شہادت نہ پیش کیجائے الزامات مذکورۂ بالا سے کوئی الزام شوہر پر ثابت کرنے کے لئے کافی نہین ہے۔

جب زوجہ اپنے دعوے کے ثبوت مین معتبر گواہ پیش کرے یا اُسکے بدن پر علامات ظاہری زدوکوب کے موجود ہون تو قاضی کو واجب ہے کہ اُسکو طلاق دیدے۔

جب زوجہ طلاق کا دعوے اسوجہ سے کرے کہ شوہر اُسپر ظلم و تعدی کرتا ہے اور شوہر اسکے جواب مین یہ کہے کہ یہ بے رحمی خود اُسی کے کردار کا نتیجہ ہے تو اُسکا یہ جواب شرعاً کافی ہوگا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے اپنی زوجہ کو اسوجہ سے مارا ہے کہ وہ دین اسلام کو بُرا کہتی تھی یا مجھسے بے وفائی کرتی تھی تو یہ جواب اُسکا شرعاً کافی ہوگا۔

اِس مسئلہ کی کیفیت الجیرس کے ایک قاضی کے فیصلہ سے خوب معلوم ہوتی ہے جسکو عدالت اعلی نے بحال رکھا ہے۔ ایک مقدمہ مین شوہر نے زوجہ کو اسقدر مارا تھا کہ اُسکے بدن پر دو زخم پڑ گئے تھے۔ شوہر نے قاضی سے یہ بیان کیا کہ مین نے اسکو اسوجہ سے مارا ہے کہ میری غیبت مین یہ ایک غیر آدمی کو بلاتی ہے۔ قاضی نے اُن زخمون کو بغور دیکھکر کہا کہ گو زوجہ نے زنا کیا ہو مگر شوہر نے اسکو حد شرع سے زیادہ تعدیردی ہے لہذا وہ طلاق پانے کی مستحق ہے۔

طلاق قاضی کے حکم سے اُسوقت بھی ہو سکتا ہے جبکہ شوہر شرائط نکاح کی تعمیل سے قاصر رہے یا اُنکی پابندی نہ کرے۔ سب علما کا اسپر اتفاق ہے کہ جب شوہر اپنے اقرار کے خلاف کرے یا اُس اقرار کے موافق عمل نہ کرے تو زوجہ طلاق کی مستحق ہے جو شرط نکاح کے وقت شرعاً مقرر ہو سکتے ہین سابق مین بیان ہو چکے ہین اُنمین سے جو شرط اکثر کیجاتی ہے وہ یہ ہے کہ شوہر دوسرا نکاح اُسوقت تک نہ کریگا جبتک پہلا نکاح باقی رہیگا اگر اِس شرط کے خلاف شوہر پہلی بی بی کے ہوتے دوسرا نکاح بھی کرلے تو پہلی بی بی طلاق کی مستحق ہوگی اور شوہر کل مہر موجل کا ذمہ دار[1] ہوگا۔

---

[1] یہ حکم شرع بلاد اسلام مین تعدد ازدواج کا گویا مانع ہے۔ اہل سنت اور اثنا عشریہ مین جو اختلاف اس مسئلہ مین ہے وہ یہان بیان کیا گیا

صرف زوجہ کا دعوے بے دلیل جبتک کہ اسکی تائید مین معتبر شہادت نہ پیش کیجاے الزامات مذکورۂ بالا سے کوئی الزام شوہر پر ثابت کرنے کے لئے کافی نہین ہے -

جب زوجہ اپنے دعوے کے ثبوت مین معتبر گواہ پیش کرے یا اُسکے بدن پر علامات ظاہری زدوکوب کے موجود ہون تو قاضی کو واجب ہے کہ اُسکو طلاق دیدے -

جب زوجہ طلاق کا دعوے اسوجہ سے کرے کہ شوہر اُسپر ظلم و تعدی کرتا ہے اور شوہر اسکے جواب مین یہ کہے کہ یہ بے رحمی خود اُسی کے کردار کا نتیجہ ہے تو اُسکا یہ جواب شرعاً کافی ہوگا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے اپنی زوجہ کو اسوجہ سے مارا ہے کہ وہ دین اسلام کو بُرا کہتی تھی یا مجھسے بے وفائی کرتی تھی تو یہ جواب اُسکا شرعاً کافی ہوگا -

اس مسئلہ کی کیفیت الجیرس کے ایک قاضی کے فیصلہ سے خوب معلوم ہوتی ہے جسکو عدالت مرافعہ نے بحال رکھا ہے - ایک مقدمہ مین شوہر نے زوجہ کو اسقدر مارا تھا کہ اُسکے بدن پر دو زخم پڑ گئے تھے - شوہر نے قاضی سے یہ بیان کیا کہ مین نے اسکو اسوجہ سے مارا ہے کہ میری غیبت مین یہ ایک غیر آدمی کو بلاتی ہے - قاضی نے اُن زخمون کو بغور دیکھکر کہا کہ گو زوجہ نے زنا کیا ہو مگر شوہر نے اسکو حد شرع سے زیادہ تعدی دی ہے لہذا وہ طلاق پانے کی مستحق ہے -

طلاق قاضی کے حکم سے اُسوقت بھی ہو سکتا ہے جبکہ شوہر شرائط نکاح کی تعمیل سے قاصر رہے یا اُنکی پابندی نہ کرے - سب علما کا اسپر اتفاق ہے کہ جب شوہر اپنے اقرار کے خلاف کرے یا اُس اقرار کے موافق عمل نہ کرے تو زوجہ طلاق کی مستحق ہے جو شرائط نکاح کے وقت شرعاً مقرر ہو سکتے ہین سابق مین بیان ہو چکے ہین اُنمین سے جو شرط اکثر کیجاتی ہے وہ یہ ہے کہ شوہر دوسرا نکاح اُسوقت تک نہ کریگا جبتک پہلا نکاح باقی رہیگا اگر اس شرط کے خلاف شوہر پہلی بی بی کے ہوتے دوسرا نکاح بھی کرلے تو پہلی بی بی طلاق کی مستحق ہوگی اور شوہر کل مہر موجل کا ذمہ دار رہوگا[1] -

---

[1] یہ حکم غیر بلاد اسلام مین تعدد ازدواج کا قطعاً منع ہے - اہل سنت و اثنا عشریہ مین جو اختلاف اس مسئلہ مین ہے وہ باب مین بیان کیا گیا

مگر بعد ازآن اس اقرار کی خلاف ورزی کرے تو زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہوگی۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر بمجبوری کہین چلا گیا ہو اور زوجہ پاس نہ رہ سکے مثلاً قیدخانہ مین ہو تو آیا زوجہ طلاق کی مستحق ہوگی۔؟

یہ مسئلہ الجیرس کی عدالت کے حکم معصدرہ ۱۹-جولائی ۱۸۶۵ع سے حل ہوگیا ہے۔ اس حکم مین لکھا ہے کہ وہ شرع محمدی[1] مین زوجہ اُس شخص کی جو جیلخانہ مین ہو صرف اُسکے قید رہنے کی وجہ سے طلاق مانگنے کی مستحق نہین ہے بشرطیکہ شوہر کی مجبورانہ غیرحاضری کے زمانہ مین اُسکو نفقہ مناسب[1] ملے جائے

دوسرے مقدمہ مین اُسی عدالت نے قاضی کے حکم کو منسوخ کرکے یہ حکم صادر فرمایا کہ وہ قاضی اُس اصول شرع محمدی کو جو اُس شوہر سے متعلق ہے جو غائب ہوگیا ہو اس مقدمہ سے سہواً متعلق کردیا ہے اسواسطے کہ نفس الامر مین شوہر احمد ابن قرع غائب نہین ہوگیا ہے بلکہ یہ سب جانتے ہین کہ اسوقت وہ کہان ہے اور اسکی خبر ملی ہے اور زوجہ کو اتباع اُسکے شوہر کا بھائی نفقہ دیا کیا ہے۔ پس وہ طلاق کی مستحق نہین ہے اور قاضی کا حکم منسوخ کیا گیا۔

ابو زید القزوینی اور ابوالحسن الحلی دو عالم شافعی اپنی یہ راے لکھتے ہین کہ جب شوہر کی قید کو پانچ برس سے زیادہ مدت گذر جاے تو زوجہ شرعاً طلاق مانگ سکتی ہے اور بعد انقضاے عدہ شرعیہ دوسرا عقد کرسکتی ہے۔

شیعون کا قول یہ[1] ہے کہ جب شوہر غائب ہوجاے تو چار برس کے بعد زوجہ دوسرا عقد کرسکتی ہے بشرطیکہ اس عرصہ مین وہ مفقود الخبر ہوگیا ہو یعنی اُسکا کچھ پتا نشان نہ ملے مالکیہ اور حنبلیہ نے اِس مسئلہ مین شیعہ سے اتفاق کیا ہے مگر شافعیہ کے نزدیک ضرور ہے

---

[1] ساٹیر صاحب کی کتاب صفحہ ۲۶۵-۱۲ منہ [2] اس بحث مین جامع الشتات مین لکھا ہے کہ وہ پہلے حاکم شرع کا اذن لے لیا جاے تب دوسرا عقد کیا جاے" ہندوستان مین صرف اسقدر کافی ہوگا کہ مجسٹریٹ سے بیان کیا جاے کہ اس عورت کا شوہر چار برس سے بالکل مفقود الخبر ہے اسواسطے کہ مجسٹریٹ کا حکم عقد ثانی کے جواز کے لیے ضرور نہین ہے بلکہ صرف زوجہ اور اُسکے شوہر جدید کی نیک نیتی ثابت کرنے کے لیے ضرور ہے ۱۲ منہ

مگر بعد ازآن اس اقرار کی خلاف ورزی کرے تو زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہوگی۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر بمجبوری کہین چلا گیا ہو اور زوجہ پاس نہ رہ سکے مثلاً قیدخانہ مین ہو تو آیا زوجہ طلاق کی مستحق ہوگی۔؟

یہ مسئلہ الجیرس کی عدالت کے حکم معصدرہ ۱۹ جولائی ۱۸۶۶ع سے حل ہوگیا ہے۔ اس حکم مین لکھا ہے کہ وہ شرع محمدیؐ مین زوجہ اُس شخص کی جو جیلخانہ مین ہو صرف اُسکے قید رہنے کی وجہ سے طلاق مانگنے کی مستحق نہین ہے بشرطیکہ شوہر کی مجبوراً غیر حاضری کے زمانہ مین اسکو نفقہ مناسب ملے جائے دوسرے مقدمہ مین اُسی عدالت نے قاضی کے حکم کو منسوخ کرکے یہ حکم صادر فرمایا کہ وہ قاعدہ اُس اصول شرع محمدی کو جو اُس شوہر سے متعلق ہے جو غائب ہوگیا ہو اس مقدمہ سے سہواً متعلق کردیا ہے اسواسطے کہ نفس الامر مین شوہر احمد ابن قرع غائب نہین ہوگیا ہے بلکہ یہ سب جانتے ہین کہ اسوقت وہ کہان ہے اور اسکی خبر ملی ہے اور زوجہ کو اب تک اُسکے شوہر کا بھائی نفقہ دیا گیا ہے۔ پس وہ طلاق کی مستحق نہین ہے اور قاضی کا حکم منسوخ کیا گیا۔

ابو زید القزوینی اور ابوالحسن الحلی دو عالم شافعی اپنی یہ راے لکھتے ہین کہ جب شوہر کی قید کو پانچ برس سے زیادہ مدت گذر جاے تو زوجہ شرعاً طلاق مانگ سکتی ہے اور بعد انقضاے عدہ شرعیہ دوسرا عقد کرسکتی ہے۔

شیعون کا قول یہ ہے[1] کہ جب شوہر غائب ہو جاے تو چار برس کے بعد زوجہ دوسرا عقد کرسکتی ہے بشرطیکہ اس عرصہ مین وہ مفقود الخبر ہوگیا ہو یعنی اُسکا کچھ پتا نشان نہ ملے مالکیہ اور حنبلیہ نے اس مسئلہ مین شیعہ سے اتفاق کیا ہے مگر شافعیہ کے نزدیک ضرور ہے

---

[1] ساٹیر صاحب کی کتاب صفحہ ۲۶۵ - ۱۲ منہ ۵۲ اس بحث مین جامع الشتات مین لکھا ہے کہ وہ پہلے حاکم شرع کا اذن لے لیا جاے تب دوسرا عقد کیا جاے" ہندوستان مین صرف اسقدر کافی ہوگا کہ مجسٹریٹ سے بیان کیا جاے کہ اس عورت کا شوہر چار برس سے بالکل مفقودالخبر ہے اسواسطے کہ مجسٹریٹ کا حکم عقد ثانی کے جواز کے لیے ضرور نہین ہے بلکہ صرف زوجہ اور اسکے شوہر جدید کی نیک نیتی ثابت کرنے کے لیے ضرور ہے ۱۲ منہ

اور جو شوہر اپنی زوجہ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرتا تھا اُسکو کفارہ دینا پڑتا تھا۔ زوجہ کو
دشنام دینے کا معمولی کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا یا ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا یا دو مہینہ کے روزے
رکھنا تھا۔

اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو اپنی ماں یا بہن سے یا اپنے محرمات شرعیہ میں سے کسی
عورت سے مشابہت دے تو کفارہ دینا اُسکو اُسوقت واجب ہوتا ہے جبکہ اُسنے زوجہ کی
توہین کے لیے مشابہت دی ہو۔ چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر شوہر کہے کہ زوجہ کو ایسی
مشابہت دینے سے اُسکی تعظیم مقصود تھی توہین مقصود نہ تھی تو کچھ کفارہ دینا واجب نہوگا[1]

ظہار یعنی زوجہ کی نسبت الفاظ نا ملائم استعمال کرنے کا رسم قبیح مشرکین عرب کے عادات
و اخلاق میں داخل ہو کر بہت مضبوط و مستحکم ہو گیا تھا۔ پس اس رسم قبیح سے جو نتائج بد پیدا
ہوتے تھے اُنکو باطل کرنے اور باقتضاے زمانہ اُسکے متروک ہو جانے کی غرض سے شارع
اسلام نے چند قواعد مقرر کر دیے ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھے ہیں مگر فی زماننا ان قواعد کی
کوئی ضرورت عملی نہیں باقی رہی ہے۔ اُن قواعد سے ہم لوگوں کو صرف اتنا فائدہ ہے کہ
اُنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی عورت کو اُسکا شوہر الفاظ نا ملائم کہا کرتا ہو اور دشنام
دیا کرتا ہو تو کن شرائط سے وہ فقط اسی وجہ سے طلاق کی مستحق ہو جاتی ہے۔

زوجہ کی نسبت ایسے ناشائستہ الفاظ استعمال کرنا جیسے بیان کیے گئے اخلاق عامہ
کی تخریب اور رشتۂ زوجیت کی توہین کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ پس جس عورت کی نسبت اُسکا
شوہر اس قسم کا کوئی فحش کلمہ کہے اہل سنت کے مذہب میں اُسکو اختیار ہے کہ قاضی کا حکم لیکر
طلاق لے لے الا اینکہ شوہر اس معصیت کا وہ کفارہ شرعی دے جو سابق میں بیان کیا گیا۔

شیعوں کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جس زوجہ کو اُسکے شوہر نے ظہار دیا ہو
یعنی اُسکو اپنی محرمات شرعیہ میں سے کسی عورت کے ساتھ مشابہت دی ہو اُسکو بعلت ظہار طلاق

---

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۳۰۶-۱۲ منہ

اور جو شوہر اپنی زوجہ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرتا تھا اُسکو کفارہ دینا پڑتا تھا۔ زوجہ کو دشنام دینے کا معمولی کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا یا ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا یا دو مہینے کے روزے رکھنا تھا۔

اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو اپنی ماں یا بہن سے یا اپنے محرمات شرعیہ میں سے کسی عورت سے مشابہت دے تو کفارہ دینا اُسکو اُسوقت واجب ہوتا ہے جبکہ اُسنے زوجہ کی توہین کے لیے مشابہت دی ہو۔ چنانچہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر شوہر کہے کہ زوجہ کو ایسی مشابہت دینے سے اسکی تعظیم مقصود تھی توہین مقصود نہ تھی تو کچھ کفارہ دینا واجب نہوگا[1]

ظہار یعنی زوجہ کی نسبت الفاظ نا ملائم استعمال کرنے کا رسم قبیح مشرکین عرب کے عادات و اخلاق میں داخل ہو کر بہت مضبوط اور مستحکم ہو گیا تھا۔ پس اس رسم قبیح سے جو نتائج بد پیدا ہوتے تھے اُنکو باطل کرنے اور باقتضائے زمانہ اُسکے متروک ہوجانے کی غرض سے شارع اسلام نے چند قواعد مقرر کر دیے ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھے ہیں مگر فی زماننا اُن قواعد کی کوئی ضرورت عملی نہیں باقی رہی ہے۔ اُن قواعد سے ہم لوگوں کو صرف اتنا فائدہ ہے کہ اُنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی عورت کو اُسکا شوہر الفاظ نا ملائم کہا کرتا ہو اور دشنام دیا کرتا ہو تو کن شرائط سے وہ فقط اسی وجہ سے طلاق کی مستحق ہو جاتی ہے۔

زوجہ کی نسبت ایسے ناشائستہ الفاظ استعمال کرنا جیسے بیان کیے گئے اخلاق عامہ کی تخریب اور رشتۂ زوجیت کی توہین کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ پس جس عورت کی نسبت اُسکا شوہر اس قسم کا کوئی فحش کلمہ کہے اہل سنت کے مذہب میں اُسکو اختیار ہے کہ قاضی کا حکم لیکر طلاق لے لے الا اینکہ شوہر اس معصیت کا وہ کفارہ شرعی دے جو سابق میں بیان کیا گیا۔

شیعون کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جس زوجہ کو اُسکے شوہر نے ظہار دیا ہو یعنی اُسکو اپنی محرمات شرعیہ میں سے کسی عورت کے ساتھ مشابہت دی ہو اُسکو بعلت ظہار طلاق

---

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۳۰۶-۱۲ منہ

جیسا ظہار مین ہے ویسا ہی ایلا مین بھی شوہر پر کفارہ واجب ہوجاتا ہے اگر زوجہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد اُس قسم کی میعاد کے اندر اُس سے مقاربت کر بیٹھے۔ ایلا کی میعاد چار مہینہ ہے۔ اِس سے کم میعاد کی قسم شرعاً مؤثر نہین ہے۔ اگر چار مہینہ تک ایلا کا ایفا کیا جاوے تو حنفیہ کے نزدیک یہ قیاس کیا جائیگا کہ شوہر زوجہ سے ہمبستری کرنے کا ارادہ نہین رکھتا ہے لہذا ایسا ایلا طلاق باین کا حکم رکھیگا۔ اور اِس میعاد کے گذر جانے کے بعد شوہر کے حقوق زوجیت زوجہ پر نہ باقی رہینگے اور اگر شوہر اُس سے دوبارا ہمبستری کرنا چاہیگا تو زوجہ قاضی کا حکم لیکر طلاق لے لیگی اور قاضی طلاق کا حکم دیدیگا۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ جب ایلا چار مہینہ تک باقی رکھا جاوے تو طلاق رجعی کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی شوہر و زوجہ دونون کو اختیار رہے کہ جب چاہین ہمبستری کرین۔ اور شیعون کے نزدیک حاکم شرع کو وہ اختیار نہین حاصل ہے جو حنفیہ کے نزدیک قاضی کو حاصل ہے۔ یعنی حاکم شرع کو یہ اختیار نہین ہے کہ شوہر سے زبردستی طلاق دلوا دے یا محکمۂ قضا کے حکم سے طلاق دیدے مگر جب شوہر تمرد کرے اور نہ حقوق زوجیت کا اعادہ یعنی مباشرت کرے نہ طلاق دینا منظور کرے اور اسطرح سے زوجہ کے سخت حق تلفی اور نقصان رسانی کرے تو حاکم شرع اُسکو قید کر کے اُسپر تنگی کر سکتا ہے یہانتک کہ وہ زوجہ پاس پھر جائے یا اُسکو طلاق دیدے۔

لعان

شرع محمدی مین جب شوہر زنا کی تہمت لگاوے تو ثبوت زنا صرف چار گواہون کی گواہی سے ہوسکتا ہے جنھون نے اپنی آنکھ سے وہ فعل ہوتے دیکھا ہو۔ مگر یہ جرم ایسا ہے کہ بہت کم صورتین ایسی ہوتی ہین جنمین شہادت صریحی اور بچشم خود دیدہ بہم پہونچ سکتی ہین۔ لعان کی کارروائی شرع مین اُس وقت کے لیے مقرر کی گئی ہے جبکہ شوہر زوجہ کے ارتکاب زنا کا یقین کلی رکھتا ہو مگر اُسکا ثبوت اُن گواہون کی گواہی سے نہ دے سکے جنھون نے اُس فعل کو بچشم خود دیکھا ہو

جیسا ظہار مین ہے ویسا ہی ایلا مین بھی شوہر پر کفارہ واجب ہوجاتا ہے اگر زوجہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد اُس قسم کی میعاد کے اندر اُس سے مقاربت کر بیٹھے۔ ایلا کی میعاد چار مہینہ ہے۔ اِس سے کم میعاد کی قسم شرعاً مُوثر نہین ہے۔ اگر چار مہینہ تک ایلا کا ایفا کیا جاوے تو حنفیہ کے نزدیک یہ قیاس کیا جائیگا کہ شوہر زوجہ سے ہمبستری کرنے کا ارادہ نہین رکھتا ہے لہذا ایسا ایلا طلاق باین کا حکم رکھیگا۔ اور اِس میعاد کے گذر جانے کے بعد شوہر کے حقوق زوجیت زوجہ پر نہ باقی رہینگے اور اگر شوہر اُس سے دوبارا ہمبستری کرنا چاہیگا تو زوجہ قاضی کا حکم لیکر طلاق لے لیگی اور قاضی طلاق کا حکم دیدیگا۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ جب ایلا چار مہینہ تک باقی رکھا جاوے تو طلاق رجعی کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی شوہر و زوجہ دونون کو اختیار رہے کہ جب چاہین ہمبستری کرین۔ اور شیعون کے نزدیک حاکم شرع کو وہ اختیار نہین حاصل ہے جو حنفیہ کے نزدیک قاضی کو حاصل ہے۔ یعنی حاکم شرع کو یہ اختیار نہین ہے کہ شوہر سے زبردستی طلاق دلوادے یا بحکمہ قضا کے حکم طلاق دیدے مگر جب شوہر تمرد کرے اور نہ حقوق زوجیت کا اعادہ یعنی مباشرت کرے نہ طلاق دینا منظور کرے اور اسطرح سے زوجہ کے سخت حق تلفی اور نقصان رسانی کرے تو حاکم شرع اُسکو قید کر کے اُسپر تنگی کرسکتا ہے یہانتک کہ وہ زوجہ پاس پھر جائے یا اُسکو طلاق دیدے۔

لعان

شرع محمدی مین جب شوہر زنا کی تہمت لگاے تو ثبوت زنا صرف چار گواہون کی گواہی سے ہوسکتا ہے جنھون نے اپنی آنکھ سے وہ فعل ہوتے دیکھا ہو۔ مگر یہ جرم ایسا ہے کہ بہت کم صورتین ایسی ہوتی ہین جنمین شہادت صریحی اور بچشم خود دیدہ بہم پہونچ سکتی ہین۔ لعان کی کارروائی شرع مین اُس وقت کے لیے مقرر کی گئی ہے جبکہ شوہر زوجہ کے ارتکاب زنا کا یقین کلی رکھتا ہو مگر اُسکا ثبوت اُن گواہون کی گواہی سے نہ دیسکے جنھون نے اُس فعل کو بچشم خود دیکھا ہو

کرے اور مدعا علیہا اُسکی تردید کرنے پر مصر ہو تب قاضی صیغۂ لعان پڑھوائے جسمین ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ خدا تجھپر لعنت کرے۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ لعان صرف اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ شوہر سوا ے اپنی شہادت کے اور کوئی گواہ زوجہ کے ارتکاب زنا کا نہ رکھتا ہو۔ مگر سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر اور گواہ بھی رکھتا ہو تب بھی لعان کی کارروائی کرسکتا ہے۔

لعان کی نالش شوہر دو غرضون سے کرسکتا ہے۔ یا اس غرض سے کہ زوجہ پر زنا کا جرم ثابت کردے۔ یا اس غرض سے کہ جو لڑکا اُس سے پیدا ہوا ہو اُسکی ولدیت کا انکار کرے شق ثانی کا مفاد بھی یہی ہے کہ زوجہ پر شوہر سے بیوفائی کی تہمت عائد ہوتی ہے۔ جن شرائط کی پابندی ان دو صورتون مین واجب ہے چونکہ اُنمین تھوڑا سا فرق ہے لہذا علیحدہ علیحدہ بیان کیجاتی ہین۔ مثلاً شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ شوہر و زوجہ مین (۱) اسطرح سے ہو سکتا ہے کہ شوہر زوجہ پر زنا کا دعوے کرے اور زوجہ اُسکا انکار کرے مگر ملاعنہ صرف اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ شوہر یہ بیان کرے کہ مین نے زوجہ کو زنا کرتے بچشم خود دیکھا ہے مگر اور کوئی ثبوت میرے[۲] پاس نہین ہے۔ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ (۲) اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر کوئی اندھا آدمی اپنی زوجہ پر زنا کا دعوے کرے تو لعان نہین ہو سکتا گو وہ اولاد کی ولدیت کا انکار لعان[۳] سے کرسکتا ہے[۱۲]

سب فرقون کا اسپر اتفاق ہے کہ جو شخص لعان کی نالش دائر کرے اُسکو بالغ و عاقل ہونا چاہیئے۔ اور سنیون کے نزدیک اُسکا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔

کتب شیعہ مین یہ کہین صاف نہین لکھا ہے کہ شوہر کا مسلمان ہونا ایک شرط ضروری

---

[۱] فتاوا ے عالمگیری صفحہ ۶۶۸۔ فتاوا ے قاضی خان صفحہ ۱۵۲۔ فصول عمادیہ۔ شرایع الاسلام صفحہ ۶۴۳ و ۳۴۹ ۱۲ منہ [۲] جامع الشتات۔ ارشاد علامہ۔ شرایع الاسلام صفحہ ۳۴۶ و ۳۴۷ ۱۲ منہ [۳] شرایع الاسلام صفحہ ۳۴۷ ۱۲ مسشم

جواز لعان کی ہے۔ مگر جو مسائل جامع الشتات مین لکھے ہین اُنسے اِس بات مین شک ہوتا ہے
کہ آیا شوہر ذمی لعان کرسکتا ہے۔ کتب شیعہ کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ نے ذمی و
غیر مسلم رعیت کو لعان کی نالش کرنے کا اختیار دیا گیا ہے بشرطیکہ وہ زندیق یا دہریہ مشہور نہ ہو
فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "صرف وہ لوگ جو عدالت مین گواہی دینے کی قابلیت
شرعیہ رکھتے ہون لعان کرسکتے ہین پس لعان اُس صورت مین نہین ہوسکتا جبکہ شوہر اور
زوجہ دونون یا اُنمین سے ایک تہمت لگانے کی سزائے مخصوص پا چکا ہو یا اُنمین سے
ایک غلام یا لونڈی ہو یا کافر ہو یا گونگا ہو یا نابالغ ہو یا مجنون ہو[1]"۔ مگر اندھے اور بہرے کے
لعان کرنا ممنوع نہین ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ بھی ضرور ہے کہ زوجہ مسلمہ اور عفیفہ ہو جب وہ فاسقہ ہو یا شوہر
اور زوجہ مین صرف برائے نام نکاح ہو تو زوجہ لعان کا دعوے نہین کرسکتی۔

شافعیہ[2] اور مالکیہ نے اس باب مین شیعہ سے اتفاق کیا ہے کہ گونگا آدمی لعان کرسکتا ہے
چنانچہ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "گونگے آدمی کا لعان شرعًا جائز ہے جبکہ اُسکا مطلب
اشارون سے سمجھ مین آسکے"

حنفیہ اور شیعہ کا اسمین اتفاق ہے کہ زوجہ عاقلہ ہونی چاہیئے[3] تب لعان شرعًا ہو سکتی ہے
مگر شیعہ نے حنفیہ سے بھی ترقی کرکے یہ لکھا ہے کہ زوجہ کو بالغہ و عاقلہ ہونا چاہیئے اور اندھی
اور بہری نہونا چاہیئے۔ اور اسمین وہ حنفیہ سے متفق ہین کہ زوجہ کو مسلمہ ہونا چاہیئے[4]
حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اُس زوجہ کو زنا سے متہم کرے جو ذمیہ و غیر مسلمہ
یا کنیز ہو تو اُسکو لعان کرنا شرعًا جائز نہین ہے۔ مگر شیعون کا قول یہ ہے کہ وہ لعان مرد آزاد

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۴۳۔ ۲ منہ [2] ہدایہ صفحہ ۱۵۳۔ شرائع الاسلام صفحہ ۸۴۳۔ کتاب الانوار۔ ۳ منہ
[3] ظاہر اس مسئلہ مین معتزلہ اور اخباریون نے اصولیون سے اختلاف کیا ہے۔ انکا قول یہ معلوم
ہوتا ہے کہ جواز لعان زوجہ کے مسلمہ ہونے پر نہین موقوف ہے۔ ۱۲ منہ

اور کنیز مین ہو سکتا ہے یعنی اگر وہ مرد اس کنیز کو زنا کی تہمت لگائے تو مستوجب لعان ہوگا[1]
آخر الذکر مسئلہ مین شافعیہ اور مالکیہ نے شیعہ سے اتفاق کیا ہے اور حق لعان کو
عمل مین لانے مین حر اور عبد کا امتیاز نہین کیا ہے - اور اُنکے نزدیک ذمیہ اور مسلمہ لعان مین
دونون برابر ہین - مگر اُنھون نے شیعہ اور حنفیہ سے اِس امر مین اختلاف کیا ہے کہ صرف
زوجہ کے ملعون ہونے کو مانع لعان نہ سمجھنا چاہیئے اور نہ اسکا مانع سمجھنا چاہیئے کہ شوہر
جو دعوے زنا کا اُسپر دائر کرے اُسکو از روے شرع ثابت کرے -
شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب زوجہ غیر مسلمہ پر زنا کی تہمت لگائی جائے
تو اگر وہ نصرانیہ ہو تو کلیسا مین جا کر قسم کھا سکتی ہے اور اگر یہودیہ ہو تو معبد یہودیان
مین جا کر کھا سکتی ہے -
شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر شہادت پیش کر سکتا ہو مگر عمدًا نہ پیش کرے
تو لعان نہین کر سکتا - لیکن جب وہ قسم کھاتا ہے کہ مین نے اپنی آنکھ سے زوجہ کو زنا کرتے دیکھا ہے
مگر اس قول کی تصدیق کے لیے گواہ نہ رکھتا ہو تو اُس سے اور زوجہ سے علیحدہ علیحدہ
قسم لینا چاہیئے - اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کرے تو زنا کی تہمت لگانے کی سزا پائیگا
اگر زوجہ قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی اپنی مہر و دستخط سے حکم صادر کرکے فسخ نکاح کر دے
اور ایک شرط لعان کی یہ ہے کہ زوجہ لعان طلب کرے اور اگر شوہر قسم کھانے سے انکار
کرے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اُسکو قید کرے یہانتک کہ وہ قسم کھانے پر راضی ہو جائے
یا دعوے زنا سے باز آئے - اگر دعوے زنا سے باز آئے تو زنا کی تہمت لگانے کی سزا کا
مستوجب ہوگا - اِسی طرح سے اگر وہ عورت ضد کرے اور ہرگز قسم نہ کھاے تو قاضی کو اختیار
کہ اُسکو قید رکھے یہانتک کہ وہ قسم کھاے یا اپنے جرم کا اقرار کرے[1] - مگر ان احکام
لعان کو الجیرس کے حنفی قاضی نافذ نہین کرتے اور انھین کے فیصلون سے ہمکو اصل اصول

[1] جامع الشتات - شرایع الاسلام صفحہ ۳۴۸ - ۱۲ منہ -

اور کنیز مین ہو سکتا ہے یعنی اگر وہ مرد اس کنیز کو زنا کی تہمت لگائے تو مستوجب[1] لعان ہوگا"

آخر الذکر مسئلہ مین شافعیہ اور مالکیہ نے شیعہ سے اتفاق کیا ہے اور حق لعان کو عمل مین لانے مین حرّا ور عبد کا امتیاز نہین کیا ہے - اور اُنکے نزدیک ذمیہ اور مسلمہ لعان مین دونون برابر ہین - مگر اُنھون نے شیعہ اور حنفیہ سے اس امر مین اختلاف کیا ہے کہ صرف زوجہ کے ملعون ہونے کو مانع لعان نہ سمجھنا چاہیئے اور نہ اسکا مانع سمجھنا چاہیئے کہ شوہر جو دعوے زنا کا اُسپر وارد کرے اُسکو از روے شرع ثابت کرے -

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب زوجہ غیر مسلمہ پر زنا کی تہمت لگائی جائے تو اگر وہ نصرانیہ ہو تو گرجا مین جا کر قسم کہا سکتی ہے اور اگر یہودیہ ہو تو معبد یہودین جا کر کہا سکتی ہے -

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر شہادت پیش کر سکتا ہو مگر عمدًا نہ پیش کرے تو لعان نہین کر سکتا - لیکن جو شوہر دعوا کرے کہ مین نے اپنی آنکھ سے زوجہ کو زنا کرتے دیکھا ہے مگر اس قول کی تصدیق کے لیے گواہ نہ رکھتا ہو تو اُس سے اور زوجہ سے علیحدہ علیحدہ قسم لینا چاہیئے - اگر شوہر قسم کہانے سے انکار کرے تو زنا کی تہمت لگانے کی سزا پائیگا اگر زوجہ قسم کہانے سے انکار کرے تو قاضی اپنی مرضی سے حکم صادر کرے کہ فسخ نکاح کر دے ایک شرط لعان کی یہ ہے کہ زوجہ لعان طلب کرے اور اگر شوہر قسم کہانے سے انکار کرے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اُسکو قید کرے یہانتک کہ وہ قسم کھانے پر راضی ہو جائے یا دعوے زنا سے باز آئے - اگر دعوے زنا سے باز آئے تو زنا کی تہمت لگانے کی سزا کا مستوجب ہوگا - اِسی طرح سے اگر وہ عورت ضد کرے اور ہرگز قسم نہ کہائے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اُسکو قید رکھے یہانتک کہ وہ قسم کہائے یا اپنے جرم کا اقرار کرے" - مگر ان احکام لعان کو الجیرس کے حنفی قاضی نافذ نہین کرتے اور انھین کے فیصلون سے ہمکو اصل اصول

[1] جامع الشتات - شرائع الاسلام صفحہ ۴۸۳ - ۱۲ منہ -

کوئی ایسا نقص شرعی تھا جس سے لعان باطل ہو جاتا ہے یا اگر ان میں سے کوئی مرتد ہو جاوے اور بعد اُسکے پھر اسلام قبول کرے تو ان سب صورتوں میں وہ باہم دوبارا عقد کر سکتے ہیں۔

اولاد کی ولدیت کا انکار کرنے کے لیے جو لعان کیا جاوے اُسمیں بھی وہی رسوم شرعی ادا کرنا لازم ہے جنکی پابندی اُس لعان میں کیجاتی ہے جسمیں زوجہ پر زنا کی تہمت لگائی جاوے صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں اور صیغہ پڑھا جاتا ہے اور دوسری صورت میں اور صیغہ پڑھا جاتا ہے

یہ بھی بیان کردینا چاہیئے کہ جب زوجہ پر زنا کی تہمت لگا کر فسخ نکاح منظور ہو تو لعان کے سب شروط کی تعمیل کرنا کچھ ضرور نہیں ہے جس مقدمہ کا ذکر سابق میں کیا گیا کہ شہر بان کے قاضی نے اُسکا فیصلہ کیا تھا اُسمیں شوہر نے قاضی کے سامنے حاضر ہوکر زوجہ پر زنا کا دعوے کیا اور زوجہ نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ قاضی نے فسخ نکاح کا حکم لکھکر زوجہ کو حکم دیا کہ جو مہر تونے شوہر سے پایا ہے اُسکو واپس کردے۔

اِسی طرح سے جب کسی عورت پر جھوٹا دعوے زنا کا دائر کیا جاوے اور شوہر اُس دعوے کو ثابت نہ کرسکے تو وہ عورت عدالت سے طلاق مانگ سکتی ہے۔ساٹیر صاحب نے جو دو نظیریں لعان کی لکھی ہیں وہ ناطق اور قطعی ہیں۔ ایک مقدمہ میں یحیی ابن محمد نے اپنی زوجہ پر زنا کا دعوے کیا۔ زوجہ نے دعوے زنا کا انکار کرکے شوہر سے قاضی کے سامنے کہا کہ شہادت پیش کرکے اپنے دعوے کو ثابت کر۔ جب شوہر شہادت نہ پیش کرسکا تو قاضی نے زوجہ کی درخواست سے فسخ نکاح کا حکم دیدیا۔

دوسرے مقدمہ میں جسکا فیصلہ الجیرس کی عدالت نے ۱۳ فروری ۱۸۶۱ء کو کیا تھا شوہر نے فسخ نکاح کا دعوے اس بنا پر کیا کہ زوجہ قبل نکاح مرتکب فعل شنیع ہوئی تھی۔ زوجہ نے اُسکے دعوے کا انکار کرکے طلاق طلب کیا۔ شوہر[لے] اپنے دعوے کے اثبات

لے اگر نکاح شوہر کی استدعا سے منسوخ کیاجاتا تو وہ مہر کا مستوجب نہوتا۔ ۱۲ منہ

کوئی ایسا نقص شرعی تھا جس سے لعان باطل ہوجاتا ہے یا اگر اُنمین سے کوئی مرتد ہوجاوے
اور بعد اُسکے پھر اسلام قبول کرلے تو ان سب صورتون مین وہ باہم دوبارا عقد کرسکتے ہین۔
اولاد کی ولدیت کا انکار کرنے کے لیے جو لعان کیاجاے اُسمین بھی وہی رسوم شرعی ادا
کرنا لازم ہے جنکی پابندی اُس لعان مین کیجاتی ہے جسمین زوجہ پر زنا کی تہمت لگائی جاے
صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت مین اور صیغہ پڑھا جاتا ہے اور دوسری صورت مین اور
صیغہ پڑھا جاتا ہے

یہ بھی بیان کردینا چاہیئے کہ جب زوجہ پر زنا کی تہمت لگاکر فسخ نکاح منظور ہو تو لعان کے
سب شروط کی تعمیل کرنا کچھ ضرور نہین ہے جس مقدمہ کا ذکر سابق مین کیا گیا کہ شہر بان کے
قاضی نے اُسکا فیصلہ کیا تھا اُسمین شوہر نے قاضی کے سامنے حاضر ہوکر زوجہ پر زنا کا
دعوے کیا اور زوجہ نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ قاضی نے فسخ نکاح کا حکم لکھکر زوجہ کو
حکم دیا کہ جو مہر تو نے شوہر سے پایا ہے اُسکو واپس کردے۔

اسی طرح سے جب کسی عورت پر جھوٹا دعوےٰ زنا کا دائر کیا جاوے اور شوہر اُس دعوے کو
ثابت نہ کرسکے تو وہ عورت عدالت سے طلاق مانگ سکتی ہے۔ سانٹیر اصاحب نے جو دو نظیرین
لعان کی لکھی ہین وہ ناطق اور قطعی ہین۔ ایک مقدمہ مین یحییٰ ابن محمد نے اپنی زوجہ پر زنا کا
دعوے کیا۔ زوجہ نے دعوے زنا کا انکار کرکے شوہر سے قاضی کے سامنے کہا کہ شہادت
پیش کرکے اپنے دعوے کو ثابت کر۔ جب شوہر شہادت نہ پیش کرسکا تو قاضی نے زوجہ کی
درخواست سے فسخ نکاح کا حکم دیدیا۔

دوسرے مقدمہ مین جسکا فیصلہ الجیرس کی عدالت نے ۱۳ فروری ۱۸۷۱ء کو کیا تھا
شوہر نے فسخ نکاح کا دعوے اس بنا پر کیا کہ زوجہ قبل نکاح مرتکب فعل شنیع ہوئی تھی۔
زوجہ نے اُسکے دعوے کا انکار کرکے طلاق طلب کیا۔ شوہر اپنے دعوے کے اثبات[1]

[1] اگر نکاح شوہر کی استدعا سے منسوخ کیا جاتا تو وہ مہر کا مستوجب نہوتا۔ ۱۲ منہ

محکمہ مین دائر کرنا چاہیئے - جو طلاق صرف مجتہدین کے فتوے سے دیدیا جاوے وہ بالکل باطل اور ناجائز ہے - چنانچہ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے طلاق کا دعوے دائر کرنا شرعاً جائز نہین ہے مگر حاکم شرع کے محکمہ مین -

جب کوئی عورت اپنے شوہر پر نامرد ہونیکا دعوے کرتی ہے تو قاضی اُسکی تحقیقات کرتا ہے اور فریقین کا اظہار لیتا ہے - اگر وہ عورت باکرہ ہے تو بزرگ عورتون کی ایک جیوری قرار دیجاتی ہے اور وہ دیکھتی ہے کہ آیا یہ باکرہ ہے یا نہین ہے - اگر اُسکا بیان سچ پایا جاوے تو بصدور حکم التوائی تاریخ سے برس روز تک مقدمہ ملتوی رکھا جاتا ہے - اگر اس عرصہ مین شوہر ثابت نکرے تو بعد انقضا اس میعاد کے جو قاضی نے مقرر کی ہے زوجہ کی درخواست فسخ کیجاتی ہے لیکن اگر شوہر تکمیل فرائض زوجیت سے قاصر رہے یعنی زوجہ کا زفاف نہ کرسکے تو وہ مستحق طلاق کی ہوتی ہے -

سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خلوت صحیحہ ہوچکی ہو تو زوجہ پورے مہر کی مستحق ہوگی - اگر خلوت صحیحہ نہوئی ہو تو حنفیہ کے نزدیک وہ نصف مہر پائیگی - مگر شیعہ اور شافعیہ کے نزدیک دونون صورتون مین وہ نصف مہر پائیگی خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو خواہ نہوئی ہو -

اگر خود وہ عورت مرد پاس رہنے کے قابل نہو تو طلاق کی مستحق نہوگی - اگر وہ باکرہ نہو اور شوہر قسم کھاوے کہ اس سے مباشرت کرچکا ہون تو بھی وہ طلاق کی مستحق نہوگی

سنی اور شیعہ اسمین عموماً متفق ہین کہ قاضی کے محکمہ مین نامردی کی نالش دائر کرنے کیلیے کیا کارروائی کرنی چاہیئے - جامع الشتات مین لکھا ہے کہ ایسی صورت مین مجتہد العصر کا حکم ضرور ہے - (جو شیعہ ملکون مین قاضی کا قائم مقام ہوتا ہے) مگر یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ شرائع الاسلام مین اسکے خلاف لکھا ہے - یعنی اس کتاب مین یہ لکھا ہے - کہ یہ سچ ہے کہ نامردی ثابت کرنے کے لیے حاکم شرع کو چاہیئے کہ ایک مدت مقرر کردے کہ اس مدت مین شوہر اپنی مردی کی آزمائش کرے اور اس میعاد کے منقضی ہونے کے بعد زوجہ خود اپنے

محکمہ مین دائر کرنا چاہیئے - جو طلاق صرف مجتہدین کے فتوے سے دیدیا جاوے وہ بالکل
باطل اور ناجائز ہے - چنانچہ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے
طلاق کا دعوے دائر کرنا شرعاً جائز نہین ہے مگر حاکم شرع کے محکمہ مین -

جب کوئی عورت اپنے شوہر پر نامرد ہونے کا دعوے کرتی ہے تو قاضی اُسکی تحقیقات
کرتا ہے اور فریقین کا اظہار لیتا ہے - اگر وہ عورت باکرہ ہے تو بزرگ عورتون کی ایک جوری
قرار دیجاتی ہے اور وہ دیکھتی ہے کہ آیا یہ باکرہ ہے یا نہین ہے - اگر اُسکا بیان سچ پایا جاتا ہے
تو بموجب حکم التوائی تاریخ سے برس روز تک مقدمہ ملتوی رکھا جاتا ہے - اگر اس عرصہ مین
شوہر ثابت کر دے تو بعد انقضا اس میعاد کے جو قاضی نے مقرر کی ہے زوجہ کی درخواست فسخ کیجاتی ہے
لیکن اگر شوہر تکمیل فرائض زوجیت سے قاصر رہے یعنی زوجہ کا زفاف نہ کر سکے تو وہ مستحق
طلاق کی ہوتی ہے -

سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو زوجہ پورے مہر کی مستحق ہوگی -
اگر خلوت صحیحہ نہوئی ہو تو حنفیہ کے نزدیک وہ نصف مہر پائیگی - مگر شیعہ اور شافعیہ کے
نزدیک دونون صورتون مین وہ نصف مہر پائیگی خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو خواہ نہوئی ہو -

اگر خود وہ عورت مرد پاس رہنے کے قابل نہو تو طلاق کی مستحق نہوگی - اگر وہ باکرہ نہو اور
شوہر قسم کھاوے کہ اس سے مباشرت کر چکا ہون تو بھی وہ طلاق کی مستحق نہوگی

سنی اور شیعہ اسمین عموماً متفق ہین کہ قاضی کے محکمہ مین نامردی کی نالش دائر کرنے کیلیے
کیا کارروائی کرنی چاہیئے - جامع الشتات مین لکھا ہے کہ ایسی صورت مین مجتہد العصر کا حکم
ضرور ہے - (جو شیعہ ملکون مین قاضی کا قائم مقام ہوتا ہے) مگر یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ
شرائع الاسلام مین اسکے خلاف لکھا ہے - یعنی اس کتاب مین یہ لکھا ہے - کہ یہ سچ ہے کہ
نامردی ثابت کرنے کے لیے حاکم شرع کو چاہیئے کہ ایک مدت مقرر کردے کہ اُس مدت مین
شوہر اپنی مردی کی آزمائش کرے اور اُس میعاد کے منقضی ہونے کے بعد زوجہ خود اپنے

تفرقہ کردیا ہے یعنے نابالغ کی ذات سے حق الجبر کو اُٹھا لیا ہے مگر خود اُسکے فائدہ کے لیے اُسکی جائداد کا انتظام اُسکے اولیا رشرعی کے سپرد رکھا ہے۔

اگر کوئی نابالغ سن بلوغ کو پہونچکر رشید ہو تو اٹھارھوان سال تمام ہونے پر رشید سمجھا جائیگا الّا اسکے کوئی شہادت قطعی اسکے خلاف پیش کیجائے۔

بلوغ کے ان دونون زمانون کا اصول ایکٹ ۹ ۱۸۷۵ء یعنی ایکٹ نابالغان مین قائم رکھا گیا ہے۔ اس ایکٹ کی دفعہ ۲ ضمن (الف) مین لکھا ہے کہ "کوئی امر مندرجہ ایکٹ ہذا کا کوئی مضمون کسی شخص کی کارروائی کرنے کی قابلیت مین مقدمات ذیل مؤثر نہوگا۔ یعنی۔ مناکحت۔ مہر۔ طلاق۔ اور تبنّی"

اور دفعہ ۳ مین لکھا ہے کہ "بہ پابندی امور مذکورۂ بالا ہر ایسا نابالغ جو کسی عدالت کی زیر نگرانی خواہ ایکٹ ۴۰ ۱۸۵۸ء خواہ ایکٹ کورٹ آف وارڈس کے بموجب ہو اٹھارھوان سال ختم ہونے پر بالغ سمجھا جائیگا خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ اس سے پیشتر بالغ نہ سمجھا جائیگا مگر ہر ایسا نابالغ جسکی ذات یا جائداد کا ولی عدالت نے مقرر کردیا ہو یا آئندہ مقرر کرے اور ہر وہ نابالغ جو زیر اختیار کورٹ آف وارڈس ہو اکیسوان سال ختم ہونے پر بالغ سمجھا جائیگا خواہ مرد ہو خواہ عورت اس سے پیشتر نہ سمجھا جائیگا"

اِس سے ظاہر ہے کہ جہانتک اِس ایکٹ کا اصول تعلق ہے وہانتک یہ شرع محمدی کے مشابہ ہے جسمین دو مختلف زمانے بلوغ کے قرار دیے گئے ہین۔ ایک زمانہ نابالغ کی ذات کے آزاد ہونے کا اور ایک زمانہ اُسکے مال کے آزاد ہونے کا ایکٹ مذکور مین رشد کا زمانہ یعنے جب نابالغ کی جائداد کا انتظام خود اُس سے متعلق کردینا چاہیئے مختلف نہین رکھا گیا ہے بلکہ ہر نابالغ جسکا ولی کسی عدالت سے نہ مقرر کردیا ہو یا جو کورٹ آف وارڈس کے زیر اختیار نہ ہو اُسکا سن رُشد یا سن بلوغ اٹھارہ سال کا مقرر کردیا گیا ہے

بلکہ جس نابالغ کا ولی کسی عدالت سے مقرر کر دیا ہو اُسکے باب مین اس ایکٹ نے شرع محمدی سے بھی ترقی کرکے یہ قرار دیا ہے کہ اُسکی جائداد نہین واگذار ہوسکتی تاوقتیکہ وہ اکیسوان سال تمام نہ کرلے۔

جہانتک نابالغون کی ذات کی آزادی متعلق ہے وہانتک اس ایکٹ نے شرع محمدی مین کچھ تصرف نہین کیا ہے۔ بلکہ اسنے خاص کر مسلمانون کو مستثنیٰ کرکے لکھ دیا ہے کہ مناکحت اور مہر اور طلاق کی قابلیت رکھتے ہین۔ پس اس ایکٹ نے جو نابالغی کا سن بڑھا دیا ہے اُس سے حق الجبر کی مدت نہین زیادہ ہوگئی ہے۔

باپ کا حق الجبر نابالغ اولاد کا نکاح کر دینے کا باوجود اس ایکٹ کے بھی پندرھوان سال ختم ہونے کے بعد یعنی بلوغ شرعی کے بعد نہین عمل مین آسکتا۔

اسی طرح سے اگر نابالغ حنفی مذہب یا شیعہ ہو تو بلا اجازت ولی بھی اپنا نکاح کر سکتا ہے اور اگر اُسکی طرف سے کسی نے اُسکا نکاح کر دیا ہو تو اُسکا جواز اُسکی صریحی رضامندی پر موقوف ہوگا۔

جب نابالغ کا عقد باپ اور دادا کے سواے اور کسی ولی نے کر دیا ہو تو اسمین شک معلوم ہوتا ہے کہ آیا وہ پندرھوین برس کے بعد خیار البلوغ کو عمل لا سکتا ہے یا یہ کہ حق اٹھارھوان سال ختم ہونے کے بعد عمل مین لایا جائیگا۔ ایکٹ مذکور کی عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اسمین شرع محمدی کے احکام درباب قابلیت نکاح و مہر و طلاق بعینہ قائم رکھے گئے ہین لہذا جب کسی نابالغ کا نکاح اس طور سے کر لیا گیا ہو تو بعد بلوغ اُسکو حق خیار البلوغ عمل مین لانا جائز ہے۔ اگر وہ حق اُسوقت نہ عمل مین لایا جاے تو یہ گمان کرنا مشکل ہے کہ وہ حق جاتا رہیگا یا اُسکا عمل مین نہ لایا جانا اقبال یا رضامندی پر محمول کیا جائیگا۔ چونکہ ایکٹ مذکور مین لکھا ہے کہ بعض صورتون مین نابالغی اٹھارہ برس کے سن تک تصور کرنی چاہیے اور بعض صورتون مین اکیس برس کی عمر تک اور چونکہ اسمین یہ کہین نہین لکھا ہے کہ جو حق کسی خاص

قانون کے روسے عمل ہوا ہو اگر وہ اُس قانون کے منشا کے موافق فوراً نہ عمل میں لایا جاوے تو زائل ہو جائیگا لہذا یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ کوئی عدالت اُس نابالغ کو جسکا عقد اُسکے باپ اور دادا کے سوا کسی اور ولی نے کر دیا ہو حق خیار البلوغ کو اُس عقد کے فسخ کرنے کے لیے عمل میں لانے سے مانع نہو گی گو اُس حق کا دعوے یا نفاذ اُس سن بلوغ کے پورا ہونے کے بعد بھی نہ ہوا ہو جو ایکٹ مذکور میں مقرر کر دیا ہے۔

شرع محمدی میں ہر شخص کو بعد بلوغ یہ اختیار اور یہ قابلیت بخشی گئی ہے کہ ہر قسم کے تصرفات شرعیہ یا معاملات جائز کو جو اسکی حیثیت یا اُسکی جائداد سے متعلق ہوں کر سکتا ہے اسمیں کچھ مرد یا عورت کی تخصیص نہیں ہے۔ ایکٹ مذکورہ بالا میں جائداد کی نسبت کوئی معاملہ کرنے کی قابلیت کو اُس سن تک ملتوی رکھا ہے جو کونسل واضع آئین و قوانین نے مقرر کر دیا ہے۔ مگر چونکہ اس ایکٹ میں اُن معاملات کو مستثنیٰ کیا ہے جو لوگوں کی حالت یا حیثیت سے متعلق ہیں لہذا اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص سن بلوغ کو پہونچکر نکاح کرے اور کچھ مہر مقرر کر دے تو ایسا مہر جائز ہوگا کیونکہ وہ ایک نتیجہ ضروری یا لازم ذاتی معاہدہ نکاح کا ہے۔ اسی طرح سے چونکہ اس ایکٹ میں طلاق سب شرع محمدی بعینہ قائم رکھا گیا ہے لہذا اگر کوئی مسلمان شوہر شرع محمدی کے روسے بالغ [illegible] ایکٹ کے بموجب نابالغ ہو اور اختیار طلاق کو عمل میں لاکر زوجہ کو طلاق دیدے [illegible] مستوجب ادا ے مہر ہوگا گو اس ایکٹ کے بموجب وہ ایسی ذمہ داری سے بری رہیگا [illegible] کے ادا نہ کرنے سے یا اُس معاہدہ کو شکست کرنے سے نہ پیدا ہوئی ہو جو اُسکی حیثیت یا حالت سے متعلق ہے۔ یہ بعض دقتیں ہیں جنکے پیدا ہونے کا گمان ایکٹ بلوغ اوس میں خاص سے ہوتا ہے جسکا ذکر سابق میں کیا گیا۔

علاوہ انکے اور دقتیں بھی اس ایکٹ سے پیدا ہوتی ہیں جنکا ذکر مجملاً کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رہے [illegible] ایکٹ اُن سب اشخاص سے متعلق ہے جو برٹش انڈیا میں سکونت دائمی یا مستقل بود و باش رکھتے ہیں۔ مگر ایسی صورتیں بھی وقوع میں آتی ہیں جنمیں کوئی مسلمان باشندۂ عرب یا عجم

یا افغانستان یا ٹرکی برٹش انڈیا مین بودوباش اختیار کرلیتا ہے مگر اپنے وطن اصلی کو ہمیشہ
ترک کرتا۔ ایسی صورتون مین یہ دریافت کرنا تقریبًا ناممکن ہے کہ آیا ایسا شخص قصد حقیقی برٹش انڈیا
مین سکونت دائمی اختیار کرنے کا رکھتا ہے یا نہین۔ اسکی سب سے عمدہ مثال کلکتے کے اہل چین ہین
جنمین سے اکثر شہر کلکتہ یا اُسکے نواح مین کئی پشت سے سکونت پذیر ہین اور وہین کام کرتے ہین
اور وہین رہتے ہین اور وہین شادی بیاہ کرتے ہین مگر اُنمین سے کسی کا قصد یہ نہین معلوم ہوتا کہ
کبھی نہ کبھی اپنے وطن اصلی کو مراجعت نہ کریگا۔ یہ امر کسی قدر مشکوک ہے کہ ان لوگون کا
بلوغ کیونکر اور کس قانون کے بموجب قرار دیا جائیگا۔ اسوقت تک اُنمین کوئی ایسا مقدمہ
نہین ہوا ہے جسمین عدالتون نے اس بات کا فیصلہ قطعی کردیا ہو کہ آیا انکو برٹش انڈیا کا
باشندہ سمجھنا چاہیئے یا نہین۔ یا غالبًا جب ایسا کوئی مقدمہ عدالت مین پیش ہوگا
تو عدالت ان لوگون کو برٹش انڈیا کا باشندہ قرار دیگی۔

چونکہ مالکیہ کے نزدیک بلوغ کا گمان صرف اٹھارھوان سال ختم ہونے کے بعد
ہوسکتا ہے لہذا اُنکے اقوال مین اور ایکٹ مذکور کے احکام مین یا اُن نتائج مین جو اُن
احکام سے پیدا ہون تناقض ہونے کا کمتر گمان ہے۔ مثلاً اگر مالکی مذہب نابالغ کا کوئی
ولی کسی عدالت نے نہ مقرر کیا ہو یا وہ کسی کورٹ آف وارڈس کے زیر اختیار نہو تو اُس
ایکٹ کے بموجب جو نقص قانونی اُسمین ہے اور جو نقص شرعی اُسمین مذہب مالکی کے رو سے ہے
وہ دونون ایک ہی وقت مین رفع ہوجائینگے اور وہ نابالغ اپنی ذات کی آزادی کے ساتھ
اپنی جائداد کا اختیار اور انتظام بھی حاصل کرلیگا۔ اگر وہ کورٹ آف وارڈس کے زیر
اختیار ہے تو اُسکی جائداد کا واگذار ہونا تین برس تک اَور معطل رہیگا۔

مگر برخلاف اِسکے شیعہ مذہب یا حنفی مذہب نابالغ ایک صورت مین تین
سال تک اور دوسری صورت مین چھہ سال تک بعد بلوغ شرعی بھی اپنی جائداد پہ
اختیار نہ پائیگا۔ فقط

پندرھوان باب

ولایت یا حراست۔ اُسکی غایت وغرض شرع محمدی مین کیا ہے

باپ ولی اصلی ہے۔ اولیار وصیتی۔ ایکٹ ۴۰ سنہ ۱۸۵۸ع۔

ولایت یا حراست مین امور ذیل داخل ہین۔ (۱) نا بالغ کی ذات کی ہدایت اور حفاظت یہ اُسوقت ہوگا جبکہ حضانت اور ولایت دونون چیزین ایک ہی شخص مین جمع ہون۔ (۲) نا بالغ کی ذات کی نگرانی جبکہ حضانت دوسرے شخص سے متعلق ہو۔ (۳) نا بالغ کی جاندادکا انتظام اور حفاظت

دین اسلام جاری ہونے سے پیشتر یہ دستور تھا کہ نا بالغون کے مال واسباب کا تحفظ وانتظام ولیون سے متعلق کیا جاتا تھا جو اُنکے اہل خاندان مین سے مقرر کیے جاتے تھے۔ مگر چونکہ کسی حاکم کے حکم سے اختیار ولایت اُنپر نہ عمل مین لایا جاتا تھا لہذا نابالغون کے مال مین خیانت اور تغلب وتصرف اس شدت سے ہوتا تھا کہ شارع اسلام کو بہت سخت احکام نابالغون کی حفاظت کے جاری کرنے پڑے۔

قران مجید مین اُن بدعتون اور بے ایمانیون کی مذمت جابجا ہے جو پیغمبر اسلام کی بعثت کے زمانہ مین ساری عرب مین ہوتی تھین۔ اور احکام قرانی پر مسلمانون کا قانون ولایت مبنی ہے آیات ذیل مین کچھ احکام ولایت بیان کیے ہین جنسے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ چھٹی اور ساتوین صدی عیسوی مین اخلاق عامہ کی کیا کیفیت عرب مین تھی۔

وَاٰتُوا الْيَتَامٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا۔ یعنی اور دو تم یتیمون کو اُنکا مال اور نہ بدلو اچھی چیز کو بُری چیز سے اور نہ کھاؤ اُنکی جائداد کو اپنی جائداد کے ساتھ تحقیق کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے (سورۃ النسار آیت ۲)

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

كَثِيرًا - وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا - یعنی بسبب ظلم اُن لوگون کے جو یہود ہین ہمنے حرام کر دیا اُنپر حلال چیزون کو جو حلال کی گئی تھین اُنکے واسطے اور بسبب اُنکے بہکنے کے خدا کی راہ سے بہت - اور بسبب اُنکے لینے کے سود در حالیکہ اُنکو سود لینا منع کیا گیا ہے اور بسبب اُنکے کھا جانے کے لوگون کی جائداد ناحق اور وعدہ کیا ہے ہمنے کافرون کو اُنمین سے دردناک سزا کا -

(سورۃ النسار آیت ۱۵۸ و ۱۵۹ -)

قرآن مجید مین ولیون کو ممانعت ہے کہ نابالغون کی جائداد کو ضایع و برباد نہ کرین۔[سلہ] اور معلمون کو حکم ہے کہ ایک معقول و معتدل حق المحنت لین مگر اُس سے زیادہ نہ لین - جیسا اس آیت سے ظاہر ہے - وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا - (سورۃ النسار آیات ۵ و ۶ و ۷)

یعنی اور حفاظت کرو یتیمون کی یہانتک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہونچین پس اگر تم اُنکو ذیشعور دیکھو تو دیدو اُنکو اُنکی جایدادین اور نہ کھاؤ اُنکو فضول خرچی اور خیانت کے ساتھ اور جو شخص مالدار ہو ہر آینہ اُس سے بالکل پرہیز کرے اور جو شخص نادار ہو ہر آینہ مقدار رواجی اُمین سے لے پس جب تم اُنکو اُنکی جائدادین حوالہ کرو تو گواہون کے سامنے حوالہ کرو اور کافی ہے خدا حساب لینے والا - اور وہ لوگ جو کھاتے ہین مال یتیمون کا ناحق نہین کھاتے اپنے شکمون مگر آگ کو اور قریب ہے کہ پہونچینگے آتش دوزخ مین -

پہلی آیت مین اولیا نابالغ کی جائداد کا حساب دینا بھی فرض کر دیا ہے -

---

سلہ جیسا آیت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے - ۱۲ منہ

كَثِيرًا - وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا - یعنی بسبب ظلم اُن لوگون کے جو یہود مین ہمنے حرام کر دیا اُنپر حلال چیزون کو جو حلال کی گئی تھین اُنکے واسطے اور بسبب اُنکے بہکنے کے خدا کی راہ سے بہت - اور بسبب اُنکے لینے کے سود درحالیکہ اُنکو سود لینا منع کیا گیا ہے اور بسبب اُنکے کہا جانے کے لوگون کی جائداد ناحق اور وعدہ کیا ہے ہمنے کافرون کو اُنمین سے دردناک سزا کا -

(سورۃ النسار آیت ۱۵۸ و ۱۵۹ -)

قرآن مجید مین ولیون کو ممانعت ہے کہ نابالغون کی جائداد کو ضایع و برباد نہ کرین - [1] اور معلمون کو حکم ہے کہ ایک معقول و معتدل حق المحنت لین مگر اُس سے زیادہ نہ لین - جیسا اس آیت سے ظاہر ہے - وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا - اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا - (سورۃ النسار آیات ۵ و ۶ و ۷)

یعنی اور حفاظت کرو یتیمون کی یہانتک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہونچین پس اگر تم اُنکو ذی شعور دیکھو تو دیدو اُنکو اُنکی جایدادین اور نہ کھاؤ اُنکو فضول خرچی اور خیانت کے ساتھ اور جو شخص مالدار ہو ہر آینہ اُس سے بالکل پرہیز کرے اور جو شخص نادار ہو ہر آینہ مقدار روا جیسی آئین ہے لے پس جب تم اُنکو اُنکی جائدادین حوالہ کرو تو گواہون کے سامنے حوالہ کرو اور کافی ہے خدا حساب لینے والا - اور وہ لوگ جو کہاتے ہین مال یتیمون کا ناحق نہین کہاتے اپنے شکمون مگر آگ کو اور قریب ہے کہ پہونچینگے آتش دوزخ مین -

پہلی آیت مین اولیا نابالغ کی جائداد کا حساب دینا بھی فرض کر دیا ہے -

---

[1] جیسا آیت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے - ۱۲ منہ

مگر باپ کو وصی یا ولی وصیتی مقرر کرنا صرف اُسوقت جائز ہے جبکہ وہ صحت نفس اور ثبات عقل رکھتا ہو یعنی اُسکے ہوش و حواس بخوبی درست ہون۔ پس اگر وصی یا ولی وصیتی مقرر کرنے کے وقت اُسکی عقل مین فتور ہو یا فاسد العقل ہونے کی وجہ سے مدت سے کاروبار کرنے کے قابل نہ رہا ہو تو ایسا تقرر شرعًا ناجائز ہوگا[1]۔

اسی طرح سے باپ کو چاہیئے کہ وصی یا ولی اِس شخص کو مقرر کرے جو بالغ و عاقل ہو۔ اگر جس شخص کو باپ نے اپنی اولاد کا ولی مقرر کیا ہے وہ نابالغ یا مجنون ہو تو ایسا تقرر شرعًا باطل ہے اور جتنی کارروائیان اُس نابالغ وصی نے بموجب اس اختیار کے جو اُسکو موصی نے دیا ہے قبل اسکے کی ہون کہ قاضی اُسکو برخواست کرے وہ سب شرعًا باطل اور غیر موثر ہونگی[2]۔ اگر تقرر کے بعد ولی فاسد العقل یا مجنون ہو جاوے تو جو ولایت اُسکو نابالغ کے باپ نے بخشی تھی وہ باطل ہو جائیگی اور ولی مقرر کرنے کا حق قاضی کو حاصل ہو جائیگا۔

اس مسئلہ مین بڑا اختلاف ہے کہ اگر کوئی نابالغ ولی مقرر کیا گیا ہو اور قاضی کے حکم سے برخواست نہ کیا گیا ہو تو آیا بعد بلوغ اُسکو حقوق ولایت عمل مین لانا جائز ہے یا نہین امام اعظم ابو حنیفہ نے اِس مسئلہ کا جواب بصیغہ نفی دیا ہے یعنے ناجائز قرار دیا ہے مگر امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ نے اِسکے خلاف فتوے دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر ولی نابالغ قبل بلوغ موقوف نہ کر دیا گیا ہو تو جو اختیار اُسکو موصی نے دیا ہے وہ بعد بلوغ اُسکو دوبارا حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی فتوے ہندوستان کے حنفی مذہب لوگون مین معمول بہ ہے[3]۔

حربی[4] (یعنی وہ شخص جو اُس ملک کا باشندہ ہو جسمین اور موصی کے ملک مین جنگ ہو) کسی حال مین مسلمان لڑکون کا یا سلطنت اسلامیہ کے غیر مسلم رعایا کے لڑکون کا ولی نہین ہو سکتا۔

---

[1] شہر لیسن کے قاضی کا فیصلہ مصدرہ ۳۰ - دسمبر ۱۸۶۲ء سائیر صاحب کی کتاب صفحہ ۳۶۰ مین ملاحظہ ہو ۱۲ - [2] فتاوای عالمگیری صفحہ ۲۱۲ - ۱۲ [3] فتاوای عالمگیری صفحہ ۲۱۴ - ۱۲ [4] بیلی صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ اجنبی یا غیر شخص کیا ہے

مگر جو ذمّی یا غیر مسلم اُسی بادشاہ کی رعیت ہو جسکی رعیت موصی ہے اُسکا حکم شرع مین اَور ہے ۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی ذمّی ولی مقرر کیا گیا ہو تو وہ اُن اختیارات کو شرعاً اُسوقت تک عمل مین لاسکتا ہے جبتک کہ قاضی اُسکو برخواست کرے ۔ اُسکو برخواست کرنے نہ کرنے کا اختیار قاضی کو ہے اور نابالغون کے حقوق کے لحاظ سے قاضی کو یہی مناسب ہے کہ اُسکو برخواست کردے ۔ جتنی کارروائیان اُسنے بحیثیت ولی کی ہون وہ سب اُسوقت تک جائز رہینگی جبتک کہ قاضی اُسکو برخواست کرے ۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ذمّی نابالغ کی جائداد کا ولی مقرر ہو سکتا ہے اُنکی ذات کا ولی نہین مقرر ہو سکتا ۔

شیعون کے نزدیک یہ مسئلہ نہایت دقیق اور مشکوک ہے ۔

جامع الشتات مین لکھا ہے کہ امور ولایت مین ذمّی اور حربی برابر ہین شاید اسمین یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اِس سے نابالغ کی ذات کی ولایت مراد ہے ۔

مگر سب فرقون کا اِسمین اتفاق ہے کہ جب مان ولی وصیتی ہو تو گو غیر مسلمہ ہو تو بھی حقوق ولایت کو نابالغون کی ذات اور جائداد دونون پر عمل مین لاسکتی ہے ۔ شیعون نے حق الجبر کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے

موصی کو اپنے غلام یا لونڈی کو اپنی نابالغ اولاد کا ولی مقرر کرنا جائز ہے ۔ لیکن اگر وہ غلام یا لونڈی جو ولی مقرر کی گئی ہے اور کسی شخص کی ہو ۔ یا اگر موصی کی اولاد مین سے بعض بالغ ہون تو پہلی صورت مین تقرر ناجائز ہے اور دوسری صورت مین ناجائز ہوسکتا ہے اور قاضی اُسکو باطل کرسکتا ہے ۔

سُنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک فاسق کو ولی مقرر کرنا جس سے نابالغ کے حقوق کے ضایع ہونے کا اندیشہ ہو ناجائز ہے اور قاضی اُسکی ولایت کو منسوخ کرسکتا ہے ۔

حالانکہ اس لفظ کے معنی باشندہ دارالحرب بمقابلہ دارالاسلام مین ۱۲ منہ ۔ ذمّی او ہبن صاحب کی کتاب صفحہ ۱۲۴ - ۱۲ منہ ۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۴۴ ۱۲ فصول عمادی ۔ کنز الدقائق ۱۲ ملاحظہ جامع الشتات فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۱۲ - ۱۲ منہ ۔

مگر جو ذمی یا غیر مسلم اُسی بادشاہ کی رعیت ہو جسکی رعیت موصی ہے اُسکا حکم شرع میں آور ہے۔
حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی ذمی ولی مقرر کیا گیا ہو تو وہ اُن اختیارات کو شرعاً اُسوقت تک
عمل مین لا سکتا ہے جبتک کہ قاضی اُسکو برخواست کرے۔ اُسکو برخواست کرنے نہ کرنے کا
اختیار قاضی کو ہے اور نابالغون کے حقوق کے لحاظ سے قاضی کو یہی مناسب ہے کہ اُسکو
برخواست کر دے[۱] - جتنی کارروائیان اُسنے بحیثیت ولی کی ہون وہ سب اُسوقت تک جائز
رہینگی جبتک کہ قاضی اُسکو برخواست کرے[۲]۔
مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ذمی نابالغ کی جائداد کا ولی مقرر ہو سکتا ہے اُنکی
ذات کا ولی نہین مقرر ہو سکتا۔
شیعون کے نزدیک یہ مسئلہ نہایت دقیق اور مشکوک ہے۔
جامع الشتات مین لکھا ہے کہ امور ولایت مین ذمی اور حربی برابر ہین شاید اسمین یہ
تاویل ہو سکتی ہے کہ اِس سے نابالغ کی ذات کی ولایت مراد ہے۔
مگر سب فرقون کا اسمین اتفاق ہے کہ جب مان ولی وصیتی ہو تو گو غیر مسلمہ ہو تو بھی حقوق ولایت کو
نابالغون کی ذات اور جائداد دونون پر عمل مین لا سکتی ہے۔ شیعون نے حق الجبر کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے۔
موصی کو اپنے غلام یا لونڈی کو اپنی نابالغ اولاد کا ولی مقرر کرنا جائز ہے۔ لکن اگر وہ غلام
یا لونڈی جو ولی مقرر کی گئی ہے اور کسی شخص کی ہو۔ یا اگر موصی کی اولاد مین سے بعض بالغ ہون تو پہلی
صورت مین تقرر ناجائز ہے اور دوسری صورت مین ناجائز ہو سکتا ہے اور قاضی اُسکو
باطل کر سکتا ہے۔
سُنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک فاسق کو ولی مقرر کرنا جس سے نابالغ کے حقوق کے
ضایع ہونے کا اندیشہ ہو ناجائز ہے اور قاضی اُسکی ولایت کو منسوخ کر سکتا ہے۔

حالانکہ اس لفظ کے معنی باشندہ دار الحرب بمقابلہ دار الاسلام مین [۱] دیکھو ذمی اور حسن صاحب کی کتاب صفحہ ۱۴۴ – ۱۲ منہ [۲]
فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۴ – فصول عمادیہ – کنز الدقائق ۱۲ – [illegible] جامع الشتات فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۱۲ – ۱۲ منہ –

ولی وصیتی ہر معاملہ مین جو نابالغون کی عافیت یا اُنکی جائداد کے انتظام وحفاظت سے متعلق ہو اُنکے باپ کا قائم مقام ہے ۔ بعض صورتون مین علی الخصوص اُس صورت مین جبکہ وصی کا تقرر فی نفسہ تعمیم پر دال ہو باپ کا یا دادا کا وصی اُس امانت کو اپنے وصی کے سپرد کر سکتا ہے[۱] ۔ مگر الجیرس کے قاضیون نے یہ فتوے دیا ہے کہ ایسی سپردگی کا جواز قاضی کی منظوری پر موقوف ہے ۔

ماں یہ حق نہین رکھتی ہے کہ کسی کو اپنی نابالغ اولاد کا ولی مقرر کرے ۔ اولاد حلال کی جائداد کا امین مقرر کرنا قاضی کا کام ہے مگر جب ماں عموماً باپ کے وصی کا کام کرتی ہو تو اُسکو اپنے وصیت نامہ مین اپنی اولاد کو اپنے وصی کے سپرد کر دینا جائز ہے ۔

جب ماں نے کسی کو اپنے نابالغ اولاد کی حفاظت کے لیے اپنا وصی مقرر کیا ہو اور اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ بھی اُسی کو سپرد کر دی ہو تو ایسے وصی کو یہ اختیار نہین ہے کہ جو جائداد اُن نابالغون نے اپنے باپ کے ترکہ مین پائی ہے اُسکو فروخت کر ڈالے خواہ وہ جائداد منقولہ ہو خواہ غیر منقولہ خواہ مقروض ہو خواہ قرضہ سے سبکدوش ہو ۔ البتہ ایسا وصی نابالغون کے فائدہ کے لیے اُس جائداد منقولہ مین دست اندازی کر سکتا ہے جو اُنکو ماں کے ترکہ مین ملی ہے مگر جائداد غیر منقولہ مین دست اندازی نہین کر سکتا ۔ اگر ماں کی جائداد مقروض ہو اور اسقدر قرضہ ہو کہ ساری جائداد اُسمین مستغرق ہو تو ایسے وصی کو ایسی جائداد کے بیچ ڈالنے کا اختیار ہے مگر اور کسی صورت مین اُسکے بیچنے کا اختیار نہین رکھتا ہے[۲] ۔

جب عدالت نے کسی کو ولی مقرر کر دیا ہو یا کوئی شخص ولی وصیتی ہو تو ماں اپنے نابالغ اولاد کی جائداد کے انتظام مین دست اندازی نہین کر سکتی ۔ مگر اُسکو ہر وقت اختیار ہے کہ اپنی اولاد کے

وصی کیا ہے وہ نہوگا ۱۲ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۱۳ ۔ ۱۲ منہ [۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۳ ۔ جامع الشتات ۱۲ منہ

[۲] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۳ ۔ مین لکھا ہے کہ ایسا ولی کوئی چیز اُس جائداد سے نہین خرید سکتا سوائے کھانے اور کپڑے کے ۱۲ منہ [۲] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۳ ۔ ۱۲ منہ

حقوق کی حفاظت کے لیے نالش دائر کرے یعنی جب ولی اُسکی نابالغ اولاد کی جایداد نسبت کوئی کارروائی فریب سے کر رہا ہو یا اُنکی جایداد کو ضایع و برباد کیے دیتا ہو یا اُنمین خیانت کرتا ہو تو مان اسکی مستحق ہے کہ قاضی سے مدد لیکر اُس ولی کو موقوف کرے یا اُسکو ایسی کارروائی سے مانع ہو۔

شرع محمدی مین ولی اصلی اور ولی وصیتی اور ولی مقرری تینون کے اختیارات اور فرائض نہایت تصریح اور بڑی احتیاط سے بیان کر دیے گئے ہین۔

ولی کو اجازت ہے کہ نابالغ کی جایداد منقولہ کو معاوضہ کافی لیکر فروخت کر ڈالے اور جو قیمت اُسکی ملے اُسکو نابالغ کے فائدہ کے لیے کسی مفید معاملہ (تجارت وغیرہ) مین لگا دے چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ولی نابالغ کی طرف سے جایداد منقولہ کو اُسکے مساوی کے معاوضہ مین خرید و فروخت کر سکتا ہے یا ایسی قیمت پر خرید و فروخت کر سکتا ہے جس سے کچھ خفیف سا نقصان ہو مگر ایسی قیمت پر خرید و فروخت نہین کر سکتا کہ بہت سا اور بدیہی نقصان ہو اسواسطیکہ ولی نابالغ کے فائدہ کے لیے مقرر کیا جاتا ہے پس اُسکو چاہیئے کہ جہانتک ممکن ہو نابالغ کا نقصان نہونے دے مگر تجارت مین اکثر نقصان خفیف ہو جاتا ہے اور ناگزیر ہے لہذا ولی ایسا نقصان گوارا کرنے کا مجاز ہے ورنہ خرید و فروخت کا باب مسدود ہو جائیگا"[سلہ]

جامع الشتات اور فصول عمادیہ مین بھی اسی کے مانند اقوال لکھے ہین۔

جب معاوضہ کے غیر کافی ہونے سے بادی النظر مین فریب معلوم ہو یا جب معاوضہ ایسا قلیل ہو کہ نابالغ کا نقصان عظیم لازم آئے یا جب قلت معاوضہ ولی کی غفلت و سہل انگاری کا نتیجہ ہو تو قاضی اُس معاملہ کو جو نابالغ کی طرف سے اُسکے ولی نے کر لیا ہے ناجائز قرار دے کر ولی کو اُسکے نتائج کا ذمہ دار کریگا۔ مگر قاضی کو اپنی عقل سے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ آیا یہ معاوضہ کافی ہے یا نہین ہے یا آیا کسی خاص معاملہ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُسمین نابالغ کا نقصان یا

سلہ ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۳ ۵ ۵ - ۱۲ منہ

حق تلفی ہوئی ہے یا نہین ہوئی ہے۔ اگر وہ معاملہ نیک نیتی سے اور کما حقہ توجہ اور احتیاط کے ساتھ کیا گیا ہو تو ولی ایسے نتائج کا ذمہ دار نہ سمجھا جائیگا جو اُسکی توقع اور اُسکی عاقبت اندیشی کے خلاف اتفاقاً اُس معاملہ سے پیدا ہو جائین۔

ولی کو شرعاً اجازت ہے کہ نابالغ کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کے لیے روپیہ قرض لے گو اُسکو نابالغ کی جائداد رہن رکھنی پڑے سب قرضے جو نیک نیتی اور جائز طور سے اِس غرض سے لیے گئے ہون نابالغ کی جائداد سے ادا کرنی چاہئین اور نابالغ کو چاہیئے کہ بعد بلوغ اُنکو ادا کرے۔

ولی کو نابالغ کی طرف سے تجارت کرنا جائز ہے مگر جب تجارت کرے تو اِسکا خیال رکھے کہ کوئی معاملہ خلاف عقل و دور اندیشی نہ کر بیٹھے یا ایسے معاملات نہ کرے جنکی نسبت اُسکو یہ یقین ہو جائے کہ یہ خطرہین یا اُنمین جوکھم ہے۔[1]

ولی کو واجب ہے کہ اپنا حساب نابالغ کے حساب سے علیحدہ رکھے جبکہ دونون کا سرمایہ ایک ہی تجارت یا ایک ہی کام مین شریک ہو۔

ولی وصیتی کو یا جسکو قاضی نے امین مقرر کیا ہو اُسکو یہ جائز نہین ہے کہ نابالغ کے مال کو خود اپنے پاس بابت کسی قرضہ کے جو اُسکو واجب الادا ہو رہن رکھے نہ کسی ایسے شخص پاس رہن رکھ سکتا ہے جسپر وہ اختیار رکھتا ہو یا جسپر حکومت پدری رکھتا ہو اسواسطے کہ ولی صرف ایک کا رندہ یا مختار ہے لہذا معاملات مین دوہری حیثیت نہین رکھ سکتا۔[2]

ہدایہ مین لکھا ہے کہ باپ اپنی نابالغ اولاد کی جائداد منقولہ بعوض اُس قرضہ کے جو اُسکی اولاد کے ذمہ واجب الادا ہو اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے یا اُسکو دوسرے شخص کے پاس اپنے ذاتی قرضہ کے عوض مین رہن رکھ سکتا ہے مگر اُس مال کی قیمت کا دیندار اولاد کا باپ رہیگا

بعض فقہا نے صاحب ہدایہ سے اِس مسئلہ مین اختلاف کیا ہے۔ انکا قول یہ ہے

---

[1] فصول عمادیہ ۲۱ منہ [2] ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۲ – ۱۱ منہ [3] ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۱ – ۱۲ منہ

حق تلفی ہوئی ہے یا نہین ہوئی ہے - اگر وہ معاملہ نیک نیتی سے اور کماحقہ توجہ اور احتیاط کے ساتھ کیا گیا ہو تو ولی ایسے نتائج کا ذمہ دار نہ سمجھا جائیگا جو اُسکی توقع اور اُسکی عاقبت اندیشی کے خلاف اتفاقاً اُس معاملہ سے پیدا ہو جائین -

ولی کو شرعاً اجازت ہے کہ نابالغ کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کے لیے روپیہ قرض لے گو اُسکو نابالغ کی جائداد رہن رکھنی پڑے - سب قرضے جو نیک نیتی اور جائز طور سے اِس غرض سے لیے گئے ہون نابالغ کی جائداد سے ادا کرنی چاہئین اور نابالغ کو چاہیے کہ بعد بلوغ اُنکو ادا کرے -

ولی کو نابالغ کی طرف سے تجارت کرنا جائز ہے مگر جب تجارت کرے تو اِسکا خیال رکھے کہ کوئی معاملہ خلاف عقل و دوراندیشی نہ کر بیٹھے یا ایسے معاملات نہ کرے جنکی نسبت اُسکو یہ یقین ہو جائے کہ پُرخطر ہین یا اُنمین جوکھم ہے -

ولی کو واجب ہے کہ اپنا حساب نابالغ کے حساب سے علیحدہ رکھے جبکہ دونون کا سرمایہ ایک ہی تجارت یا ایک ہی کام مین شریک ہو -

ولی وصیتی کو یا جسکو قاضی نے امین مقرر کیا ہو اُسکو یہ جائز نہین ہے کہ نابالغ کے مال کو خود اپنے پاس بابت کسی قرضہ کے جو اُسکو واجب الادا ہو رہن رکھے نہ کسی ایسے شخص پاس رہن رکھ سکتا ہے جسپر وہ اختیار رکھتا ہو یا جسپر حکومت پدری رکھتا ہو اسواسطے کہ ولی صرف ایک کارندہ یا مختار ہے لہذا معاملات مین دوہری حیثیت نہین رکھ سکتا -

ہدایہ مین لکھا ہے کہ باپ اپنی نابالغ اولاد کی جائداد منقولہ بعوض اُس قرضہ کے جو اُسکی اولاد کے ذمہ واجب الادا ہو اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے یا اُسکو دوسرے شخص کے پاس اپنے ذاتی قرضہ کے عوض مین رہن رکھ سکتا ہے مگر اُس مال کی قیمت کا دین دار اولاد کا باپ ہوگا

بعض فقہا نے صاحب ہدایہ سے اِس مسئلہ مین اختلاف کیا ہے - اُنکا قول یہ ہے

---

[1] فصول عمادیہ ۱۲ منہ [2] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۹۲ - ۱۲ منہ [3] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۱۵ - ۱۲ منہ

(ز) اسوقت بھی اسکو فروخت کرسکتا ہے جبکہ نابالغ اور کوئی جائداد نہ رکھتا ہو اور اسکے نفقہ یا گذارہ کے لیے اس جائداد غیر منقولہ کو فروخت کرنا نہایت ضرور ہو۔

(ح) اسوقت بھی اسکو فروخت کرسکتا ہے جبکہ وہ جائداد کسی سود خورہ مہاجن کے پاس ہو اور ولی کو یہ اندیشہ ہو کہ اس جائداد کے ملنے کی کچھ امید نہیں ہے[1]۔

اگر نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کافی قیمت پر نیک نیتی سے فروخت کیجاے اور اس غرض سے بیچی جاے کہ حاصل بیع کسی ایسے کام میں جسمین نقصان کا خوف نہو اور نفع کثیر کی امید ہو لگا یا جائیگا تو قول اصح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکو فروخت کرنا شرعاً جائز ہے[2]۔

قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ ولی وصیتی کے اختیارات انھین حدود سے محدود ہین اور اسیقدر وسیع ہین جیسے موصی کے اختیارات ہین[3]۔

ولی کے اختیارات کے باب مین شیعہ اور سُنی مین عموماً اتفاق ہے۔ اس مقام پر چند اصول عامہ کتاب مبسوط سے بیان کرنا فائدہ سے خالی نہین ہے۔

(۱) ولی وصیتی کو چاہیئے کہ بالغ و عاقل اور مسلمان اور عادل یعنی نیک کردار ہو۔

(۲) نابالغ خود اپنا ولی نہین مقرر ہوسکتا مگر دوسرے کے ساتھ اپنا ولی مقرر ہوسکتا ہے۔ جب وہ دوسرے شخص کی شرکت سے اپنا ولی مقرر ہو تو صرف بعد بلوغ کام کرسکتا ہے۔

(۳) صورت مذکورۂ بالا مین ولی بالغ ولی نابالغ کے زمانہ بلوغ تک اکیلا کام کرسکتا ہے۔

(۴) عورت وصی یا ولی وصیتی نابالغون کی مقرر ہوسکتی ہے۔

(۵) ذمی مسلمان لڑکون کا ولی نہین مقرر ہوسکتا۔

(۶) ولی وصیتی اپنے اختیارات ولایت اپنے ولی کو تفویض نہین کرسکتا تاوقتیکہ موصی نے اسکو ایسا کرنے کی اجازت صریحی نہ دی ہو

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۲ ـ فصول عمادیہ ـ جامع الشتات ـ کتاب الانوار ـ درالمختار صفحہ ۶۴۲ ـ ۱۲ منہ

[2] فصول عمادیہ ـ درالمختار ـ جامع الشتات ۱۲ منہ [3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۴ ـ ۱۲ منہ ـ

(۷) اگر دادا زندہ ہو تو باپ اپنے نابالغ اولاد کی ولایت غیر شخص کو نہیں دے سکتا الا اینکہ دادا اپنے بیٹے کی اولاد سے عداوت رکھتا ہو یا اُنکی ضرر رسانی چاہتا ہو۔

شرع محمدی مین جو احکام ولیون کے تقرر اور اُنکے اختیارات و فرائض سے متعلق ہین اُنکو ایکٹ ۴۰ ۱۸۵۸ع کی منشا کے موافق دیکھنا چاہیئے۔

اِس ایکٹ کی دفعہ ۲ مین لکھا ہے کہ ”با استثناء اُن مالکان اراضی کے جو گورنمنٹ کو مالگذاری دیتے ہین اور جو کورٹ آف وارڈس کی زیر حراست ہون یا آئندہ اُسکے زیر حراست رکھی جائین سب نابالغون کی ذات اور جائداد کی حفاظت (سواے اُن نابالغون کے جو ملکہ معظمہ کی رعایا اہل یورپ سے ہون) عدالت دیوانی کے اختیار مین رہیگی“

پھر دفعہ ۳ مین لکھا ہے کہ ”جس شخص کو از روے وصیت نامہ یا بموجب کسی دستاویز کے یا بوجہ قرابت قریبہ یا اور کسی وجہ سے نابالغ کی جائداد کی ولایت کا دعوے ہو اُسکو چاہیئے کہ عدالت دیوانی سے سارٹیفکٹ انتظام کی استدعا کرے اور کوئی ایسا شخص اُس جائداد پر نالش کرنے یا اُسکی نالش کی جوابدہی کرنے کا مستحق نہین ہے جسکی ولایت و حفاظت کا دعوے وہ رکھتا ہو تاوقتیکہ وہ ایسا سارٹیفکٹ نہ حاصل کر لے“

اِس دفعہ سے مان کا یہ حق نہین زائل ہو گیا ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کی ولی بنکر نالش کرے اُسکو اُنکی جائداد کے تباہ و برباد کر دینے سے مانع ہو۔

دفعہ ۱۹ مین خاص کر یہ لکھا ہے کہ ”نابالغ کے عزیز یا رفیق کو جائز ہے کہ اُسکی نابالغی کے زمانہ مین جسوقت چاہے حساب فہمی کی نالش اُس شخص پر دائر کرے جو اس ایکٹ کے منشا کے موافق اُسکا منتظم مقرر ہوا ہو یا اُس شخص پر جسکو اس ایکٹ کے بموجب سارٹیفکٹ انتظام دیا جائیگا یا کسی ایسے شخص یا ایسے منتظم پر اُسوقت جبکہ وہ اپنے عہدہ سے برخواست ہو چکا ہو یا در صورت اُسکے مرجانے کے اُسکی ذات کے قائم مقام پر نسبت کسی جائداد کے جو اُسوقت اُسکے زیر حراست یا زیر انتظام ہو یا پیشتر رہی ہو یا بالنسبت کسی رقوم یا اور جائداد

(۷) اگر دادا زندہ ہو تو باپ اپنے نابالغ اولاد کی ولایت غیر شخص کو نہین دے سکتا الا اینکہ دادا اپنے بیٹے کی اولاد سے عداوت رکھتا ہو یا اُنکی ضرر رسانی چاہتا ہو۔

شرع محمدی مین جو احکام ولیون کے تقرر اور اُنکے اختیارات و فرائض سے متعلق ہین اُنکو ایکٹ ۴۰ سنہ ۱۸۵۸ع کی منشاء کے موافق دیکھنا چاہیئے۔

اِس ایکٹ کی دفعہ ۲ مین لکھا ہے کہ "باستثناء اُن مالکان اراضی کے جو گورنمنٹ کو مالگذاری دیتے ہین اور جو کورٹ آف وارڈس کی زیر حراست ہون یا آئندہ اُسکے زیر حراست رکھی جائین سب نابالغون کی ذات اور جائداد کی حفاظت (سوائے اُن نابالغون کے جو ملکہ معظمہ کی رعایا اہل یورپ سے ہون) عدالت دیوانی کے اختیار مین رہیگی"

پھر دفعہ ۳ مین لکھا ہے کہ "جس شخص کو از روے وصیت نامہ یا بموجب کسی دستاویز کے یا بوجہ قرابت قریبہ یا اور کسی وجہ سے نابالغ کی جائداد کی ولایت کا دعوے ہو اُسکو چاہیئے کہ عدالت دیوانی سے سارٹیفکٹ انتظام کی استدعا کرے اور کوئی ایسا شخص اُس جائداد پر نالش کرنے یا اُسکی نالش کی جوابدہی کرنے کا مستحق نہین ہے جسکی ولایت و حفاظت کا دعوے وہ رکھتا ہو تا وقتیکہ وہ ایسا سارٹیفکٹ نہ حاصل کرلے"

اِس دفعہ سے مان کا یہ حق نہین زائل ہو گیا ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کی ولی پر نالش کرکے اُسکو اُنکی جائداد کے تباہ و برباد کر دینے سے مانع ہو۔

دفعہ ۱۹ مین خاص کر یہ لکھا ہے کہ "نابالغ کے عزیز یا رفیق کو جائز ہے کہ اُسکی نابالغی کے زمانہ مین جس وقت چاہے حساب فہمی کی نالش اُس شخص پر دائر کرے جو اس ایکٹ کے منشاء کے موافق اُسکا منتظم مقرر ہوا ہو یا اُس شخص پر جسکو اس ایکٹ کے بموجب سارٹیفکٹ انتظام دیا جائیگا یا کسی ایسے شخص یا ایسے منتظم پر اُس وقت جبکہ وہ اپنے عہدہ سے برخواست ہو چکا ہو یا در صورت اُسکے مر جانے کے اُسکی ذات کے قائم مقام پر نسبت کسی جائداد کے جو اُس وقت اُسکے زیر حراست یا زیر انتظام ہو یا پیشتر رہی ہو یا بالنسبت کسی رقوم یا اور جائداد

شخص کو کسی جائداد غیر منقولہ کے بیع کرنے یا رہن رکھنے کا یا پانچ سال سے زیادہ میعادی ٹھیکہ دینے کا اختیار بغیر اسکے نہوگا کہ پیشتر عدالت دیوانی کا حکم حاصل کرتے؛؛

مقدمہ عباسی بیگم بنام راج روپ کور[1] جسٹس اینسلی صاحب اور جسٹس میکڈانلڈ صاحب نے یہ تجویز کیا تھا کہ وہ ولی ناجائز جسنے اِس ایکٹ کے بموجب سارٹیفکٹ نہ پایا ہو اُس ولی جائز سے زیادہ اختیارات نہین رکھتا ہے جو اس ایکٹ کے روسے مقرر کیا گیا ہو۔ مگر اسکے بعد ایک مقدمہ ہوا جسمین ہائی کورٹ کلکتہ کے اجلاس کامل نے اِسکے خلاف رائے قائم کرکے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب ولی (خواہ مرد ہو خواہ عورت) سارٹیفکٹ پاچکا ہو تب اسکا اختیار دفعہ ۱۸ ایکٹ ۴۰ سنہ ۱۸۵۸ع کی منشا کے موافق محدود ہوجاتا ہے۔ پس جب کسی ولی نے خواہ ولی اصلی خواہ ولی وصیتی سارٹیفکٹ نہ حاصل کیا ہو تو اُسکا فیصلہ شرع محمدی کے اصول کے موافق کیا جائیگا۔ اور شرع محمدی مین نابالغ کے حقوق کے حفاظت کی خوب فکر کردیگئی ہے جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ لہذا اِسمین شک نہین ہے کہ جو ولایت کے جھگڑے مسلمانون مین پیدا ہونگے انکا تصفیہ کرنے مین ہندوستان کی عدالتین اُن منصفانہ اصول شرعیہ کی پابندی کرینگے جو صوبہ الجیریس کے قاضیون اور عدالتون نے اختیار کیئے ہین ۔ تمام

[1] انڈین لا ریورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۳۳ - ۱۸ امنہ